فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

آئینہ اسلام سالہ

# التعوذ فی الاسلام

۱۳۵۴ھ — ۱۹۳۵ع

یعنی

## تشریح مضامین و مطالب سورہ فلق و سورہ ناس قرآن حکیم

جس میں

علم الٰہی سے علم سحر کا تقابل دکھلاتے ہوئے شیطان رجیم اور علم سحر کی حقیقت و واقعیت پر شافی و جامع بحث کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ آفات انسانی کی عقلاً و نقلاً پانچ ہی شکلیں ہوسکتی ہیں جن کا واحد علاج تعوذ باللہ اور ورد معوذتین ہی ہے اسی کے ضمن میں متعدد مہمات فکریہ و اسرار الٰہیہ کو سر کرکے قلوب مسلمین میں ایقان و عرفان کی ایک نئی روشنی پیدا کی گئی ہے۔



جناب مولانا محمد طاہر صاحب بن حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب بن حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب رحمہما اللہ ناظم کتبخانہ دار العلوم دیوبند

مطبوعہ مطبع قاسمی دیوبند ضلع سہارنپور

# خداوندا!

ایک بندۂ عاصی و خطاکار تیرے کلام ازلی کے چند اثرات، اور نور تعوذ کے چند ثمرات و برکات، اور آب کوثر کے چند معنوی قطرات کو اپنی پُراز خطاء و نسیان پیرایۂ نطق و بیان کی آمیزش سے اور اپنی فکر ناقص و دود آمیز عقلِ نارسا کے شمول سے تیری درگاہ وسعت پناہ میں بصد تضرع و انابت بوسیلۂ حضرت قاسم کوثر و سید الابرار پیش کرنے کی سعادت و بہجت حاصل کر رہا ہے۔

پس اے مالک ارض و سموات و نجوم! اور اے صاحب علم و قدرت حضرت حیّ و قیوم! جس طرح پہلوں کی نذر کو تو نے قبول فرما کر دلوں کی آواز پر لبیک فرمایا اور اُنکو سرور ابدی سے نوازا ہے اسی طرح اے معزّو اے مذل اس عاجز بے نوا کی نذر حقیر کو بھی اپنے فضل مخصوص اور رحمتِ واسعہ سے اپنے بندوں میں مرتبہ قبول عطا فرما اور اُس کی ہر قسم کی لغزشوں اور کوتاہیوں سے درگذر فرما! الٰہی بطفیل حضرت ختم رسالت باعث میثاق النبیین صلے اللہ علیہ وسلم ہم سب کی دُنیا و آخرت کے لیے اس سعی ناچیز کو وسیلہ ہدایت و ذریعۂ سعادت فرما! اور اس عاجز کو اپنے کلام نور کی خدمت پر عظمت کی توفیق مزید عنایت کر اے کبریا! اُس کی کاوشوں کو اضاعت و حسد سے بچا اور اُن کو منظر عام پر لانے کے اسباب مہیّا فرما! اور اُن خاصان حق کو تا دیر قائم رکھ جن کے فیوض و برکات سے آج چشمۂ علم و ہدٰے زندگی پا رہا ہے۔ بیشک تو دلوں کا دیکھنے والا اور اُن کی پاک تمناؤں کو اسباب کی سطح مرتفع پر لانے والا اور ناممکن کو ممکن کر دکھانے والا ہے۔ بڑی بزرگی اور عظمت والا ہے۔ کہتر دں کو بہتر اور بہتر کو برتر بنانیوالا ہے۔ ذرہ ہائے بے مقدار کو "آئینۂ قدرت" بنانے والا ہے اور اُن کو اپنی قدرت کاملہ سے اوج رفعت پر پہنچانے والا ہے اور پھر ان ہی ذرات بے مقدار کو اپنے جمع و تحلیل سے موجب نصب عالم اور آیۂ قدرت بنا کر مخلوق کے لیے شاہد و مشہود فرمانیوالا ہے

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب ○

وانا العبد الضعيف الاواه

محمد طاہر بن احمد بن حضرت قاسم النانوتوی کان اللہ لهم از دار العلوم ہند دیوبند

۷۸۶

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ۔

# اعلیحضرت آصفجاہ سابع سلطانِ دکن میر عثمان علیخان بہادر کی بارگاہِ رفیع میں

# ہدیۂ تشکر

ابتدائے تمہید میں احقر نے اپنے اُن اکابرِ دین و مربیانِ روحانی کا تذکرہ کیا ہے جنکے فیوضِ باطنی کی بدولت یہ سعادتِ روحانی احقر کو نصیب ہوئی ہے لیکن نہایت ناسپاسی ہوگی اگر احقر اس موقع پر محسنانِ روحانی کے ساتھ اپنے محسنِ جسمانی آصفِ سابع اعلیحضرت **میر عثمان علی خان** بہادر کا شکریہ ادا نکرے جنکے فیوضِ شاہانہ کی بدولت حق تعالیٰ نے اس عاجز و خاکسار کو اس دار المحن میں عزت سے زندگی بسر کرنے کا موقع عنایت فرمایا اور عالمِ اسباب کی مشکلات سے بڑی حد تک مامون فرما کر اس قسم کی علمی خدمتوں میں منہمک ہونے کی طرف رہنمائی کی۔

## اسلئے

یہ دعاگو صمیمِ قلب سے اپنے دل کو ہر قسم کی خواہش و طمع سے پاک کرتے ہوئے بارگاہِ سلطانی میں اپنا دلی تشکر گذرانے کی عزت حاصل کرتا ہے اور ذاتِ شاہانہ پر برکت و سلام نازل ہونے کی دعا کرتے ہوئے اپنی پُر از خلوص زبان و قلب سے سرکارِ احدیت میں ملتجی و مستدعی ہے کہ "بار آلہا سلطان العلوم اور ذاتِ شاہانہ کا یہ فیضِ خسروانہ اور مملکتِ آصفیہ کی یہ نادر و عالمگیر علمی دستگیری ہمیشہ یوں ہی اہلِ علم و کمال و خدامِ دین پر بیش از بیش مبذول و منعطف رہی اور ذاتِ شاہانہ، بصد حمایتِ عقائدِ اہلسنت تادیر سریر آرائے سلطنت رہکر مسلمانانِ عالم کے لئے باعثِ فخر و امتنان ۔"

آمین۔

ممنونِ کرم

شاکر

محمد طاہر بن احمد القاسمی کان اللہ لہٗ

خادم دار العلوم دیوبند

# فہرست مضامین رسالہ نور الفلق حصہ اوّل

# تقاریظ حضرات اکابر علمائے دیوبند کثرہم اللہ امثالہم

## تقریظ ۱

زبدۃ العارفین، فخر المحدثین، حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب مدظلہ العالی محدث دار العلوم دیوبند

نحمدہٗ اللہ العلی العظیم ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ اما بعد۔ سلالہ دودمان صدیقی، اور چشم وچراغ خاندان قاسمی عزیزی ومکرمی مولانا قاری محمد طاہر صاحب ادام اللہ فیوضہ وابقاہ وبلغہٗ مولاہ الیٰ ماتمناہ کا رسالہ متبرکہ "التصوف فی الاسلام" مطالعہ کرنیکی توفیق وعزت اس عاجز کو حاصل ہوئی جو اپنے طرز میں ایک بے مثل وبے نظیر وعزیز الوجود رسالہ ہے۔

یہ رسالہ کیا ہے؟ مضامین علمیہ کا ایک بحر ناپید اکنار ہے اور لطائف وفوائد ظاہری وباطنی کا ایک دریائے ذخار۔ اسمیں سرمایۂ ذکاوت وفطانت قابل مؤلف نے بیش بہا مضامین ومسائل علم کلام وتصوف اور ابحاث فقہ وحدیث اور دیگر حقائق ومعارف کو اپنے شائستہ بیان اور طرز کلام سے ایسے پُر تاثیر ودل آویز عنوان سے ادا کیا ہے کہ پڑھنے والے کا قلب شدت تاثر وسرعت ترقی سے محو حیرت ہو جاتا ہے۔

محققین سلف وخلف کے مضامین عالیہ اور اپنے جدّ امجد قاسم العلوم والخیرات کی تحقیقات عجیبہ ولطیفہ کے علاوہ برکات وتوجہات اکابر اور فیض صحبت اصحاب حقیقت ومعرفت اور حضرات

اہلِ علم وکمال سے جو مضامین نکتہ شناس مکرم مؤلف کے قلب ودماغ میں حق تعالیٰ نے وارد فرمائے ہیں وہ نہایت بیش بہا اور ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء کا مصداق ہیں۔ بڑی مشکل سے یقین آتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس ضعیف ومنحنی ومریض الجسم کے قلب ودماغ کو اپنے لطائفِ عالیہ سے اِن مضامین کے لئے میزابِ رحمت بنایا ہے اور پھر خداداد ذہانت اور بے مثل علمی استعداد وقابلیت سے جس مستحسن طریق پر عبارت والفاظ کا جامہ اِن عالی مضامین کو پہنایا ہے وہ عزیز مؤلف ہی کا حق ہے اور مقولۂ مشہور "کم ترک الاوّل للاٰخرہ" وارشاد حضرت الصادق المصدوق صلے اللہ علیہ وسلم "مثل امتی کالمطر لا یدری اولہ خیر ام اٰخرہ" پیش نظر ہوجاتا ہے۔ مضامین کا جوش اور وفور بعض مواقع پر ضعیف الجثہ مؤلف کو بے اختیار کرکے ترتیب واہتمامِ عبارت والفاظ سے بے نیاز کردیتا ہے مگر بعض دفعہ یہی بے نیازی عبارت کو اسقدر تیز اور پرجوش قوی الاثر کردیتی ہے کہ ناظر وسامع دل پکڑ کر رہجاتا ہے۔

رسالہ کی ترتیب اور مضامینِ عالیہ کا ورود ونزول چونکہ اکثر اوقاتِ متبرکہ مثل نیم شب وآخر لیل میں ہوا ہے اور جذب وشوق وبے خودی کے بے مثل حالات میں ممدوح مؤلف نے اِن مضامینِ متواترہ کو بمشکل جمع فرمایا ہے۔ لہذا پڑھنے والے کے قلب پر یہی کیفیتِ وجد وشوق وبیزاری از تعلقاتِ دُنیاوی بہت مواقع میں طاری ہوجاتی ہے۔ سچ ہے:-

"ہر چہ از دل خیزد بردل ریزد"

احقر کی دعا اور آرزو ہے کہ حق تعالیٰ مؤلف مخلص کی سعی کو قبول فرماکر رسالہ کو باعث ہدایتِ طالبینِ آخرت بنادیں اور جناب مؤلف کو جزائے خیر ودرجاتِ عالیہ عطا فرمائیں۔
واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین

الاحقر ..... کتبہ

فقیر سید اصغر حسین حسنی حنفی قاسمی قادری عفا اللّٰہ تعالیٰ عنہ

(مورخہ ۱۵ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ)

تقریظ

## امیر الہند حضرت العلام مولانا الشیخ سید حسین احمد صاحب مدظلہ العالی

## صدر المدرسین دار العلوم دیوبند

حامداً ومصلیاً۔

آرے آرے۔ مشک آن ست کہ خود ببوید نہ کہ عطار گوید۔ تصنیف مذکور القدر کی تعریف کرنی اور بالخصوص ہم جیسے کم مایہ اشخاص کو اسمیں کچھ بھی موشگافی کرنا نہ صرف بے موقع بلکہ تصنیف اور مصنف کی توہین ہے۔ کون نہیں جانتا کہ علاوہ علو مضامین خود حضرت مؤلف دامت برکاتہم کس پایہ کے شخص ہیں۔ حضرت قاسم العلوم والخیرات نور اللہ مرقدہ کا انتساب قریب وہ عالی انتساب انکو عالم السر والخفی کی طرف سے عطا فرمایا گیا ہے جسکے سامنے تمام فضائل وفواضل ہیچ ہیں ذکاوت اور فطانت کے تو گویا کہ آپ مجسمہ ہیں۔ پھر اس تالیف منیف کی علو شان میں کیا شبہ ہے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ کریم کارساز اسکے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت وارشاد کا قصر عالی عطا فرمائے۔ آمین ÷

کتبہ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

۲۳ ذی قعدہ ۱۳۵۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

## تقریظ لطیف فخر الہند علامۃ العصر حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی ادام اللہ فیوضہم و برکاتہم

بعد حمد و صلوٰۃ گذارش ہی۔ بندہ رسالہ "التعوذ فی الاسلام" مصنفہ برادرِ محترم جناب مولانا قاری محمد طاہر صاحب قاسمی کے مطالعہ سے بیحد محظوظ و مسرور ہوا۔ اس موضوع پر اوّل مصنف کے جدِّ بزرگوار حضرت قاسم العلوم والخیرات قدس اللہ روحہٗ بانیِ دار العلوم دیوبند نے تفسیرِ معوذتین کی صورت میں نہایت ہی اعلیٰ اور عمیق حقائق پر مشتمل مضمون بہت موجز و بلیغ پیرایہ میں تحریر فرمایا تھا۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت مرحوم کے حفید سعادت مند کو اسکی توفیق بخشی کہ وہ اپنے جدِّ امجد کے متن کی شرح لکھکر افاضۂ عام کا ذریعہ بنے۔ "التعوذ فی الاسلام" کا مطالعہ کرنیوالا بیساختہ یہ محسوس کریگا کہ مصنف کتاب فیوضِ قاسمیہ اور وارداتِ غیبیہ کا حامل بلکہ اُن کے تواتر سے مغلوب ہے، اور بحث کا جو میدان سامنے آتا ہی اُسکے اشہب قلم کی جولانیاں کسی حد پر رُکنے والی نہیں بڑے بڑے بلند پایہ مضامین کو آسان اور سہل الوصول بنانے کی سعی کی ہے اور بلا مبالغہ مضامین کی اسقدر زور سے آمد شہادت دیتی ہے کہ یہ چیز مکسوب نہیں موہوب ہے، میں نے ابتدائے کتاب سے کئی سو صفحات تک مطالعہ کیا اور سرسری طور پر کہیں ضرورتِ ترمیم و اصلاح محسوس ہوئی تو مؤلف سلمہ اللہ تعالیٰ کو بے تکلف مطلع بھی کر دیا۔ اُمید ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع میں بالکل نرالی رہیگی۔ اور پڑھنے والے احقر کے اِن جملوں کی بذاتِ خود تصدیق فرمادینگے۔ اور مؤلف عزیز کے حق میں دعا کرینگے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اُن کو صحت و عافیت کے ساتھ تا بدیر مخلوق کی نفع رسانی اور دینِ قیم کی خدمت کے لئے قائم رکھے اور ہماری سب کی دنیا و آخرت کو درست فرمائے آمین

الراقم

شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ مقیم ڈابھیل ضلع سورت

۱۰ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ (یوم النحر)

# تقریظ حضرت مجاہد ظاہر و باطن حسنا المجد و الکرم مولٰنا احمد علی صاحب مدظلہ العالی

## امیر انجمن خدام الدین لاہور

اس عاجز نے "التصوف فی الاسلام" کے ہر دو حصوں کا مقامات عدیدہ سے بغور مطالعہ کیا گویا مضامین عالیہ کے دُرر گرانمایہ سلکِ کلمات میں پروئے گئے ہیں اگر بالفرض والتقدیر اسلام مسئلہ تناسخ کا قائل ہوتا تو یہ کہا جاتا کہ حضرت مولانا قاسم العلوم والخیرات نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی روح اقدس شاید اس خلف الرشید گرامی قدر مؤلف میں حلول کر گئی ہے اسلئے کہ حِکَمْ و عِبَرْ کا بحرِ ذخار اُمنڈتا ہوا آرہا ہے جسکی طوفان خیز موجیں ساحلِ قرطاس سے باہر پھیلتی ہوئی جارہی ہیں اور جوشِ تلاطم رو کنے سے بھی نہیں رُکتا مگراب یہ تعبیر مناسب ہے کہ جن علوم و معارف کی نشر و اشاعت کے لئے خدائے قدوس وحدہٗ لاشریک لہٗ نے حضرت مولانا نانوتوی کو منتخب فرمایا تھا اونہیں کے صحیح فہم و تدبیر کا القاء مولٰنا قاری محمد طاہر صاحب کو ہوا ہے جسکی برکت سے ان دو چھوٹی سورتوں کے مضامین کی اسقدر مبسوط تفسیر ہوتی گئی اللہ تعالیٰ سے مستدعی ہوں کہ قاری صاحب ممدوح کی اس سعی کو قبول فرمائے۔ اہنیں استقامت نصیب فرمائے اُن کے علم و فہم میں برکت عطا ہو اور ان مضامین کو ہدایتِ خلق کا ذریعہ بنائے۔ آمین ثم آمین ✦

احقر الانام

احمد علی عفی عنہ

مورخہ و موصولہ ۱۷ ارمحرم ۱۳۵۴ھ

## ۵ تقریظ لطیف واقفِ اسرارِ شریعت حاملِ برکاتِ نبوت مظہرِ انوارِ طریقت مرجعِ اصاغر و اکابر حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولٰنا محمد اشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم۔ سرپرست دار العلوم دیوبند

بعد الحمد و الصلوٰۃ۔ مجھسے رسالہ التعوذ فی الاسلام پر نظر کرنے کی خواہش کی گئی مگر فقدان فرصت کا عذر پیش کیا گیا جو مقبول بھی ہوا پھر بجائے اسکے اُسکی تلخیص پر نظر کرنے کی فرمائش پر اکتفا کیا گیا چنانچہ میں نے اُسکا مطالعہ کیا دو جگہ کچھ لفظی مشورہ بھی دیا اُسکے متعلق رائے تو اسلئے نہیں دیگئی کہ طرز اُس کا ہم طالب علموں کے طرز معتاد سے کچھ فوق ہے جسکو میں نکات و لطائف سمجھتا ہوں البتہ بجائے رائے کے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عزیز مؤلف سلمہ اللہ تعالیٰ کے علوم میں برکت فرما دے اور رسالہ کو نافع فرما دے۔ والسلام

کتبہ اشرف علی تھانوی
۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ

## ۶ نقل تقریظ حضرت مولٰنا الحاج المولوی محمد اعزاز علی صاحب مدرس درجہ اعلیٰ دار العلوم دیوبند زید مجدکم

مخدوم بندہ زیدت معالیکم۔ السلام علیکم۔ میں نے آپ کے اس رسالہ عالی (یعنی الافادۃ فی الاستعاذۃ فی الحدیث و القرآن) کو آج دوپہر کی فرصت میں دیکھا میں نے اس میں کہیں بغرض اصلاح کوئی نشان نہیں لگایا۔ اس سے خیال ہوسکتا ہے کہ میں نے غائر نظر سے دیکھنے میں کوتاہی کی ہوگی لیکن آپ یقین کریں ایسا نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ مجھکو کسی قسم کی ترمیم یا اصلاح کا اسمیں موقع ہی نملا۔ بارک اللہ فی علمکم و فی فیوضکم۔

محمد اعزاز علی غفرلہ ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ

# نقل تقریظ حضرت مولٰنا شمس الحق صاحب مدظلہ مدرس درجہ اعلیٰ دار العلوم دیوبند

الحمد للہ وکفٰی وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی - امّا بعد - احقر نے رسالہ "اَلتعوذ فی الاسلام" کا مطالعہ کیا - رسالہ بحیثیت مجموعی معوذتین کی تفسیر ہے - علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اس سے قبل ان دونوں سورتوں کی مبسوط تفسیر لکھ چکے ہیں - علامہ مذکور کو معارف قرآنیہ اور نکات تفسیریہ میں جو خداداد ملکہ حاصل ہے وہ بھی اہل علم سے پوشیدہ نہیں - اس کے علاوہ اس احقر نے اپنی علمی بے مائیگی کے باوجود اپنی بساط کے موافق حل مقاصد قرآنیہ کے سلسلہ میں ان دونوں سورتوں کے متعلق جو کچھ بھی کتب بینی کی ہے - ان سب کی بنا پر یہ کہنا بیجا نہو گا کہ رسالہ ہذا "کم ترک الاول للآخر" کا مصداق ہے - اور یہ کہ دورِ حاضر کی قرآن دانی کے اعتبار سے اپنے موضوع میں لاجواب ہے - اور یہ بتلا رہا ہے کہ حضرت مصنف دام ظلہٗ کو معارفِ قرآنیہ کا کافی ذوق حاصل ہے -

بلندی مطالب اور جامعیتِ مضامین کے علاوہ زبان اس قدر صاف شستہ اور عام فہم ہے کہ اس قدر عمیق اور گہرے حقائق کو اس انداز سے ادا کرنا اردو ادب کا اعجاز ہے خداوند تعالیٰ دورِ حاضر کی مادی ظلمتوں اور بہیمی طبیعتوں کی اصلاح کے لئے اس متبرک رسالہ کو ذریعۂ ہدایت بنادے - آمین -

احقر

شمس الحق افغانی عفی عنہ

۲۷ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۵۲ھ

# فہرست مضامین و عنوانات رسالہ نورٌ الالٰہ حصۂ دوم

# اغلاط کی معذرت فطرت کے لب و لہجہ میں

ہم جب کوئی مضمون لکھتے ہیں تو اولاً دل و دماغ اسے حوالہ قلم کیا کرتے ہیں یعنی قوت لامسہ اسی صفحۂ قرطاس پر ایسی ہی طرح ظاہر کیا کرتی ہے جیسے بلا تشبیہ خدا تعالے انسان کو پردۂ عدم و حجاب رحم سے ظاہر فرماتا ہے پھر قوت سامعہ و باصرہ اُسکی تصدیق و تصحیح میں ہمہ تن وقف ہو جاتی ہیں کہ آیا دل و دماغ سے جو مضمون حوالۂ قرطاس ہوا ہے وہ واقع کے مطابق بھی ہے یا نہیں اتنی دردسری اور کاوشوں کے باوجود حجابات بشریت کی وجہ سے پھر بھی بیسیوں فروگذاشتیں کتابت و طباعت و جمع و ترتیب کی رہجاتی ہیں لیکن کلام بشر کے بالمقابل جب ہم کلام الٰہی کو دیکھتے ہیں تو وہ ان سب نقائص سے پاک اور مبرا نظر آتا ہے ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ وہ لاکھوں کروڑوں اربوں کی تعداد میں نسلاً بعد نسل نورانی قلوب میں آتا ہے اور مبارک زبانوں پر جاری ہو کر پھر اُنہی میں سما جاتا ہے نہ اسکے لئے لوازمات طباعت کی ضرورت ہے، نہ اُس کی اشاعت کیلئے پریسوں کی احتیاج وہ دلوں کی گہرائیوں اور نہائیوں میں محفوظ ہے اور ہر قسم کے نقصانات سے مبرا۔ اسلئے مضامین بشریہ میں مؤلف و مصحح ناشر و طابع کی غلطیوں سے چشم پوشی ہمارا اخلاقی فریضہ ہونا چاہیئے والسّلام ؛ محمد طاہر بن احمد القاسمی کان اللہ لہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

## وجہ تالیف و اشاعت

**برادرانِ اسلام!** بعد سلام سنت الاسلام بصورت تمہید و مقدمہ عرض ہے۔

**۱** یہ ایک حقیقتِ حقہ ہے کہ دُنیا کی تمام مشکلات و معضلات، حوادث و آفات، تنازع للبقاء، وجہد للحیاۃ میں اگر کوئی بچانے والا اور ساحلِ مراد تک پہونچانے والا ہے تو وہ تدبّر فی القرآن، تمسک بالسنۃ توسّل بالمکارم ہی ہے۔ اور بس۔

انہی کو دُنیا و عقبیٰ میں انسان کیلئے کلیدِ سعادت و مفتاح ہدایت بنایا گیا ہے اور یہی اعمال کی زینت وزیبائش تفخیم و تزئین کا موجب قرار دئے گئے ہیں اور انہی کے آثار و اثرات سے عالم کے جملہ کاروبار وابستہ و اُستوار فرمائے گئے ہیں۔

**۲** انہی اثراتِ ذکرِ حکیم و مضامینِ کتابِ علیم میں سے چند اثرات معوذتین کو آج اسلام کا ایک نہایت ہی ادنیٰ حلقہ بگوش اور اہلِ اسلام کا ایک بہت ہی کمتر خادم اپنے دل کی گہرائیوں سے زبانِ قلم اور سطحِ صحافت پر لاکر طبائع سلیمہ کے الواحِ قلوب پر کندہ و مرتسم کرنے کیلئے اور اپنے اُفکار و معانی کو لباسِ حروف پہنا کر لولو، و مرجانِ نبوّت' اور انوارِ قرآنی کو اپنے ناقص لفاظ کے سانچوں میں بند کرکے رسالہ ہذا میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

**۳** گو مجھ جیسے کم مایہ بے بضاعۃ عاصی و شرمسار سراپا عیوب و نقصان کے لئے اول تو زیبا ہی نہ تھا کہ میں اس ذکرِ حکیم و مضامین کتابِ علیم کے کسی حصّہ کی تالیف کا ارادہ بھی کروں کیونکہ ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نگہتِ گل　　　نسیم صبح تیری مہربانی

بالخصوص ایسی صورت میں کہ باوجود ہیچمدانی کے دو تین سال سے مسلسل اثرِ علالتِ جسمانی و آفاتِ روحانی کے باعث علمی مشغلہ کتب بینی کا سلسلہ بھی چھوٹ گیا ہو اور ایسی حالت میں کہ میرے اکابر کے

فیوضِ علمیہ و کمالاتِ باطنیہ کی رفعتِ شان و جلالتِ قدر بھی ہر دم میرے پیشِ نظر ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ ابتداءً معوذتین کے متعلق کسی رسالہ کے لکھنے کا ارادہ تو کیا خیال و گمان بھی نہ تھا بلکہ صرف چار پانچ صفحہ کا ایک مختصر سا مضمون اس بارہ میں جناب مدیر "قاسم العلوم" کی فرمائش پر لکھنا شروع کیا تھا مگر یہ کچھ عجیب خدا کی حکمت تھی کہ جتنی مرتبہ مسودہ صاف کرنے بیٹھا مضامین کی غیر معمولی آمد سے ہر مرتبہ مبیضہ مسودہ ہی بنتا گیا اور ہر مرتبہ صفحات دونے اور چوگنے ہوتے چلے گئے تب میں سمجھا کہ مشیئۃ الٰہی کچھ اور ہی ہے آخر اسطرح اس مختصر مضمون نے رسالہ ہذا کی شکل و صورت اختیار کرلی پس کس قدر پاک ہے وہ ذات جامع الکمالات اور لایق ہزاراں ہزار شکر ہے وہ فالق الحب و النوی جسنے زمین کے ہزاروں من مٹی کے ڈھیروں اور تودوں سے اپنی پاکی کا جلوہ نمودار کرنے کے اسلوب پر اس عاجز کے قلب مکدر کی زمین میں بھی پاکی کے اس تخم تعوذ کو ڈالکر اسطرح سے تدریجاً پھیلایا اور بڑھایا۔ فالحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ۔

**۴** الغرض جو کچھ بھی ظہور میں آیا اپنے قصد و ارادہ سے قطعاً نہیں آیا بلکہ قلب پراگندہ پر اپنے اکابر کی کیفیاتِ روحانی کا جو کچھ بھی افاضہ ہوا اسی نے یہ شکل و صورت اختیار کی اور اس کے بعد ظاہر ہے کہ میرے لئے کوئی وجہ جھجک اور پس و پیش کی نہیں رہتی کیونکہ زمین نے گو دانہ لیا اور اپنے اندر چھپایا پر اصلی تعریف اُس کی ہے جسنے تخم کو پیدا کیا اور اپنے حکم سے اُسے پھیلایا اور بڑھایا پس اگر اسمیں کوئی خوبی ہے تو وہ میرے بزرگوں کی ہے اور اگر کوئی نقصان ہے تو وہ میرا ہے ابتہٗ عاجز و درماندہ موجودہ مسودات ہی کو شائع کر کے بقیہ مضامین و اضافات کو طبع ثانی پر محول کرتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

**۵** اس برکتِ قرآنی و سعادتِ روحانی کے سبب میرے جدِّ امجد حجۃ اللہ علی العالمین مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ اور اُنکے برکات و فیوضِ علمیہ ہیں تو اس کا سبب ظاہری مجھ سیاہ کار کیلئے میرے اکابر موجودہ کی توجہاتِ بالغہ اور ان کا فیضِ صحبت ہی بالخصوص فضل المفسرین رئیس المتکلمین حضرت الاستاذ علامۃ العصر سیدی و معتمدی مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی ادام اللہ فیوضہم و برکاتہم کا فیضِ صحبت ہے جنکی نظر کیمیا اثر اور توجہ قلبی سے دل کی تمام پیچیدہ گتھیاں سلجھ گئیں اور دلپرسے کدوراتِ ماضیہ کا بادل چھٹ گیا۔

**۶** ان آیاتِ ربانی کا ایک حیرت انگیز اثر اپنے تجربہ میں بھی آیا اور وہ یہ کہ ایک عرصہ سے طویل علالت کیوجہ سے احقر کو کسی مسلسل مضمون کا لکھنا بہت ہی دشوار ہوگیا تھا لیکن مضامین ہذا کی تسوید و تالیف کیلئے جب بھی ظاہر

کیفیاتِ قلبی کے آلات لیکر بیٹھا ذرا بھی طبیعت پر کبھی بار نہ ہوا - حالانکہ بعض اوقات تمام تمام شب اسی محویت تالیف میں گذر گئی اور پتہ نہ چلا - باوجود مشغولیت تامہ کے ایک مرتبہ بھی مرض کا حملہ ہوا بلکہ ان کی برکت و تاثیر سے تو قوائے طبعیہ اصلی حالت پر عود کرتے دکھلائی دئے - مزید لایق شکر یہ امر ہے کہ چار یا پانچ مہینہ سے طاعون کی وبا جو ہمارے شہر میں پھیلی ہوئی تھی جس سے ہر چہار طرف خوف و ہراس بپا تھا اس شغل پاک کی برکت و تاثیر سے دورانِ تالیف میں کوئی ادنیٰ سا ہراس بھی دل پر نہ جم سکا اور اگر وحشتناک خبریں سننے سے بمقتضائے بشریت کسی روز قلب پر کچھ اثر ہو بھی گیا تو معاً اس شغل پاک کی برکت و استحضار سے یہ مضمون تسلی دل میں آجاتا کہ ہم اس وقت بکار سرکار احدیت شیطان پر حملہ آور ہیں پھر کیا مجال ہے کہ وہ ہماری طرف رخ بھی کرے یا بحالت شغل معوذتین مرض وبا کا نفوذ ہو بھی سکے - غرض تسوید و تالیف کے دوران میں عجب کیف و سرور سے دل معمور رہا ہر وقت فیضِ اکابر کا تخم سعید ملا تو خشیۃ الٰہی کا موسم روحانی بھی اسکے لئے قدرتاً بہت ہی ممد معاون ثابت ہوا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ تخم تعوذ بہت ہی جلد عالم باطن میں بار آور ہو گیا جسکے ثمرات شیریں آج آپ کے ہاتھوں میں ہیں - فللہ الحمد والشکر -

**۷** اگرچہ اس غلام حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ جو مضمون بیساختہ حق تعالےٰ کیطرف سے قلب میں آئے اسمیں اکثر نفس کا لگاؤ نہیں ہوتا تاہم بندہ کا علم شیطان کی زد سے چونکہ باہر بھی نہیں اسلئے بغرض تصدیق و اطمینان رسالہ ہذا کو اپنے اکابر اور اپنے بزرگوں کی خدمات عالیہ میں گذر انکر وثیقۂ طمانینت حاصل کرنا ضروری سمجھا اور ان تصدیقات اکابر کو بھی جزو رسالہ بناکر شائع کرنا موجب ازدیادِ خیر و برکت جانا سو الحمد للہ اس مرحلۂ سعادت کو بھی رسالہ ہذا نے سر کیا اور بتوفیقِ ایزدی یہ نعمت بھی میسر آگئی -

**۸** چونکہ رسالہ ہذا میں ایک مضمون کے تحت میں اکثر ضمنی مضامین بھی غیر اختیاری صورت سے آگئے ہیں اور یہ سب مضامین مجموعہ کے لحاظ سے ایک ہی لڑی میں منسلک ہیں اسلئے اگر ضمنی مضامین یا اجزائے اصلیہ میں ابتدائی نظر میں کوئی خدشہ محسوس ہو تو رائے قائم کرنے میں عجلت سے کام نہ لیا جائے بہت ممکن ہے کہ اس کا جواب اگلے صفحات سے ملجائے - اسلئے التماس ہے کہ وقت نکالکر دونوں حصوں کو پورے طور سے ختم ہی کرنیا چاہئے یوں تو احقر نے ہر حصہ کے مضامین کی تلخیص بھی بعد حذف مضامین ضمنیہ جدا جدا کردی ہے جو ہر ایک حصہ کے آخر میں لگادی گئی ہے تاکہ جن حضرات کو پورا رسالہ پڑھنے کی مہلت نہ ملے تو کم از کم وہ تلخیص ہی پڑھ لیں لیکن

واقعہ یہ ہے کہ تلخیص میں وہ کیف اور روح ہرگز نہیں پیدا ہوسکتی جو اصل رسالہ میں ہوتی ہے بہرحال

سپردم بتو مایۂ خویش را + تو دانی حساب کم و بیش را

۹ رسالہ ہذا کے مضامین کیسے ہیں ان کے متعلق تو اپنی بے مائیگی و بے بضاعتی کے لحاظ سے کچھ عرض کرنے کی ضرورت ہی نہیں اس کا فیصلہ تو ناظرین کرام ہی کے فہم سلیم پر محمول ہے اور عیوب سے چشم پوشی کی توقع بھی البتہ ان کے متعلق میں اتنا عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر ان میں کوئی کام کی بات ہاتھ آئے تو وہ میرے اکابر کا فیض سمجھا جائے اور جو نقصان نظر آئے۔ وہ اس عاجز کی طرف منسوب کیا جائے۔ اب یہ دعاگو صمیم قلب و حضور باطن کے ساتھ حضرتِ ربّ البریہ سے ملتجی ہے کہ وہ اس جہدِ مقل کو بطفیل سردارِ اولین و آخرین صلوات اللہ علیہ و سلامہ شرفِ قبول سے نوازے اور مسلمانوں کو اس سے نفع پہنچا کر سعیِ عاجز کو مشکور فرماتے ہوئے اس سلسلہ میں اسکے گناہوں سے درگذر فرمائے اور جو غیر معمولی حوادث والمناک واقعات اسلام و اہلِ اسلام پر شیاطین الانس والجن لارہے ہیں ان سب میں تعوذ حق کی یہ راہ سہل الوصول و کامیاب ثابت ہو۔ آمین

۱۰ آخر میں ٹوٹے ہوئے دل کی فریاد اپنے مالک و مولیٰ سے یہ ہے کہ الٰہی جسطرح تو نے عالمِ ارحام میں ہمیں نعمتِ وجود سے نوازا اور اُسکی تنگ و تاریک کوٹھریوں میں اپنی تجلیاتِ ربوبیت و ملکیت و الوہیت کا پرتو ڈالکر ہمیں روحِ مدرک و قالبِ انسانی عطا کیا اور سردارِ دوعالم (صلے اللہ علیہ وسلم) کا نورِ نبوت مرحمت فرماکر شباب و شیب کے مراحل طے کرائے اور عالمِ فانی کی سیر ہمیں میسر آئی اور ہمارے تخمِ سعادت کو پھیلایا اور بڑھایا اسی طرح اے اللہ جب اس عالم سے ہمارا کوچ ہو اور عالمِ برزخ میں ہمارا ورود ہو تو تیرے ہی ذکر سے قلب و زبان متحد ہوں اور تیرے ہی محبوب پاک کا نقشہ آنکھوں کی ٹھنڈک ہو اور عالمِ آخرت و یوم حساب میں بھی تیری ہی رحمت کا وزن و توازن ہمارے اعمالِ خفیفہ کی روح ہو اور تیرے ہی محبوب کی شفاعت کا ظہور ہو اور تیری ہی رضا کے نور سے دل معمور رہے اور لقاءِ سرمدی سے بقاءِ ابدی نصیب ہو وما ذٰلک علی اللہ بعزیز +

المتعبا باللہ والمعتمد علےٰ فضل اللہ
محمد طاہر بن احمد القاسمی کان اللہ لہٗ
خادم دار العلوم دیوبند -- ۱۰ محرم ۱۳۵۳ھ یوم عاشورہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# تشریح مضامین سورہ فلق المسمّٰی بہ نور الفلق حصہ اوّل

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ۙ۝ مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ۝ وَمِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ۝ وَمِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ ۙ۝ وَمِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝ - (ترجمہ)

تو کہہ میں پناہ میں آیا صبح کی رب کی ہر چیز کی بدی سے جو اُسنے بنائی اور بدی سے اندھیرے کی جب سمٹ آوے اور بدی سے عورتوں کی جو گرہ میں پھونک ماریں اور بدی سے بُرا چاہنے والے کی جب لگے ٹوک لگانے

---

الحمد للہ وسلام علٰے نبی الھدیٰ - **امابعد** سورہ فلق اور سورہ ناس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر اُسوقت نازل ہوئی تھیں جبوقت یہودلے اشاعت اسلام کی روزافزوں ترقی و غلبہ کو روکنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہونچانے کے لئے آپ پر سحر کیا تھا جو حضرتؐ کے جسم مبارک پر کچھ عرصہ کیلئے آثار مرض کی صورت میں ظاہر ہوا تھا - حضرت زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کو جب حضرت جبرئیل علیہ السّلام نے خبر دی کہ آپ پر فلاں یہودی نے سحر کیا ہے اور اُسنے چند گرہیں پڑھکر فلاں کنویں میں ڈال دی ہیں تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو مامور فرمایا کہ وہ کنویں سے اُن گرہوں کو نکالکر لائیں چنانچہ جب وہ گرہیں بارگاہ رسالت میں پیش کی گئیں اور اُنکو کھولا گیا تو ہر ایک گرہ کے کھُلنے کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی تکلیف میں تخفیف محسوس فرماتے تھے - دوسری روایتوں میں ہے کہ لبید بن اعصم یہودی نے آپ کے موئے مبارک حاصل کئے اور چند کلمات سحر جپکر گیارہ گرہیں لگائیں تو حق سبحانہ وتعالیٰ نے یہ دونوں سورتیں جو گیارہ آیتوں پر مشتمل ہیں نازل فرمائیں سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم جب ایک آیت کو پڑھکر پھونکتے تھے تو ایک گرہ کھُل جاتی تھی یہانتک کہ جب تمام گرہیں کھُل گئیں تو آپ اس طرح شفایاب ہوکر کھڑے ہو گئے جس طرح ایک جال میں سے کوئی شخص نکل جاتا ہے -

**روایاتِ سحر میں اختلاف اور اُسکی تطبیق**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سحر کی جو روایات کتب احادیث میں منقول ہیں معتزلہ وغیرہ نے اُن سے انکار کیا ہو اور "واللہ یعصمک من الناس" کو اپنی دلیل میں پیش کر کے بیان کیا ہے کہ اگر روایاتِ سحر کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو وعدۂ عصمت غلط اور کفار کا طعن سحر صحیح ہوتا ہے یعنی جب اللہ تعالےٰ نے آپؐ سے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھیگا تو پھر اس حفاظت میں کون خلل انداز ہو سکتا ہے لیکن دوسری روایتوں سے جبکہ یہ بھی منترشح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قوائے ملکیہ و عقلیہ پر قطعاً سحر مؤثر نہ ہوا تھا بلکہ صرف آپؐ کے قوتِ طبعیہ سے ایک درجہ میں سحر مزاحم ہوا اور آپؐ اس حالت میں بھی اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں غیر مستعد نہ تھے تو پھر اگر اس عارضی کیفیتِ سحر کو تسلیم بھی کر لیا جاوے تو اس سے مرتبۂ نبوت و عظمتِ رسالت پر کوئی حرف نہیں آتا اور اللہ تعالےٰ کے وعدۂ عصمت و حفاظت کا انکار لازم نہیں آتا۔ بلاشبہ عصمت و حفاظتِ خداوندی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہر حال شاملِ حال تھی اور آجتک حضورؐ کے طفیل سے اُن کے نام لیواؤں کے ساتھ بھی علیٰ قدرِ مراتب وہی حفاظت شاملِ حال ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سرورِ کائنات اور آفات و تغیراتِ عالم بھی اس خیر اعظم کے مقابل نہ آئیں اگر یعصمک من الناس اور حفاظتِ خداوندی سے یہ مراد لیجائے تو چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوتِ حق میں جو سخت سے سخت صعوبتیں اور اذیتیں کفار و شیاطین الانس سے پہونچیں حتیٰ کہ بعض غزواتِ اسلامی میں آپؐ کے دندانِ مبارک تک شہید ہوئے اُن روایات کا بھی انکار کیا جائے۔ علاوہ ازیں کفار تو بربنائے حسد حضورؐ کو ساحر بھی کہتے تھے اور اُن کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ ساحر پر کسی کے سحر کا اثر نہیں ہوتا اسلئے روایاتِ سحر کی تسلیم سے تو حضورؐ کا اعجاز ہی کفار کے ہاتھوں ظاہر ہوتا ہے کیونکہ معاذ اللہ اگر آپؐ ساحر ہوتے تو آپؐ پر سحر کا اثر ہی کاہے کو ہوتا اور کفار کو اسکی ہمت و جرأت ہی کیسے ہوتی بیشک کفار کے قول و عمل کا یہ اختلاف صاف طور پر بتلا رہا ہے کہ یہ بدکردار محض طالبانِ حق کو بدظن کرنے کے لئے آپکو ساحر کہتے تھے۔ ورنہ دل میں وہ بھی سمجھتے تھے کہ حضورؐ اس سے پاک ہیں۔ اور معوذتین میں سحر کا جو رد عمل بتلایا گیا ہے ایک ساحر کب اپنے سحر کا اُتار لوگوں کے ہاتھ میں دیتا ہے۔ غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کا ہو جانا سطحی نظر میں بظاہر شانِ نبوت کے منافی نظر آتا ہے لیکن یہ دنیا عالمِ اسباب ہے یہاں خیر و شر صدق و کذب ہر ایک کا ظہور اسباب کے ماتحت ہوتا ہے۔ اس عالمِ کون و فساد میں حق تعالےٰ کیطرف سے انسان کو ہدایت و سعادت کی راہ دکھلانے اور اُسپر چلانے کے لئے جو بھی بشیر و نذیر رسول

و پیغامبر مبعوث کئے گئے تمدن و معاشرت اور جامۂ انسانیت ہیں وہ بھی انہیں جیسے بنکر آئے ہیں اسی لئے عام انسانوں کی طرح جملہ انبیاء و مرسلین پر بھی اس فنا پذیر عالم کے احوال و آثار صحت و مرض، حیات و ممات اور ہر قسم کی جملہ کیفیات وارد ہوتی ہیں لیکن اُمت کے احوال و کیفیات اور نبی کے حالات و کیفیات میں ایک عظیم الشان فرق ہے اور وہ یہ کہ عام انسان ملک الناس کی حفاظتِ عامہ کے ماتحت ان کیفیات کی ساتھ گذرتے ہیں جنہیں بعضے اپنا ایمان صحیح و سالم لیکر پار لگ جاتے ہیں اور بعض انہی کیفیات کے گرداب بلا میں پھنس کر اپنے اصلی آقا و مولیٰ کو بھول بیٹھتے ہیں لیکن انبیا کی جملہ جسمانی و روحانی کیفیات ربّ قدیر کی مخصوص نگرانی و حفاظت میں پوری ہوتی ہیں دُنیا کا کوئی تغیر د انقلاب اپنے تمام آفات و حوادث کی باوجود اُن کو خداوندِ عالم سے غافل نہیں کرسکتا اور اُن کے لئے اِس تحفظ مخصوص کی ضرورت بھی تھی اس لئے کہ اگر انبیاء علیہم السّلام کی یہ مخصوص نگہداشت و حفاظت نہ ہوتی تو کیونکر ممکن تھا کہ وہ پیغامِ حق مخلوقِ خدا تک پہونچا سکتے اور کائنات کے عظیم الشان مصائب و آفات پر غالب آکر بچھڑے ہوئے بندوں کو خدا سے ملا سکتے

**تخصیص النبی صلے اللہ علیہ وسلم**

بارگاہِ احدیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور جملہ انبیاء کی یہ حفاظتی تخصیص دنیا کی سلطنتوں کے انتظامات میں بخوبی مشاہدہ کیجا سکتی ہے چنانچہ دیکھئے اصولی طور پر ہر ایک حکومت اپنے زیر اقتدار ممالک میں قیامِ امن اور رعایا کے ننگ و ناموس کی ذمہ دار ہوتی ہے اور مرکزی مقامات میں پولیس اور فوج کے مراکز قائم کئے جاتے ہیں جو اُس رقبہ کے بسنے والوں کی حفاظتِ جان و مال، عزت و آبرو کے فرائض ذمہ داری کے ساتھ انجام دیتے ہیں اور رعایا کے باہمی حقوق میں اعتدال و توازن قائم رکھنا ہی انکا کارِ منصبی ہوتا ہے لیکن جہاں عام رعایا کی حفاظت کے لئے پولیس اور فوج متعین کیجاتی ہے وہیں مرکز سلطنت میں بڑے بڑے وزراء و مقربینِ سلطنت کی نگرانی و حفاظت کے لئے مخصوص پولیس اور فوج کی جمعیت علیحدہ بھی متعین کیجاتی ہے جو اُن کی خاص طور پر نگہداشت رکھتی ہے جب کہیں ایسے نائبانِ سلطنت جاتے ہیں تو نگرانی کے ہر ممکن ذرائع استعمال کئے جاتے ہیں اور جب وہ آرام کرتے ہیں تو سنگینوں سے سنتری مسلح ایستادہ رہتے ہیں یہی سبب ہے کہ عام رعایا میں اگر نزاعی صورتیں پیدا ہو جائیں تو اُن کو معمولی طور پر رفع دفع کردیا جاتا ہے اور یہ تصادم "شخصی تصادم" کہلاتا ہے لیکن اگر کوئی شخص نائبانِ سلطنت و مقربین حکومت سے ایسی حالت میں مزاحم ہے جبکہ وہ مفوضہ خدمات انجام دے رہے ہوں اور کوئی شخص اُن کے درپئے آزار ہو جائے تو ایسے شخص کو نظامِ حکومت کا دشمن اور سلطنت کا باغی سمجھا جاتا ہے اور غیر معمولی طور پر اُسکے

استیصال کا اہتمام کیا جاتا ہے اور سخت سے سخت سزائیں دیجاتی ہیں اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کل انبیاء علیہم السلام بھی چونکہ حکومتِ الٰہیہ کے رسول و پیغامبر اور قانونِ الٰہی کے حامل تھے اُن کی حفاظت 'رُشد و ہدایت' کی حفاظت تھی اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کرنیوالی جماعتِ یہود، جہاں براہ راست حکومتِ الٰہیہ کے مدمقابل ہوکر خسران ابدی کی مستحق ہوئی وہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بھی حکیم مطلق اور مدبّر الامر کی طرف سے معوذتین کا نزول فرماکر حفاظتی تدبیر عمل میں لائی گئی اور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو سحر کا ردعمل سکھلادیا گیا یعنی شیطنت جس راستہ اور جس صورت سے بھی حملہ آور ہونے کا قصد کرے ہر ایک پر بند لگادیا گیا چنانچہ باذن اللہ ان آیاتِ ربانی کے ورد و تلاوت اور انکی برکت و تاثیر سے سحر کا بالکلیہ ازالہ ہوگیا اور دنیا کو دکھلادیا گیا کہ حق تعالیٰ جسکو عزیز و غالب فرمائیں دُنیا کی کوئی قوت اسکے لئے سنگ راہ نہیں ہوسکتی اور یہ کیونکر ہوسکتا تھا کہ حفاظتِ خداوندی آپکی دستگیر نہ ہوتی جبکہ خود رب العالمین نے حبیب رب العالمین کو محور و ذریعۂ نزولِ ذکر الٰہی فرمایا ہے اور حفاظتِ ذکر کو اپنی ذمہ داری میں لے لیا ہے چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہے انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون جس کا حاصل یہ ہے کہ ہمنے ہی اس ذکر کو اُتارا ہے اور ہم ہی اسکی حفاظت کرنیوالے ہیں یعنی نہ انسان سے از خود اسکی حفاظت ممکن تھی نہ اسپر یہ ذمہ داری عائد کی گئی۔ اور جبکہ کلام رب العالمین و ذریعہ کلام رب العالمین دونوں حفاظتِ خداوندی میں داخل ہوئے تو بالفاظ دیگر اسکے یہ معنے ہوئے کہ قرآن کریم کو لفظی و معنوی ہر دو اعتبار سے محفوظ فرمایا گیا ہے یعنی نہ اُس کے الفاظ و حروف میں تحریفِ شیاطین دراندازہوسکیگی اور نہ اُس کے معانی ہی میں تحریفِ شیاطین کامیاب ہوسکے گی۔ اور جس طرح انسان کا کلام باوجود ممکن سے ممکن حفاظت کے بھی صدی دو صدی میں پُرانا پڑ جاتا ہے اور دلوں سے اُتر جاتا ہے کلام رب العالمین کی یہ صورت نہ ہوگی بلکہ وہ ہر دور میں بصد آب و تاب قلوبِ مطہرہ میں جلوہ ریز ہی رہیگا اور جسقدر بھی تکرار کیجائیگی اُسی قدر کلام رب العالمین سے نئے نئے علوم نکلتے رہیں گے اور باوجود دورِ ضلالت آجانے کے بھی کوئی شخص اس سے نہ اُکتائیگا یہی بیّن فرق کلام انسانی و کلامِ الٰہی میں ہے۔ اس موقع پر کلام نفسی و کلام لفظی کے باہمی فرق پر بھی کچھ نہ کچھ اشارہ مفید مقام ہوگا سو اسکے متعلق یہ عرض ہے کہ:۔

**کلامِ الٰہی اور کلامِ انسانی کا باہمی فرق**

چونکہ بندہ اور خدا میں کوئی نسبت نہیں ہے اور جو نسبت بھی ہے تو بے نسبتی کے ساتھ ہے خالق کی شان مخلوق اور اُسکے عوارضات سے وراء الوراء ہے بندہ

مجبور و محتاج ہے تو خالق کردگار قادر مطلق ہے اسلئے خالق و مخلوق کے کلام میں بھی کوئی نسبت قائم نہیں رہ سکتی۔ بندہ کے کلام کی صورت تو یہ ہے کہ جب وہ کسی سے بات کرتا ہے تو زبان، متکلم و مخاطب کے درمیان واسطہ بنتی ہے اور مخاطب، متکلم کی بات سننے میں اپنے وسائل سماعت کی سلامتی کا محتاج ہوتا ہے۔ اسی لئے گونگا اور بہرا شخص نہ کسی سے بول سکتا ہے اور نہ کسی کی سن سکتا ہے پھر جو انسان بولتا بھی ہے تو زیادہ سے زیادہ ایک وقت میں آٹھ دس ہزار آدمیوں کو اپنا کلام سنا سکتا ہے اس سے زائد مجمع کو آواز پہنچانا مکبر الصوت جیسے آلات استعمال کئے بغیر امکان سے باہر ہے اور اگر اس مقدار سے زاید فاصلہ ہو تو تار اور ٹیلیفون کی ضرورت ہوتی ہے اور اگر درمیان میں سمندر حائل ہو جاوے تو پھر گفتگو ذریعہ لاسلکی کیجاتی ہے غرض انسان کی گفتگو اور اس کا سننا و سمجھنا بہت سی شرائط اور مخصوص حالات و محلات کے تابع ہے لیکن سمیع و بصیر علیم و قدیر چونکہ ہر جگہ حاضر و ناظر اور جہت و مکان سے بے نیاز اور قیود و ممکنات سے وراء الوراء ہے اسلئے اُس کا کلام پاک بھی جہت و مکان اور حواس خمسہ کی قیود سے وراء الوراء ہے چنانچہ جن مقدس نفوس نے اس کلام بزرگ کو سنا ہے اُنہوں نے ہر ایک برگ و گیاہ اور ہر بُنِ مو ہی سے اُسکے روح نواز نغمے سُنے ہیں جس طرح لاسلکی خبر رسانی کے وقت اسکے کھمبوں میں ایک قسم کی آواز ہونے لگتی ہے لیکن نہیں کہہ سکتے کہ یہ آواز کھمبے کے اول و آخر دائیں اور بائیں یمین و یسار کدھر سے آرہی ہے ہاں مگر یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ کھمبے ہی اس آواز کے محور و مرکز ہیں۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ کو اوّل و آخر ظاہر و باطن حضرت پروردگار عالم نے وادی مقدس میں تجلّی ریز ہو کر انی انا اللہ رب العلمین کے پُر ہیبت و جبروت کلمات مقدسہ سے جو ندا دی اُسکی حقیقت کو سمجھئے اور نزول وحی کے وقت وحی کی کیفیت کے متعلق جو تشبیہ حدیث میں کصلصلۃ الجرس دیگئی ہے اس سے کلام نفسی و کلام لفظی کے فرق پر غور فرمائیے بعض معتبر کتابوں میں ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا کہ جب صوت حق میں نے سُنی تو میں محسوس کر رہا تھا کہ میں ہر ایک جہت سے یہ کلام بزرگ سُن رہا ہوں اور اپنے تمام جسم سے سُن رہا ہوں یہانتک کہ ہر عضو اور جسم کا ہر جوڑ و بند میرا کان ہو گیا ہے۔

**کلام نفسی و کلام لفظی کا فرق**

یہی فرق ہے کلام لفظی اور کلام نفسی میں کہ کلام لفظی کے سُننے کے لئے تو حواس خمسہ ظاہری کی سلامتی درکار ہے اور کلام نفسی کی سماعت کے لئے ان حواس کے گم ہو جانے کی شرط ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السّلام اپنے حواس کو تجلّی حق میں منضم و مدغم فرما چکے تب جسم کے ہر بُن مو سے

یہ لغز لطیف وکلامِ الٰہی سننے کے لایق ہوئے کسی نے اس مضمون کو اس شعر میں خوب ہی ادا کیا ہے کہتا ہو کہ

اُلٹی ہی چال چلتے ہیں دیوانگانِ عشق — آنکھوں کو بند کرتے ہیں دیدار کے لئے

بہر حال، کلامِ لفظی کے اثرات تو الفاظ وحروف کے سانچوں میں ڈھلکر والبستہ الفاظ ہو کر کانوں تک پہونچتے ہیں یعنی جب کوئی اثر ایک انسان کو دوسرے انسان میں پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے تو اپنے اثر کو زبان پر لاکر الفاظ وحروف کے سانچوں میں بند کرکے ہوا کی مدد سے مخاطب کے کانوں میں پہونچاتا ہے جہاں مخاطب کے کان معانی ومقاصد کے اس پارسل کو کھولکر مرسلہ اثر کو اپنے قلب میں جاگزین کرتے ہیں اسی لئے جس کا نورانی اثر ہوتا ہے اُسکو قلبِ انسانی من اول الوہلہ قبول کرلیتا ہے اور جس کا اثر شیطانی ہوتا ہے تو دل اُس کے قبول کرلینے سے اولاً ابا کرتا ہے چنانچہ قرآن عزیز کو اسی لئے قولِ بلیغ فرمایا گیا ہے کہ یہ قلبِ انسانی کی گہرائیوں میں پوری طرح اُتر جاتا ہے اور کلامِ نفسی کا افاضہ چونکہ منورِ عالم کیطرف سے ہوتا ہے جو جہت ومکان سے منزہ وبرتر ہے اسلئے اُسکے سُننے کی استعداد مثل قبولیت نورِ آفتاب عناصرِ اربعہ شجر وحجر انسان وحیوان اور کل مخلوق میں موجود ہے اسی لئے جن نفوسِ قدسیہ کو حق تعالیٰ نے قابلِ خطاب ٹھیرایا اُنہوں نے اسکا کلام نو رہر بُن موسے سُنا کیونکہ اس کے قبول کرنے کی استعداد روح وجسم ہر ایک میں بہمہ وجوہ موجود تھی اسلئے کلامِ لفظی محدود ومشروط ہے اور کلامِ نفسی حدود وقیود سے مستثنیٰ ہے جیسے بچہ جب تک وہ ماں کے پیٹ میں رہتا ہے تو نہ روتا ہے نہ چلاتا ہے ہاں مگر ماں کے غم سے غمگین اور اُس کی خوشی سے مسرور ہوتا ہے اور اپنے پروردگار ہی سے ہر چیز میں رجوع کرتا ہے اُسی سے بات کرتا ہے اور اُسی کی سُنتا ہے لیکن یہ بات چیت ہم جیسی نہیں ہوتی۔

**حالتِ بیداری ونوم میں کلام کا فرق**

اسی طرح کلامِ لفظی وکلامِ نفسی کا فرق سمجھئے جس طرح روح بیداری کیحالت میں اگر ایک مقام سے دوسرے مقام پر جانا چاہے تو جسم کی لزوم اور اُسکے وزن کیوجہ سے بدون استعانت غیر سفر ممکن نہیں لیکن یہی روح بحالتِ نوم لاکھوں میل کا علاقہ طے کرکے جہاں چاہتی ہے چلی جاتی ہے۔ اسی طرح کلامِ لفظی کے سُننے میں تو حواسِ خمسہ کی درستگی وسلامتی کی اسکو ضرورت ہے لیکن کلامِ نفسی کے استعدادِ سماعت میں وہ ان قیود سے بالکلیہ آزاد ہے چنانچہ عالمِ رویا میں جب ہم کسی سے ملتے ہیں تو اُسکی بات کو سُنتے بھی ہیں اور سمجھتے بھی ہیں بولتے بھی ہیں اور بیداری میں نقل بھی کرتے ہیں لیکن بیداری جیسی شان نہ اس بولنے کی ہوتی ہے نہ چلنے کی ہوتی ہے علیٰ ہذا الکاملین اہل اللہ جو

اپنے مریدین باصفا سے کبھی دور بیٹھے الہاماً وکشفاً بات چیت کر لیتے ہیں اور ایک کی بات کو دوسرا سمجھ لیتا ہے لیکن آواز نہیں آتی وہ بھی اسی قسم کا کلام ہے جسکو حدیث نفس اور کلام نفسی سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی لئے کلام لفظی کو تو صرف انسان وحیوان ہی سُن سکتے ہیں اور کلام نفسی کو کائنات کا ہر ایک ذرہ سُنتا اور سمجھتا ہے وان من شیٔ الا یسبح بحمدہٖ ولکن لا تفقھون تسبیحھم انہ کان علیماً قدیراً۔ یہی صورت قلب میں شیطان کے وسوسہ ڈالنے کی ہے اور بغیر تکلّم وآواز حدیث نفس کی کیفیت ہے۔

**جوانات کا مشاہدۂ عذاب قبر**

یہیں سے ان احادیث صحیحہ کی صداقت پر بھی نظر کیجئے جو عذاب و ثواب قبر کے متعلق ہیں کہ قبر میں جب مردہ عذاب میں مبتلا ہوتا ہے تو انسان کے ماسوا سب اُسکے عذاب کو دیکھتے اور اُس کی آہ و بُکا کو سُنتے اور سمجھتے ہیں۔

**یوم حساب میں انسان کے اعضاء کا بولنا**

اور یہیں سے یوم حساب کی اس گواہی کو سمجھئے جو انسان کے بُرے عملوں سے انکار کی صورت میں حق تعالیٰ اُس کی زبان کو بند کر کے اُسکے ہاتھ پیروں سے وہ سب کچھ بیان کرا دینگے جو اُسنے دُنیا میں رہکر کیا تھا اور وہ سب بول اُٹھینگے جو اُن سے انسان نے کرایا تھا وقالوا لجلودھم لم شھدتم علینا قالوا انطقنا اللہ الذی انطق کل شیٔ۔ اور زمین اپنی کل اولاد کی نیکی اور بدی کی گواہی دیگی یومئذ تحدث اخبارھا غرض شجر وحجر زمین وآسمان اور اعضائے انسانی کا بولنا اُسی قسم کا ہے جسکو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں حاصل یہ کہ ذات باریتعالیٰ جس طرح فنا وزوال سے مبرّا ہے اسی طرح وحی ربّانی اور اُس کا کلام بزرگ بھی فنا وزوال سے بلند وبرتر ہے لیکن دنیا کی ہر ایک نعمت چونکہ رشتۂ اسباب سے منسلک ہے اور اپنے وجود وقیام میں سلسلہ کی محتاج ہے روح کا وجود بھی ہے تو جسم کے پردہ میں ہے عیش بھی پایا جاتا ہے تو غم کے لباس میں خیر بھی ہے تو شر کے ساتھ ہے پھول بھی ہے تو کانٹوں سے متصل ہے۔ اسی طرح اس دُنیا میں کتاب اللہ کے انوار وبرکات بھی لوح محفوظ سے اُتارے گئے ہیں تو الفاظ وحروف کے پیکر ہی میں اُتارے گئے ہیں۔

**رفع کتاب الٰہی اور عقلاً اسکا اثبات**

لیکن جسطرح روح انسانی ایک اجل معینہ پر جسم کو چھوڑ کر جہاں سے آتی ہے وہیں لوٹ جاتی ہے اسی طرح ارشادات نبوت کو پیش نظر رکھتے ہوئے یقیناً قیامت کے قریب خداوند عالم کا کلام بزرگ بھی الفاظ کو چھوڑ کر لوح محفوظ کی طرف اُٹھا لیا جاویگا اور اُسکے انوار وبرکات سے قلوب انسانی ایسی ہی طرح خالی ہو جائینگے جس طرح روح کے نکلجانے کے وقت جسم خالی ہو جاتا ہے اور یہ رفع کتاب

در رفع کلام احدیت عقلاً بھی مستبعد نہیں اسلئے کہ جب جدید سائنس کی رُو سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انسان کے تمام ملفوظات فضائے آسمانی میں جو محفوظ ہیں اگرچہ بظاہر وہ فنا ہو چکے ہیں لیکن اُن کے اثرات وکیفیات وغیرہ بدستور موجود ہیں چنانچہ آجکل متمدن دنیا ایسے آلات وشینیں ایجاد کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے جس سے کلماتِ انسانی کا مکمل ریکارڈ دیتا رہو سکے تو سمجھ لو کہ حق تعالےٰ شانہٗ کا کلام باقی کس طرح فنا ہو سکتا ہے لیکن مدعا صرف اسقدر ہے کہ دُنیا کے ختم ہونے پر خداوندِ عالمؑ کا کلام پاک قلوب انسانی سے نکالکر اپنے مرکز کی طرف پہونچا دیا جائیگا اور دُنیا میں رہتے ہوئے اسکی حفاظت حق تعالیٰ اس طرح فرمائیگا کہ وسوسہ کا کوئی شائبہ اور شیطنت کا کوئی حربہ اُسکو مختلط اور ملتبس نہ کرسکیگا اور ایک جماعتِ حقہ ہمیشہ ایسی موجود رہیگی جو اس کلام بزرگ کی صحیح طور پر حامل ہوگی اور شیطنت اسکے لئے دراندازنہ ہوسکیگی لایاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید - غرض آیت زیر بحث انا نحن نزلنا الذکر میں جہاں حفاظتِ ذکر حکیم کا وعدہ دیا گیا ہے وہیں اس سے یہ بھی مستفاد ہے کہ نزول واشاعت کا جو ذریعہ مقدس اس عالمِ تکوین میں خالق ومخلوق کے درمیان ہوگا حفاظت وپناہ ربانی میں وہ بھی برابر کا شریک ہوگا - چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس دعوت انداز وتبشیر میں وہ کونسے مصائب تھے جو نہ توڑے گئے اور وہ کونسی سخت سے سخت اذیت تھی جو روا نہ رکھی گئی اور وہ کونسا زبردست سے زبردست حملۂ شر تھا جو اس خیر مجسم پر نہ کرلیا گیا لقد اوذیت فی اللہ مالم اوذی احد الحدیث - لیکن حفاظتِ خداوندی وپناہِ ربانی چونکہ حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے شاملِ حال تھی اسلئے منافقین وکفار کے تمام شیطانی کید و افسوں لغو وبیکار اور حریفانِ نبوت کی تمام مساعیِ باطلہ ناکام ونامراد ثابت ہوئیں گو وہ عارضی طور پر کبھی اپنی وقتی فتح سے خوش بھی ہولئے اور بارگاہِ الٰہی سے مسلمانوں کو کبھی باوجود انکی کثرت کے محض یہ درسِ عبرت دینے کے لئے شکست بھی دیگئی کہ نصرت وظفر کا مدار کثرت وقلت پر نہیں بلکہ تائیدِ ربانی ہی کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ الآیۃ - لیکن انجام کے لحاظ سے کفار کی تمامتر مسرتیں سطحی ثابت ہوئیں اور انجام حق وصداقت ہی کے ساتھ رہا - اور کلمۂ حق ہی بلند ہوکر رہا یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہٖ ولو کرہ الکافرون ؁

**حکمتِ سحر** یہود نے تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اسلئے سحر کیا تھا کہ آپکی عالمگیر دعوت فنا ہو جائے اور معاذ اللہ حضورؐ کی ایذا رسانی اُن کے کارِ منصبی میں اختلال کا سبب بنجائے لیکن نہیں

کیا معلوم تھا کہ انجام کے لحاظ سے (جو ہمیشہ خدا سے تعلق رکھنے والوں اور اس کے خوف سے کانپنے والوں کیلئے ہی مختص رہا ہے) یہ مکروفساد بھی حضور اور اُن کی امت کے لئے خیر عظیم کا سبب بنیگا اور حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کا ایک بے مثل و ممتاز نشان ہوگا۔ چنانچہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے معوذتین کے متعلق فرمایا کہ آجکی رات مجھ پر ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں کہ جن کی مثل آجتک میں نے نہیں دیکھیں (یعنی استعاذہ کے باب میں ایسی آیتیں آجتک آپ پر نازل نہوئی تھیں) غرض جس مختار کل جل ذکرہ نے ابتداء سے حضرت رحمۃ للعالمین کی نگہداشت و تربیت فرمائی اور آپ کے اخلاق و اعمال کو عالمین کیلئے باعث رحمت و برکت بنایا ان ہر دو سورتوں میں سحر اور کائنات کے جملہ شرور و آفات کا ایسا مکمل علاج نازل فرمایا جس سے نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہمیشہ کے لئے مامون و مصون ہو جائیں بلکہ جتنی شکلیں اصولاً جسمانی و روحانی آفتوں اور مصیبتوں کی ہو سکتی ہیں رب النور کی پناہ طلب کرنے سے انسان ہر بلا سے محفوظ ہو جاوے اور جو بھی تکلیف اس عالم کون و فساد میں انسان کو پیش آئے طمانینت قلب و فراخی صدر کی وجہ سے وہ تکلیف، راحت ہو کر نظر آئے۔

**پشت پناہی کس کو سزاوار ہے** فی الحقیقت شرور کائنات سے اگر کوئی بچا سکتا ہے اور پناہ دینے کا کوئی حقدار ہے تو وہ خیر و شر کا پیدا کرنیوالا ہی ہو سکتا ہے جسکے کمال قدرت میں کوئی دست اندازی اور لب کشائی کرنیوالا نہیں ہے اور آفات سے رستگاری اگر مل سکتی ہے تو اسی کے دربار سے مل سکتی ہے جسنے خیر کی بنیاد نورانیت پر رکھکر اور شر کی بنیاد ظلمت پر رکھکر ایک کا مقابلہ دوسرے کے ساتھ ڈالا جس طرح کسی کی پناہ میں آنا پناہ طلب کرنیوالے کے کمال عجز و بیچارگی کو ظاہر کرتا ہے، اسیطرح یہ پناہ لینا جائے پناہ کے کمال قدرت و جبروت کو بھی ظاہر کرتا ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ پناہ دینے والوں میں سب سے آخری مرتبہ اگر کسی کیلئے ہو سکتا ہے اور پناہ کے قابل اگر کوئی ذات اقدس ہے تو وہی فالق الاصباح اور فالق الحب والنویٰ ہے جو رات کی تاریکیوں سے نور صبح کو چمکانے والا اور زمین کے ہزاروں من تودوں میں سے دانہ کو چیر کر اُگانیوالا ہے۔ اور شرور کائنات سے بچنے کی اگر کوئی سبیل ہے تو صرف یہی کہ اُس ذات اقدس کی طرف رجوع کیا جائے جو کفر کی تاریکیوں سے نور اسلام کو ظاہر کرنیوالی اور دلوں کی ظلمتوں میں نور ایمان چمکانیوالی اور عدم کی اندھیریوں سے وجود کی روشنی ہویدا کرنے والی ہے۔ جس طرح ایک خادم اگر آقا کے متعلقین میں سے کسی کے ظلم و ستم کی

شکایت کرنا چاہے تو اپنے آقا ہی سے کرسکتا ہے اور اُسی کی پناہ ڈھونڈتا ہے اسی طرح چونکہ انسان کا پالنے والا درحقیقت خداوندِ عالم ہی ہے ماں باپ ایک ذریعہ محض ہیں اور خدا کی شفقت و محبت ماں باپ کی شفقت و محبت سے کہیں بڑھکر ہے کیونکہ ماں باپ کی محبت تو فقط اس عالم میں اپنی اولاد ہی تک محدود ہے اور اس عالم میں بھی اگر اولاد ماں باپ کے سامنے مرجائے تو تھوڑے دنوں کے بعد خیال و دھیان بھی نہیں رہتا اور وہ محبت بھی خود اُنکی ذاتی نہیں ہے بلکہ عطائے غیر ہے جس کا ایک کھلا ہوا ثبوت تو یہ ہے کہ بچہ جب تک رحمِ مادر سے باہر نہیں آتا ماں باپ کو کوئی انس و پیار بچہ پر نہیں ہوتا اسلئے خدا کی محبت و شفقت بیشک ازلی و ابدی ہے کیونکہ اُسکی تربیت تو اسی دم سے شروع ہو جاتی ہے جب سے عالمِ ارحام میں مصورارحام اس مضغۂ گوشت کو شکل و صورت عنایت کرتا اور اپنی حیاتِ لازوال کا پرتو ڈالکر ایک اجلِ مسمی کے لئے عالمِ اجسام میں بھیجتا ہے بلاشبہ شفقت اصلی و ذاتی اسی خلّاقِ بیچون و بیچگون کی ہو سکتی ہے جو عالمِ ارحام کی تاریکیوں میں اپنی تجلیاتِ ساطعہ و قدرتِ کاملہ سے اُجالا کرتا اور اپنی قدرتِ واسعہ سے اس تنگ و تاریک جگہ کو فراخ کرتا ہے اور بچہ کے سکون و اطمینانِ قلب کے لئے اور اُسکے تمام فطری مادّوں کے پرورش کیلئے اُسکے اور اُسکی ماں کے درمیان ایک ایسا آلہ قائم فرماتا ہے جس سے بلا چبائے ہوئے اور منہ اور ہونٹوں کو بلا کسی ادنیٰ تکلیف دئے ہوئے بچہ اپنی ماں کے جگر سے ایک ایسی غذا کھینچنے لگتا ہے جو کھانے کا بھی کام دے اور پینے کا بھی اور عالمِ ارحام کے زمانۂ قیام میں بچہ کو بفکری کے ساتھ مشاہداتِ قدرت کا موقعہ ملے یہی وجہ ہے کہ بچہ جب تک براہِ راست مہمانِ ربّ العالمین ہوتا ہے اور جب تک ماں باپ کی تربیت شروع نہیں ہوتی تو یہ اسیرِ قفس ماں کے پیٹ میں ذرا بھی گریہ و بکا آہ و زاری نہیں کرتا لیکن جونہی ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے اور شیطان اس دارالعمل کے مصائب و آلام کے چوکے دل پر لگاتا ہے تو یہ بیچارہ نووارد مہمانیٔ خداوندی کے چھوٹ جانے پر چیخیں مار مار کر رونے لگتا ہے اور غم کے مارے آنکھ نہیں کھولتا۔ غرض یہ روحِ اسیر اور دریائے رحم کی یہ مچھلی مادرِ رحم میں قیام کرتی ہے تو ماں کے دل پر جس قسم کی بھی تجلیات آئیں اُن کا مشاہدہ کرکے اپنی فطری سلامتی کی وجہ سے عالمِ ارواح کے خانۂ کعبہ (قلب) کے طواف میں کبھی اِدھر سے اُدھر اور کبھی اُدھر سے اِدھر چکر لگاتی ہے اسی لئے روحِ انسانی کا عالمِ شہادت میں آکر خانۂ کعبہ کا طواف کرنا اور خدائی تجلیاتِ شہودی کو دیکھکر دیوانہ وار چاروں طرف چکر لگانا عین فطرت ہے، اور اُسی داعیۂ فطری کے موافق یہ چکر کیا جاتا ہے جو آسمانوں میں فرشتے بیت المعمور کے ہر جانب طواف کیا کرتے ہیں اور عالمِ ارحام میں

ہر ایک آنے والی روح قدرت کی کرشمہ سازیونکو دیکھکر عالم ارواح کے خانہ کعبہ کا طواف کیا کرتی ہے اور زمین و آسمان کواکب و سیارات ہر ایک ان میں سے جسکے کمال قدرت کے اعتراف میں ذرات چکر لگا رہی ہیں دوسرا ثبوت ماں باپ کی محبت کے ذاتی نہ ہونے کا یہ ہے کہ انسان کا نطفہ جس سے اسکی پیدائش ہوتی ہے جب اسکی پشت میں رہتا ہے تو اسے کوئی ادنیٰ لگاؤ بھی اس سے نہیں ہوتا بلکہ اس کے اخراج ہی کو پاخانہ و پیشاب کیطرح اپنے لئے باعث راحت و صحت سمجھتا ہے جو اس نطفہ کی حالت ہوتی ہے اس سے تو علاقہ ہو بھی جاتا ہے مگر اپنے اس مادۂ حیات سے کوئی بھی اُنس نہیں ہوتا اسلئے کہ اگر انسان کو اپنے اس مادہ سے ذاتی تعلق ہوتا تو کبھی اسے اپنے سے جدا نکرتا اور خدا کی محبت و شفقت بیشک تمام انسانوں پر اور تمام مخلوقات پر ذاتی اور ابدی ہے چنانچہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو بچہ کے پاس اپنے مقاصد قلبیہ کے اظہار کا کوئی ذریعہ بھی بجز صوت محض اور گریہ و بکا کے نہیں ہوتا اور اس بیچارگی کے عالم میں نہ صرف اسکے ماں باپ بلکہ تمام دنیا کے فلاسفر اور حکما، اسکو قوت گویائی بخشکر کوئی ادنیٰ سی بھی مدد نہیں کر سکتے مگر ہر شخص جانتا ہے کہ صوت محض اور گریہ و بکا انسان کے لئے عادۃً و عقلاً باعث تکدر و تشویش ہی ہوتا ہے نہ کہ باعث ازدیاد تعلق و محبت، اور بے ربط گفتگو انسان کے لئے باعث سمع خراشی ہوتی ہے نہ کہ باعث محبت و مودت، اسلئے کہ ایک گونگا شخص بھی بجز صوت محض کے اور کوئی ذریعہ مقاصد قلبیہ کے اظہار کا اپنے پاس نہیں رکھتا۔ علیٰ ہذا ایک فاتر العقل کی بے ربط باتیں بھی رضا و رغبت سے کوئی شخص نہیں سنتا لیکن یہ خداوند عالم ہی کی تربیت خاصہ اور رحمت و شفقت کاملہ کا اثر ہے کہ بچہ کی اس صوت محض اور گریہ و بکا سے ماں باپ کو بجائے تنفر کے محبت ہوتی ہے اور اسی گریہ و زاری سے ماں کی محبت جوش میں آجاتی ہے اور رزاق عالم اسکی چھاتیوں سے دودھ کا فوارہ جاری کر کے اس نادان ظلوم و جہول کو الہاماً اس دودھ کا چوس لینا سکھلا دیتے ہیں اور ایسی لطیف غذا نجاست اور خون کے درمیان سے اسکو عطا فرماتے ہیں کہ جس سے اسکی تمامتر قوتیں نشو و ارتقا کے منازل طے کرنے کے قابل بنجاتی ہیں۔ نسقیکم مما فی بطونہ من بین فرث ودم لبناً خالصاً سائغاً للشاربین۔

## تعوذ و توسط الٰہی

اسلئے اگر انسان پہلے ہی اپنے اصلی آقا کی پناہ ڈھونڈھ لیگا اور اسکے پیدا کردہ شر سے تعوذ اور دنیاوی تربیت کے وسائل سے اپنی نظر کو بلند کر کے توسط الٰہی اور رشتہ عبدیت استوار کر لیگا تو پھر دنیا کی تمام برائیاں اسکے حق میں بھلائیاں بنجاوینگی اور کوئی برائی بھی اس کے قریب پھٹک سکیگی

اور اگر بمقتضائے بشریت و غفلت انسانی قلب میں بُرائی کا گذر ہو بھی جاویگا اور شیطان قوائے بہیمیہ کے دریا میں تلاطم و تموج پیدا کر بھی دیگا تو یہ نورانیت جلد ہی اس طوفان و تموج کو ساکن کر دیگی اور پھر یہ مضرت رساں نہ ہو گی۔

**قرآن حکیم ہی انسان کو نجات دلا سکتا ہے**

بلا شبہ ایسا محیط و جامع اور مکمّل آسمانی علاج اُسی شافی برحق حکیم علی الاطلاق کا ہو سکتا ہے جسکی حکمت و بلاغت و تدبیر امور کا پورا ادراک و شعور عقل مقید و نارسا کے احاطہ سے باہر اور جس کے پیدا کئے ہوئے پیچیدہ و متضاد اسباب کی گتھی کا سلجھانا ناخن فکر سے بالاتر ہے یقیناً خالق کائنات نے اس عالم کی ہر مصیبت و تکلیف سے نجات دلانے کا جو راستہ انسان کے لئے تجویز کر دیا ہے اور آفات سماوی وارضی کے رفع کرنے کے لئے قرآنِ حکیم کا جو مجرب نسخہ کیمیا رحمت فرمادیا ہے اس سے بہتر، موثر، کامیاب اور آسان کوئی راستہ اور علاج نہیں ہو سکتا۔ الغرض رفتار حوادث و واقعات عالم پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی روح اور اُس کے جسم کو ضرر دینے والے اسباب خواہ وہ جسمانی ہوں یا روحانی، ظاہری ہوں یا باطنی، حسّی ہوں معنوی، دائمی ہوں یا ناگہانی، اصولاً اُن کی پانچ ہی شکلیں ہو سکتی ہیں۔

**آفاتِ انسانی کی پانچ شکلیں**

(۱) پہلی صورت تو آفاتِ انسانی کی یہ ہے کہ انسان کے ماسوا خداوند عالم نے جو دیگر مخلوقات مثل سانپ، بچھو، سباع و بہائم وغیرہ پیدا کئے ہیں ان سے انسان کو کسی قسم کا ضرر پہونچے اور وہ کسی نہ کسی وجہ سے انسان کے مقاصدِ حیات میں سنگِ گراں بنجائیں۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ انسان اپنی خواہشات واغراض کے ماتحت ایک دوسرے سے متصادم اور تحاسدِ باہمی کی وجہ سے آپسمیں ایک دوسرے کے دُشمن بنجائیں اور ایک جماعت دوسری جماعت کیلئے قسم قسم کی ایذاؤں اور تکلیفوں کا سبب ہو جاوے حاسدوں اور بدخواہوں کے لعن وطعن اور اُن کے دلخراش دل آزاریوں کی وجہ سے انسان سراپا کلفت وغم نظر آنے لگے۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ انسان ایسی ناگہانی آفتوں اور مصیبتوں میں گرفتار ہو جائے کہ جس سے انسان کا فہم وادراک معطل اور اسکی قوتِ ممیزہ تیرہ و تاریک ہو جائے۔ جیسے سحر، اعمالِ سفلیہ، نظر بد، امراض وبائیہ، سیلاب وطغیانی، زلزلہ، وافسردگی وغیرہ۔

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ انسان کو اپنے مقاصدِ حیات کی تکمیل وتمیم کیلئے وہ اسباب میسر نہ آئیں یا میسر آنیکے بعد اُن کا انقطاع ہو جائے جنکو خداوند عالم نے انسان کیلئے مدارِ کار ٹھیرایا ہے اور انسان کے

نشو وارتقار کے لئے جزو لاینفک بنایا ہے۔

(۵) پانچویں صورت آفت وشر کی یہ ہو کہ انسان کے نورِ عقل پر غفلت وشیطنت اور گناہ کا پردہ ڈالنے والا اور اُسکی ملکیت وروحانیت کو تیرہ وتاریک کرنیوالا نوعِ انسانی کا ازلی حاسد وغیر مرئی دشمن شیطان انسان کے درپے ہوجائے اور اُسکے دل پر قابو پاکر ہر وقت انسان کو بہکاتا اور پھسلاتا رہے۔ طرح طرح کے وساوس و خطرات ڈال ڈال کر یقین وایمان اور اُس استعدادِ خیر وامانت آلہیہ کو فنا کرنیکی گھات میں لگا رہے جسپر تمام اخلاقِ حسنہ وملکاتِ فاضلہ کی بنیاد رکھکر انسان اپنے رب سے ملتا اور یوم حساب میں نجات پاکر نزدیکی حاصل کرتا ہے۔

# تنبیہ اوّل

قوائے ثلاثہ انسانی

چونکہ انسان میں حق تعالیٰ شانہ نے تین متضاد قوتیں ملکیت سبعیت بہیمیت ودیعت فرمائی ہیں اور ان میں سے ہر ایک قوت کو اپنے مناسب احوال سے بشاشت وتازگی حاصل ہوتی ہے اور غیر ملائم امور سے رنج والم ہوتا ہے ایک کی زیادتی دوسرے کے عدم کا سبب ہوتی ہے یہانتک کہ جو قوت کمال کا درجہ حاصل کر لیتی ہے بقیہ قوتیں اسی کے اندر منضم ومدغم ہوجاتی ہیں اور اسی غلبہ کے اعتبار سے انسان یا فرشتہ بنجاتا ہے یا شیطان وبہائم ودرندہ ہوجاتا ہے اسلئے انسان توجہ وعنایت خداوندی کا محتاج ہے اور اپنے نظامِ وجود اور نظامِ انسانیت کی برقراری میں اعانت وتربیتِ خداوندی کا طلبگار رہے، جو ان تینوں قوتوں کو اپنی تعلیم وتربیت سے درجۂ اعتدال پر لے آئے۔

ظاہر ہے کہ ہر قوت کو مناسب حد پر بحال رکھنے کے لئے اور اس تضاد کو رفع کرنے کے لئے تعلیم الٰہی کے بدون چارہ نہیں اور مذکورۃ الصدر عظیم آفتوں سے انسان خود کسی طرح بھی اپنی حفاظت نہیں کر سکتا جب تک حق تعالیٰ کی پناہ نہ ملجائے اسلئے چمنستانِ عالم کے مربّی وصانع کردگار نے ان تمام آفتوں سے بچنے اور ہر سہ قوتوں کے باہمی تضاد کو رفع کرنے کے لئے قرآن پاک میں مکمل دستور العمل بنایا اور معوذتین میں ان قوائے ثلاثہ کے آفات سے نعوذ برب بتلایا۔

مضرات دینی ودُنیوی

چنانچہ سورہ فلق میں تو اُن چار آفتوں سے بچنے کے لئے انسان کو تعوّذ سکھلایا گیا جو عالم اجسام میں اُس کو ضرر دیتی ہیں اور امورِ دُنیویہ میں مخل ہوتی ہیں اور سورہ ناس میں اس پانچویں شرِ عظیم سے بچایا گیا جو عالم ارواح میں شیطان کی طرف سے اُسے لاحق ہوتا اور امورِ دینیہ میں رخنہ اندازی کرتا ہے۔

# تنبیہ دوم

چونکہ انسان مختلف عناصر و اجزائے عالم سے ترکیب دیا گیا ہے اور اس حقیقت جامعہ کی تقویم و تخمیر خالق کائنات نے خیر و شر ملکیت و بہیمیت وغیرہ سے فرمائی ہے اور تمام مخلوقات کا انسان کو خلاصہ بنایا گیا ہے اسکی زندگی ہر ایک مخلوق کی زندگی کا آئینہ ہے اسلئے اس حقیقت جامعہ سے بڑھکر تمام مخلوق میں کوئی حقیقت بھی نہیں ہے۔

**کمالاتِ خداوندی کا ظہور نوعِ انسانی میں**

اسی بنا پر کمالات خداوندی اور صفات باری عزّ اسمہٗ کا جیسا کامل ظہور انسان کی نوع میں ہوا ہے مخلوقات کی کوئی دوسری نوع اس طرح شئونِ الٰہیہ کو اپنے اندر جذب نکرسکی باقی انسان کا ظلوم و جہول ہوکر عالم و عادل ہونا عقلاً کسی طرح بھی مستبعد نہیں کیونکہ جس طرح وہ آئینہ جو ایک طرف سے سیاہ ہو اور اپنی دوسری جانب سے نہایت چمکدار صاف شفاف ہو وہی عکس آفتاب و مہتاب کو قبول کرسکتا ہے اور آفتاب و مہتاب کی پوری نورانیت کو اپنے اندر جذب کرسکتا ہے۔ دو رُخا آئینہ یا سنگِ سیاہ ہرگز نور آفتاب کو جذب نہیں کرسکتے اسی طرح انسان کے بھی دو ہی رُخ اسکے پروردگار نے بنائے ہیں ایک جہت اسکی ناسوتی ہے جو اپنے اندر جہالت و ظلمت بہیمیت و سبعیت تاریکی و غفلت رکھتی ہے اور دوسری جہت اسکی ملکوتی ہے جو اپنے اندر علم و عدل ملکیت و نورانیت رکھتی ہے۔

**انسان کو ہر مخلوق سے مشابہت ہے**

اسی لئے انسان فرشتوں کے مشابہ بھی ہے اور بہائم کے مانند بھی وہ حرص و شہوت میں چارپاؤں کی طرح ہے تو مکر و فریب میں شیطان کے ہم پلہ ہے ایذا رسانی قتل و غارت کشت و خون میں درندوں کے مشابہ ہے تو عبادت و معرفتِ خالق میں فرشتوں کا ہمسر ہے اپنے تن و قد میں شجر و حجر کا نمونہ ہے تو نورانیت میں کواکب و سیارات کی طرح منوّر اور روشن ہے۔

**انسان کے متضاد مادّے**

ایک طرف اگر رذائل کے فاسد مواد بغض و حسد و کینہ و عداوت بے رحمی و ایذا رسانی نفاق و شقاق پائے جاتے ہیں تو دوسری طرف احسان و مروّت محبّت و مصالحت پاکبازی و انابت کے ملکات بھی قدرت نے اسمیں ودیعت فرمائے ہیں اسی لئے ہر مخلوق کا رنگ انسان پر آتا ہے شیطان چاہتا ہے کہ انسانی زندگی کے آئینہ سے اپنا رنگ ظاہر کرے اور توفیق ربّانی کا اقتضا ہے کہ انسان پر خدائی رنگ آئے صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ الآیۃ۔ غرض اسمیں جہاں خیر کا گذر ہوتا ہے شر بھی اسکے ساتھ ساتھ لگا رہتا ہے اگرچہ انسان کا مزاج اصلی فطرتِ اصلیہ کے لحاظ سے مائل بخیر ہی ہے اور اس میں غلبہ خیر ہی کا ہے مگر بسا اوقات شرور کائنات اور تربیت والدین اور تاثرات گردوپیش انسان کو کچھ سے کچھ

کرڈالتی ہیں۔ کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ۔

فطرتِ سلیمہ اور شرورِ کائنات

یہی وجہ ہے کہ انسان اگر آفات وحوادثِ عالم سے بچا رہتا ہے تو اُسکی فطرتِ اصلیہ پر اخلاقِ حسنہ کی تعمیر ہونے لگتی ہے اور ایسا انسان فرشتوں سے بھی گوئے سبقت لیجاتا ہے اور ایسے انسان کی بُرائیاں اسکے تعلق مع اللہ کے درست رہنے کی وجہ سے اسکے حق میں ایسی ہی طرح مفید ہوجاتی ہیں جس طرح انسان کی نجاست اُسکے پیٹ میں رہنے سے یا زمین کے اندر ملادیئے جانے سے ہر دو کے حق میں ترقی وقوت کا ذریعہ بنجاتی ہے۔

بحالتِ نافرمانی انسان بہائم سے بھی بدتر ہے

اور اگر شر وفساد اسمیں غلبہ کرلیتے ہیں تو انسان جانوروں سے بھی بدتر ہوجاتا ہے کیونکہ بہائم میں جو قوتِ سبعی وبہیمی ہے اُسکو بہائم اپنے پروردگار کے تابع فرمان رہکر تو صرف کرتے ہیں اور انسان نہ تو بالکل انہی جیسا بحس وبے شعور ہوتا ہے نہ اپنی فطرتِ اصلیہ پر رہتا ہے نتیجہ یہی ہے کہ انسان جانوروں سے بھی بدتر بنجاتا ہے۔ ام تحسب ان اکثرھم یعقلون او یسمعون ان ھم الا کالانعام بل ھم اضل سبیلا۔ یعنی گو ظاہر میں انسان بحالتِ نافرمانی سُنتا بھی ہے اور سمجھتا بھی ہے مگر چونکہ مالک سے اپنا تعلق قطع کرچکا ہے اسلئے چوپاؤں سے بھی بدتر ہے کیونکہ اُن کا تو رُخ ہی سفلی ہے وہ چلتے بھی ہیں تو اس طرح کہ زمین کو دیکھ رہے ہیں اور انسان کا رُخ باوجود علوی ہونے کے جب اسکی یہ دنارت ہے تو وہ بہائم سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔

فطرتِ انسانی میں غلبہ خیر ہی کا ہے

بہرحال انسان کے فطرتِ اصلیہ کے مائل بخیر ہونیکی کیفیت بعینہٖ طبِّ یونانی کے اُس معجونِ مرکب کی طرح پر ہے کہ جسکو کسی حاذق طبیب نے مختلف متضاد اجزاء سے ترکیب دیکر نسخہ کا مزاج ایسا معتدل بنادیا ہو کہ یہ نسخہ ہر ایک مریض ومرض کے لئے تریاق بنجائے گو نسخہ کے اجزاء کو اگر الگ الگ کر دیکھا جائے تو اُن میں وہ خوبی اور لطافت نہیں ہوتی جو مجموعہ میں ہوتی ہے لیکن طبیبِ حاذق کا کمال یہی سمجھا جاتا ہے کہ وہ اپنی پُر حکمت ترکیب سے مختلف اجزاء کو ملاکر مجموعہ میں وہ تاثیر وتریاقیت پیدا کردے جو ہر مرض اور ہر روگ کا استیصال کردے یہی وجہ ہے کہ جو شخص ایسے مرکب کو پوری جانچ پڑتال کے ساتھ بناتا ہے اور اوزانِ مقررہ واجزاءِ معینہ کیساتھ یہ نسخہ تیار کرتا ہے تو ایسا مرکب ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے لیکن اگر خارج سے ایک تولہ زہر ہلاہل اس مرکب میں ملادیا جائے تو ظاہر ہے کہ اس مرکب کا مزاج طبعی قطعاً بدل جائے گا اسی طرح حق تعالیٰ شانہ نے بھی انسان کو خیر وشر کے مادوں سے ترکیب دیکر الہام فطری سے اُن میں باہم

اعتدال و توازن کی استعداد قائم فرما کر کچھ انسان کا مزاج اصلی ایسا لطیف بنا دیا ہے کہ اسکا مجموعی مزاج عالم کے لئے تریاق بنگیا ہے اور اس توازن و تناسب سے جوہر انسانیت 'کرامت عقل' و شرافت نور پیدا ہو کر تمام مخلوق اسکے تابع اور سرنگوں ہو گئی ہے یہ ایک علیحدہ چیز ہے کہ شیطانی اثرات اور شرور کائنات کے ملجانے سے انسانی ترکیب میں فساد آجائے اور اس کا فطری مزاج سرتا پا شر بن جائے۔

متضاد قوائے انسانیہ میں تربیت خداوندی کی فطری ضرورت

غرض انسان کی ترکیب اور اسکی تقویم و تخمیر خیر و شر ملکیت و بہیمیت سے کیگئی ہے اور ان متضاد خواہشات میں انسان مدت العمر گرفتار رہتا ہے کیونکہ بہیمیت و شیطنت کا اقتضا تو یہ ہے کہ انسان دنرات لہو و لعب تلذذ و تعیش میں گھرا رہے سبعیت کا اقتضا یہ ہے کہ انسان دنرات فتنہ و فساد' جنگ و جدال' کشت و خون' لوٹ مار' اور انا ولا غیری کا علم بلند کرتا رہے اور ملکیت کا اقتضا یہ ہے کہ روح انسانی کمالات روحانی میں روز افزوں ترقی کرتے ہوئے عالم آخرت کیلئے ذخیرہ جمع کرے اور مبدأ و معاد کیطرف مشغول رہکر نجات ابدی و حیات سرمدی کی مستحق بنے ایسی متضاد خواہشات میں اُسی کی رہنمائی اور مدد کی ضرورت ہے۔ جو ان متضاد قوتوں سے انسان کو ترکیب دینے والا اور اُسکے قوائے ثلثہ میں اعتدال پیدا کر کے جوہر انسانیت سے بزم عالم کو سجانے والا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ یہ تضاد کسی طرح بھی انسان کو نجات نہیں دلا سکتا۔

## تنبیہ سوم

توحید خالص و تعلیم ربانی کا خلاصہ

یہ ایک حقیقت ہے جو ہر ایک ملت کے نزدیک مسلم ہے کہ انسان کا کمال اُس کی روحانیت کے کمال کی وجہ سے ہے ورنہ سبعیت و بہیمیت کی قوتوں میں تو حیوان اور سباع و بہائم انسان سے کہیں بڑھکر ہیں اسلئے تعلیم ربانی اور توحید خالص یہ ہے کہ ملکیت و بہیمیت و سبعیت کے ہر نفع و ضرر رنج اور راحت میں انسان برابر دروازۂ الٰہی کو کھٹکھٹاتا رہے جلب منفعت کی صورت ہو یا دفع مضرت کی آفات ارضی انسان پر حملہ آور ہوں یا بلیات سماوی' انسان برابر پناہ الٰہی طلب کرتا رہے اور مدت العمر طاعت و شفقت عبادت و مروت سے اپنی ملکی قوت کو اوج ترقی پر پہنچاتا رہے اور اپنے اعضاء و جوارح سے خالق ذو الجلال کی تعظیم بجالا کر ہمیشہ آسمانی ہدایات ہی کو اپنے لئے مشعل راہ بنا دے اور ملکیت کے جس درجہ پر بھی پہونچے اُسپر اکتفا نہ کرے بلکہ اس سے اوپر کا مرتبہ حاصل کرنے کی کوشش کرے اسلئے کہ ذات و صفات خداوندی کی تجلیات اور نزدیکی حق کے مراتب کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے

اے برادر بے نہایت درگہیست　　　　ہرچہ بروے میرسی بروے مالیست

## تنبیہ چہارم

چونکہ ہم اوپر ذکر آئے ہیں کہ انسان کو دیگر مخلوقات سے مناسبت ومشابہت حاصل ہے اسلئے اب ہم یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ جن آفات وشرور سے عالمِ اسباب میں انسان کو سابقہ پڑتا ہے اور جن سے حق تعالیٰ شانہٗ نے معوذتین میں استعاذہ سکھلایا ہے اُن میں بھی انسان کو دیگر مخلوقات سے مشابہت حاصل ہے حقیقت میں جس طرح درخت اپنے تردد وپرورش میں باغبان کی محنت وتربیت، آسمان وزمین، اور آب وہوا وغیرہ کا محتاج ہے اور اُسی وقت حدِّ کمال پر پہنچتا ہے جبکہ آفاتِ نباتی سے بھی بچا رہے - اسی طرح انسان بھی اُسیوقت حدِ کمال پر پہنچتا ہے جبکہ آفاتِ جسمانی وروحانی سے محفوظ رہجائے جس طرح آفاتِ انسانی پانچ قسموں پر مشتمل ہیں اسی طرح آفاتِ نبات بھی پانچ قسم کی ہیں -

آفاتِ عالمِ نباتات

(۱) سب سے پہلی آفت تو درخت کے حق میں یہ ہے کہ وہ سبزہ خوار جانوروں کے دندان ودہن کا لقمۂ تر بنجائے چنانچہ جب تک درخت کی ایسے جانوروں سے حفاظت نہ کیجائیگی جنکی جبلّت ہی میں سبزہ خوری قدرت نے رکھدی ہے اُسوقت تک درخت ہرگز نشوونما نہ پاسکیگا نہ اپنے مالک کے لئے مفید الثّمر ہوسکے گا -

(۲) دوسری آفت درخت کے حق میں یہ ہے کہ اُسپر بادِ طوفانی، اور برفباری، سیلاب وآتشزدگی جیسے ناگہانی آفات پڑجائیں یہ آفات بھی ایسی ہیں کہ جب تک درخت کو اُن سے نہ محفوظ رکھا جائیگا ہرگز اپنے شباب کو نہ پہنچ سکیگا -

(۳) اِن حفاظتی تدابیر کے ساتھ درخت کے بڑھنے اور پھلنے کے لئے اسکی بھی ضرورت ہوتی ہے کہ فیوضِ عناصرِ عالم اور فیوضِ آفتاب ومہتاب سے ایسے معتدل طریقہ پر اس مخلوق کو تمتع کا موقع دیا جائے کہ اُنکی افراط وتفریط سے درخت کو کوئی گزند نہ پہونچے - اگر درخت ان کے فیوض سے محروم رہیگا، یا ان مؤیداتِ ستّہ سے اسکا سلسلہ منقطع ہوجائیگا تو بیشک درخت کے حق میں یہ بھی ایک بہت بڑی آفت ہوگی اور وہ ہرگز پنپ نہیں سکیگا -

(۴) چوتھی آفت درخت کے حق میں یہ ہے کہ جب وہ حدِّ کمال پر پہونچ جائے اور ہر قسم کے تغیرات وحوادثِ عالم کا عادی ہوکر مقابلہ کی قوت اُس میں پیدا ہوجاوے تو باغبان کے حاسد اور دُشمن بربنائے

خصومت و عداوت درخت کے برگ و بار کاٹ ڈالیں یا اسکو جڑ سے اُکھاڑ پھینکیں اور زمین کی قوتوں کے اس مظہر کو جس کو ربّ نبات نے پانی سے پھیلایا تھا اور ہوا سے بڑھایا تھا آفتاب و مہتاب کی نور نے جسکو پکایا تھا اور انسان کی محنت و کاوش نے اُس کو تناور کیا تھا آن کی آن میں دشمن اُسکی جڑ پر کلہاڑا ابجا کر برسوں کی یہ محنت برباد کردیں ظاہر ہے کہ یہ چوتھی آفت بھی درخت کے حق میں عظیم الشان آفت ہے۔

(۵) پانچویں غیر محسوس آفت درخت کے حق میں یہ ہے جو ہمارے خیال میں ان سب سے بڑھکر ہے کہ درخت کی جڑ اور اُس کے سویدائے قلب میں دیمک لگ جائے جو گھن کیطرح اُسکو چاٹ کر اندر ہی اندر کھوکل کردے اور تھوڑے ہی دنوں میں اُسکے مغز کو کھاکر درخت کو ضائع کردے۔ ظاہر میں تو درخت تندرست معلوم ہوگا لیکن اندر ہی اندر یہ درخت فنا ہوتا چلا جائیگا۔ جب ان پانچ آفتوں سے درخت محفوظ ہو جائیگا تب ہی اپنے مالک و باغبان کے حق میں مفید الثمر ہو سکیگا۔

اسی طرح انسان بھی اُسی وقت اپنے مالک و معبود کے حق میں کارآمد ہوگا جب مندرجہ ذیل پانچ آفتوں سے حق تعالےٰ کے تبلائے ہوئے اصول کے ماتحت اپنا تحفظ کر لیگا۔

**آفاتِ انسانی**

**شَرِّ مَا خَلَقَ** } جس طرح ہر درخت کے لئے کچھ سبزہ خوار جانور ہوتے ہیں کہ جب اُن کا قابو چل جاتا ہے تو درخت کا ستیاناس کئے بغیر نہیں چھوڑتے اسی طرح سانپ بچھو اور تمام سباع و بہائم انسان کو جب پالیتے ہیں تو ستائے بغیر نہیں چھوڑتے جب انسان اپنے اس قسم کے دشمنوں سے بچ نکلیگا جنکی جبلت و خصلت ہی میں مردم آزاری رکھدی گئی ہے اور مخلوق کے شر سے بچا رہیگا۔ تب ہی خدا کی عبادت کے فریضہ کو تکمیل کر کے اپنی عمر طبعی کے سرمایہ کو ساتھ لیجا سکیگا۔ غرض جب تک شرِّ مَا خَلَقَ سے انسان مامون نہ ہوگا اُسوقت تک اپنے مقاصدِ حیات کو مکمل نکر سکیگا۔

**باغِ ہستی کے مختلف ثمرات**

چونکہ اللہ سبحانہ وتعالےٰ نے باغِ ہستی میں ہر قسم کے پودے نصب فرمائے ہیں اسمیں ظلماتی بھی ہیں اور نورانی بھی، کڑوے بھی ہیں اور میٹھے بھی، خاردار بھی ہیں اور ثمردار بھی، نیک بھی ہیں اور بد بھی، رحم دل بھی ہیں اور موذی بھی۔ پھر ایک مخلوق دوسری مخلوق کو اپنے کام میں لاتی اور اپنا آلۂ کار بناتی ہے چنانچہ شیر بھیڑ بکری کو کھاتا ہے۔ شیر کے حق میں بکری ”خیر“ ہے۔ اور بکری بھیڑوں کے حق میں شیر ”شر“ ہے اسلئے مخلوقات کا شر خواہ وہ اضافی ہو یا معنوی، روحانی ہو یا جسمانی، جبتک

اس سے بچیگا اُس وقت تک وہ "ما خلق" کی مضرت اور مخلوق کے ضرر سے ہرگز مطمئن نہ ہو سکیگا لہٰذا پہلے شر ما خلق سے اجمالی و اصولی طور پر تمام شرور سے استعاذہ اور اُن سے پناہ طلب کرائی گئی جو مخلوق میں انکی اصل کی خرابی کی وجہ سے لازم ہیں البتہ اضافی شر میں تفاوت کمی و بیشی ضرور ہوتی رہتی ہے اسی لئے جو شر خاص اور حد درجہ مضرت رساں ہیں شر ما خلق کے بعد صراحۃً ان کو ظاہر فرما دیا گیا۔

**خیر و شر کے اعتبار سے مخلوق کی تین قسمیں ہیں**

خیر و شر کے اعتبار سے مخلوق کی تین قسمیں ہیں خواہ وہ اختیاری ہوں یا غیر اختیاری اور اسی کمی بیشی خیر و شر کے اعتبار سے مخلوق بھی تین طرح کی قرار دی گئی ہے۔

(الف) ایک قسم تو مخلوق کی یہ ہے کہ اُن میں خیر غالب ہے، اور شر مغلوب اور بعض میں معدوم اور کالعدم جیسے انبیائے کرام اور ملائکۃ المقربین کہ اُن میں شر معدوم ہے یا کالعدم ہے اور اولیاء الرحمٰن جنمیں شر مغلوب ہے اور خیر غالب ہے۔

(ب) دوسری مخلوق وہ ہے جن میں شر غالب ہے، اور خیر مغلوب ہے، جیسے شیطان رجیم اور موذی جانور یا شیاطین الانس والجن وغیرہ۔

(ج) تیسری مخلوق وہ ہے کہ جنمیں خیر بھی ہے اور شر بھی ہے اور ایک دوسرے کے لئے کبھی کوئی خیر بنجاتا ہے کبھی شر (ماخوذ از فتح العزیز) بہر حال شر تمام مخلوق کے لئے لازم ہے۔ لہٰذا شر ما خلق میں اس شر سے ابتدائً تعوذ سکھلایا گیا ہے جو عالم خلق کے ساتھ لازم ہے اور جسکی وجہ سے مخلوق اپنے وجود میں نقص دیکھکر خدا کی خدائی اور اُس کے کمال و یکتائی پر شاہد ہوتی ہے۔

**اقسام شر اور انکا باہمی فرق**

اصل یہ ہے کہ انسان کے مادہ اور اُسکے خمیر میں جو عیب و شر پایا جاتا ہے باعتبار اپنے وجود و آثار کے اسکی دو قسمیں ہیں ایک شر بالقوہ دوسرے شر بالفعل۔ شر بالقوہ جو ہر انسان کے مادہ اور خمیر میں پایا جاتا ہے شر تقدیری اور شر ما خلق کہلاتا ہے اور ہر مخلوق کی اصل اور کُنہ میں بیج کیطرح قدرت کی طرف سے بکھیر دیا گیا ہے اور شر بالفعل والعمل موجودات عالم کے ظہور کے بعد اُن کے کسب و عمل سے بعینہٖ اُسی طرح ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے کسی تخم شجر کو سپرد خاک کرنیکے بعد اُسکی آبیاری و تردد سے اُسکے برگ و بار نمودار ہوا کرتے ہیں لہٰذا جیسے ہر تخم شجر کے متعلق اُسکی ہیئت و صورت کے لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ لا یزید ولا ینقص یعنی نہ گھٹ سکتا ہے نہ بڑھ سکتا ہے بلکہ قدرت نے جو مقدار اور قوت اُن کے اندر پیوست فرما دی ہے اس لحاظ سے ہر تخم شجر اپنے اندر شجر کامل رکھتا ہے۔ چنانچہ یہ ممکن نہیں کہ گیہوں کے ایک دانہ سے

تو کامل درخت اُگے اور دوسرے سے ناقص یا ایک دانہ تو ایک قسم کا درخت اُگائے اور دوسرا دانہ دوسری نوع کا درخت نمودار کرے ہاں مگر فیضِ آفتاب و مہتاب کی کثرت و قلت اور عناصر اربعہ کی تائید و مخالفت البتہ اس تخم شجر کے بڑھنے اور پھلنے اور کامل درخت کو اپنے اندر سے باہر لانے میں مختلف احوال و آثار پیدا کرسکتی ہے زمین کے نقصان و کمال سے مبیشک کہا جاسکتا ہے کہ فلاں درخت ناقص اُگا ہی یا سرے سے تخم ہی سوخت ہوگیا ہے اور فلاں درخت کامل اُگا ہے اور حدِ کمال پر پہونچ گیا ہے۔

**تخم خیر و شر کا تعلق زمینِ قلب سے**

اسی طرح عالمِ باطن میں زمینِ قلب کے ہر تخم خیر و شر کے لئے بھی تقدیر الٰہی اپنے اندر ایک خاص اندازہ و مقدار رکھتی ہے یعنی جس مقدور کے لئے علم باری میں جو بھی مقدر ہوچکا ہے اس مقدار سے نہ وہ گھٹ سکتا ہے نہ بڑھ سکتا ہے اسلئے شر تکوینی و شر تقدیری میں نہ کمی آسکتی ہے نہ زیادتی بلکہ جتنا شر اور خیر جسکے خمیر میں رکھدیا گیا ہے اسی قدر وہ اپنی عمر میں اپنا دائرہ وسیع کرسکتا ہے اس سے زائد نہیں کرسکتا البتہ عالمِ باطن کی زمینِ قلب میں جب یہ تخم شر یا تخم ایمان ملا دیا جاتا ہے تو اس تخم سعادت و شقاوت کو ملا دینے کے بعد انسان کو کسب خیر و شر میں مجاز و مختار کر دیا گیا ہے یعنی چاہے تو انسان نیک عمل سے تخم ایمان کو ترو تازہ کر کے شجرِ طیبہ اپنے دل میں اُگائے اور چاہے تو عملِ بد سے شجرِ شیطنت پیدا کرے جیسا کہ ایک کاشتکار اپنی کھیتی کے تردد و پرورش کامل سے غلہ کا ڈھیر اپنے ہاں لگا سکتا ہے اور تردد نہ کرنیکی صورت میں تخم ہی سوخت کر دیتا ہے۔

**دائرۂ عملِ خیر و شر اور مسئلۂ جبر و قدر**

غرض دائرۂ عملِ خیر و شر اور تخم سعادت و شقاوت کی مثال بعینہٖ ایسی ہی ہے جیسا کہ دائرہ کا وہ نقطہ و مرکز اول جس پر تمام چھوٹے بڑے دوائر کا آغاز و اختتام ہوتا ہے اور ہر دائرہ اپنی کردی الشکل ہونے میں اس نقطہ کا محتاج ہوتا ہے یہ مرکز اور نقطہ نہ ہو تو دائرہ ہی قائم نہیں ہوسکتا۔ لیکن وہ نقطہ بحیثیت نقطہ نہ گھٹ سکتا ہے نہ بڑھ سکتا ہے ہاں مگر خطوط مربع و مثلث و مستطیل اور اُن کے آثار کے لحاظ سے گھٹ بھی سکتا ہے اور بڑھ بھی سکتا ہے یعنی جتنا چاہے چھوٹا دائرہ کھینچ لیا جائے اور جتنا چاہے بڑا دائرہ کرلیا جائے یہ انسان کا بیشک ایک اختیاری فعل ہے اسی طرح نقطہ ہائے خیر و شر تو صناع کرۂ سماوی و ارضی کی طرف سے ہر ایک انسان کے دل پر منقش و مرتسم فرما دی گئی ہیں یعنی نہ اپنی طاقت سے زیادہ کوئی خیر کرسکتا ہے نہ شر پیدا کرسکتا ہے نہ اُنہیں بالکل ہی معدوم کرسکتا ہے البتہ خیر و شر کے دائرہ عمل میں ضرور گھٹا بڑھا سکتا ہے اپنے نقطہ ہائے ملکیت و سبعیت و بہیمیت سے جس قسم کی چاہے مربع مثلث و مستطیل شکلیں عمل میں لا سکتا ہے کیونکہ دائرہ

خیر وشر کا گھٹانا بڑھانا انسان کے کسب وارادہ و قدرت پر محول و موقوف کر دیا گیا ہے۔

اگرچہ تقدیراً وخلقۃً تخم سعادت بہ نسبت تخم شقاوت کے زیادہ پھیلاؤ اور بڑھاؤ رکھتا ہی اور یہ دائرہ اسقدر وسیع ہے کہ کوئی دائرہ اس سے بڑھکر نہیں لیکن شجرۂ طیبہ کا شجر شیطنت کو معدوم و مغلوب کر دینا بہر حال انسان کے تزکیۂ قلب اور اعمالِ حسنہ وریاضاتِ شاقہ ہی پر موقوف ہی یہی وجہ ہے کہ کوئی انسان تو اپنے اعمالِ شر سے تخم شر کی آبیاری کر کے اپنے دل کی زمین میں شیطنت کے خار دار درخت اُگا لیتا ہے اور اپنی زندگی کو دوزخ کر لیتا ہے یہانتک کہ شیطنت کے کامل رسوخ ہو جانے کی وجہ سے انسان ثمراتِ جہنم کو دُنیا میں ہی چکھنے لگتا ہے۔ اور اپنے نقطۂ شر تقدیری کو اعمالِ بد کی پرکار سے کھینچ کھینچ کر قلب کے ہر جانب محیط و مستولی کر لیتا ہے آخر انسان مراتبِ شقاوت طے کرتا ہوا شیطان کے ہم مرتبہ وہم پیشہ بنجاتا ہے اور کوئی شخص اپنی دل کی زمین میں اعمالِ حسنہ کی آبیاری سے تخم ایمان کو پھیلا کر شجرہ طیبہ بنا لیتا ہے اور تمام اخلاقِ حسنہ وملکاتِ فاضلہ کے پھول پھل لگا کر سعادتِ دُنیا وعقبیٰ کے لذائذ ابدیہ ونعمتہائے سرمدیہ سے مالامال ہوتا ہے اور دُنیا ہی میں جنت کے مزے لوٹنے لگتا ہی اور اپنے نقطۂ خیر کو کسب محمود سے بڑھا چڑھا کر اپنے دائرۂ خیر عمل کو اس قدر وسیع کر لیتا ہے کہ ہزاروں بے ٹھکانے اور خدا سے بیگانے انسان اسکی معرفت سے نورِ ایمان پا لیتے ہیں۔

**تخم شر اور اُسکے آثارِ اربعہ**

الغرض شرِ ما خلق کو تو شرور کائنات میں بمنزلہ تخم کے سمجھئے اور اس شر مطلق وتخم شیطنت سے استعاذہ کو کُل شرور کائنات سے استعاذہ قرار دیجئے جس کا فردِ کامل شیطان ہی ہوسکتا ہی اور بقیہ جو شرور اربعہ (شرِ غاسقٍ اذا وقب ۔ شرِ النفّٰثٰتِ فی العقد ۔ شرِ الوسواس الخناس ۔ شرِ حاسدٍ اذا حسد) شرِ ما خلق کے بعد معوذتین میں لائق استعاذہ قرار دئے گئے ہیں انکو تمام شرور ظاہری وباطنی کا خلیفہ اور نائب سمجھئے۔

**تخم خیر اور اُسکے آثارِ اربعہ**

اور کیا عجب ہے کہ حضرت رب الفلق حکیم مطلق جل مجدہٗ نے جس طرح شیطان کو تمام شرورِ کائنات کا مغز وخلاصہ بنایا ہے چنانچہ شجر شیطنت کے لئے شیطان بمنزلہ تخم کے ہے تو شرور اربعہ مذکورۃ الصدر بمنزلہ برگ وبار ہیں ٹھیک اسی کے بالمقابل خیر اعظم نور مجسم حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی ان شرورِ اربعہ کے بالمقابل چار خلیفہ راشد اسی لئے ہر ایک خلیفہ شر کے مقابلہ کے لئے عطا کئے گئے ہوں جو حضور کے تعلق کے لحاظ سے شجرِ نبوت کے برگ وبار ہیں تو خود سرورِ عالم اولین وآخرین کی تمام نیکیوں اور بھلائیوں کا

سرچشمہ و سرمنشا ہونیکی وجہ سے شجر نبوت و سعادت کے لئے بمنزلہ تخم خیر کے ہیں اور جبکہ شجرۂ خیر و سعادت میں خلفائے راشدین کا یہ مخصوص درجہ ہے :-

## شجرِ نبوّت و شجرِ شیطنت کے تاثیرات متضادّہ

شجرِ شیطنت — شجرِ نبوّت



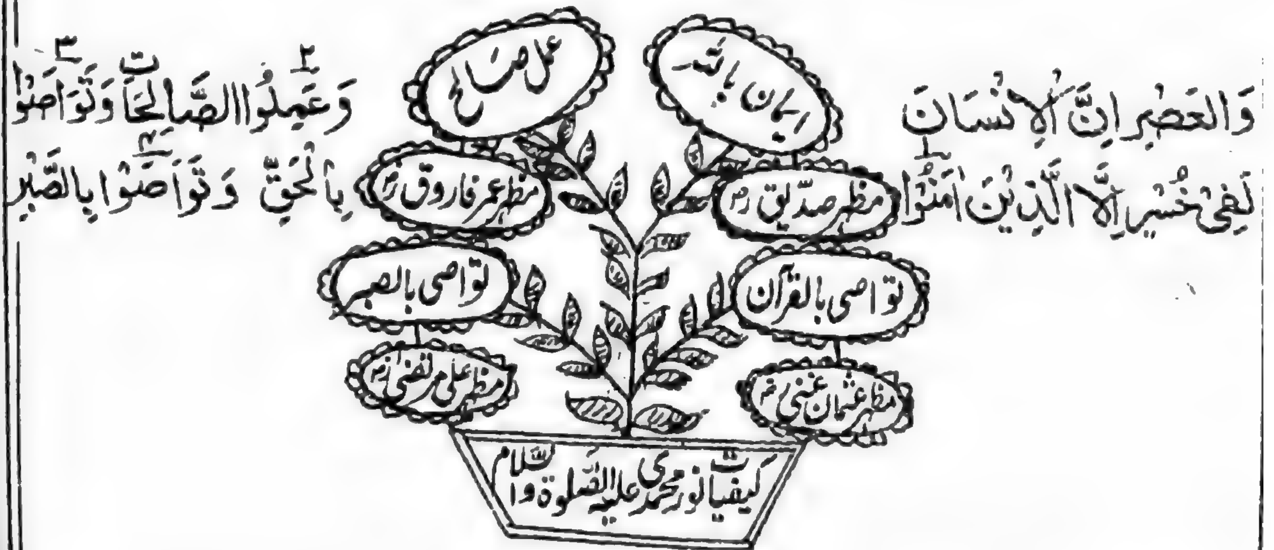




جسکو آپ نے شجرہ ہائے بالا میں ملاحظہ کیا ہے تو اب خلفائے راشدین کی سیرت اور اُنکی عملی زندگی کو پیش نظر رکھتے ہوئے :-

## حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شئونِ اربعہ

### اور اون کے مظاہر اربعہ یعنی خلفائے راشدین




اور خلفائے راشدین کو کیفیات بالا کا بالترتیب مظاہر اربعہ تسلیم کرتے ہوئے اسپر بھی غور فرمائیے کہ ان میں سے کونسی کیفیت نبوت کی کونسے "شر" کے لئے مزیل و دافع ہے اور ان کیفیات نورانیہ کا ان کیفیات شیطانیہ کے ساتھ کیا

مصلحانہ علاقہ ہے۔

حضرات شیعہ کی ذہنیت معکوسہ — اور اگر کوئی نادان اِن مظاہرِ اربعہ یعنی خلفائے راشدین کو شرورِ اربعہ کے مقابلہ کے ساتھ مرتب و مربوط نہ جانے اور خلاف اشارہ ترتیب قرآنی خلفائے راشدین میں اوّل کو آخر اور آخر کو اوّل سمجھنے لگے تو یہ ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی جاہل طبیب ایلوے کو ذائقہ کی درستی کے لئے تجویز کردے یا شرینی کا استعمال ایلوے کی جگہ کرائے، ظاہر ہے کہ ایسے نادان طبیب کے متعلق ہر شخص یہی کہیگا کہ قدرت نے اسکی قوتِ ممیزہ کو سلب کرلیا ہے اسی لئے یہ شخص ایسی خلاف فطرت تجویزیں کرتا ہے۔ یہی حال اس فرقہ غالی کا ہے جو خلفائے راشدین میں ایک کو افضل اور دوسروں کو کمتر بتلاکر تبرائی بنتے ہیں نہیں سمجھتے کہ آفتاب کے بعد جس طرح مہتاب کی ضرورت ہوتی ہے اور مہتاب کے بعد جس طرح کواکب و سیارات کی اسی طرح کیفیاتِ نبوّت کے اعادہ کے وقت میں بھی خلفائے راشدین میں قدرت نے وہی ترتیب ملحوظ رکھی ہے جو کہ خود حضورؐ کی زندگی میں ملحوظ رکھی گئی تھی اور جبکہ حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی چار ممتاز شانوں کے مظاہر خلفائے اربعہ ہوئے تو اب خود بخود واضح ہوتا ہے کہ :-

مظہر ایمان باللہ — ایمان باللہ کی کیفیت و شانِ ایمانِ محمدیؐ کے مظہر اول صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں لہذا نورِ ایمان پر جو حملۂ شرِّ غاسق، مثل خسوفِ قمر، ہوتا ہے اسے صدیقیت ہی دفع کرسکتی ہے اور اس باطنی زہر کے لئے یہی تریاق صدیقی قدرت نے رکھا ہے۔

مظہر عمل صالح — اسی طرح عملِ صالح، وکسبِ محمود، جہاد فی سبیل اللہ کی کیفیت نبوّت میں شانِ عملِ محمدی کے مظہر ثانی حضرت الناطق بالصواب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں اسلئے کہ ہر قسم کی آفاتِ جسمانی و روحانی جبن و نامردی کی کیفیاتِ شیطانی نے جب بھی اس خلیفۂ راشد اور حکومتِ صالحہ کے زیرِ اقتدار فرمانبرداروں کو اپنے مکاید و وساوس کی گرہوں میں جکڑ بند کرنا چاہا اور شرّ النفثٰت نے جب بھی مسلمانوں کو اپنے حسن فسوں سازی سے حب دُنیا و کراہیتِ موت کی طرف لانا چاہا تو حضرت فاروق اعظمؓ نے کفر و شیطنت کی ان سب مکاریوں اور عیاریوں کا اکسیر قلع قمع کرنے کے لئے جہاد فی سبیل اللہ و فتوحاتِ اسلامی کے عمل سے وہ دبدبۂ دینِ محمدیؐ قائم کیا جس سے شیطنت کے کید مکر و زور، نامردی و بزدلی و کاہلی کافور ہوگئی اور کوئی حربۂ شیطنت عمّالِ خلافتِ راشدہ پر موثر نہ ہوسکا غرض شیطنت کے اس حملہ کیلئے تریاق فاروقی ہی موثر ہے۔

مظہر تواصی بالقرآن

علیٰ ہذا مسلمانوں کے اندر قرآن کریم کی روح پیدا کرنے اور اُن کے حلقۂ اثر کو وسیع کرنے کے لئے مظہر انوار سید الثقلین حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے جب وصیت بالقرآن سے شیطنت کے حملۂ حسد کو جمع قرآن فرماکر ہزیمت دی اور آخر راہِ خدا میں حاسدوں پر اتمام حجت فرماتے ہوئے جان کی بھی پرواہ کی تو اس سے معلوم ہوا کہ حسدِ حاسد کا علاج اگر ہے تو وہ تمسک بالقرآن اور تواصی بالقرآن ہی ہے غالباً یہی سبب ہے، کہ اگر کوئی شخص دولت قرآن پر حسد و غبطہ بھی کرے تو شیطان اس سے خوش نہیں ہوتا کیونکہ یہ اس کیفیت کا صحیح استعمال ہے۔ علیٰ ہذا اگر کوئی شخص دولت دُنیا کو راہِ خدا میں لٹائے جب بھی شیطان راضی نہیں ہوتا غرض اس تیسرے شیطانی مرض کا تریاق عثمانیت ہی ہو سکتی ہے۔

مظہر تواصی بالصبر

اور تواصی بالصبر کے مظہر رابع مظہر العجائب والغرائب حیدر کرار شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں جو مجاہدِ عالمِ باطن بھی ہیں اور مجاہد فی سبیل اللہ بھی اور جہاد بالنفس ہیں وہ شانِ نبوّتِ محمدی کے اعلیٰ وارفع نمونۂ جامع بھی۔ اسی لئے شیطانِ لعین کے مکاید و وساوس جب عالَمِ باطن میں مؤمنین پر حملہ آور ہوتے ہیں تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سلسلۂ رشد و ہدایت باطنی اور تزکیۂ نفس انسانی کے لئے اولیاء اللہ کے سلاسل نورِ نسلِ مسلمین میں اس طرح قائم فرمائے کہ جو بھی شیطان کا بہکایا ہوا راہ راست پر آنا چاہے اور حضرت مدینۃ العلم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ متوسل ہونا چاہے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اُن سب کے لئے بمنزلہ دروازہ کے ہوں اور جو وسوسۂ شیطانی بھی قلوب انسانی میں آئے تو مجاہدِ عالَمِ باطن حضرت علی مرتضیٰ اس زیغ و کجی کیلئے بمنزلہ تریاقِ مرتضوی نظر آئیں۔

معیارِ فضیلتِ خلفائے راشدین

اس تقریر سے یہ بھی نتیجہ بآسانی نکل آتا ہے کہ خلفائے راشدین جو شجرِ نبوت کے برگ و بار ہیں اور جو اپنے اپنے مرتبے و مظاہرِ شانِ نبوت کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہی ہیں اور ہر ایک اُن میں سے جداگانہ امتیاز اور نمایاں مجد و شرف رکھتا ہے ان میں خلافتِ راشدہ کا تقدم و تأخر درحقیقت ترجیح کے لئے ایک درجہ میں ضروری تھا لیکن مدارِ فضیلت صرف تقدم و تأخر نہیں ہے بلکہ مرتبہ و کرامت ہے، اور یہ بھی واضح ہے کہ جس طرح ایک مدّت کے بعد ہر درخت اپنے پتّوں کو زرد کرکے گرا دیتا ہے اور قدرت پھر نئے اوراقِ شجر امید لاتی ہے اسی طرح شجرِ نبوت کے سب سے پہلے برگ و بار جب اس عالم میں خزاں پذیر ہوگئے یعنی خلفائے راشدین واصل الی اللہ ہوگئے تو اُن کے بعد اُن کے سچے جانشین یعنی مجدّدین و صلحائے ملّتِ اسلامیہ کے اوراقِ نورانی شجرِ نبوّت پر قدرت ہر صدی اور ہر دورِ ضلالت میں لاتی رہتی ہے۔

منکرین اخبار غیبیہ پر تاسف و حسرت

اس کلام پر غور کرنے کے بعد عقل حیران ہے کہ کس طرح اور کیونکر مرزا غلام احمد آنجہانی کی انسانیت نے اُن کو بمقابلہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی قسم کے دعویٰ نبوت کی اجازت دی یا حضرات شیعہ کو حضرت علیؓ کے محض خلیفۂ چہارم ہونے پر اہلسنت سے اسقدر کیوں برہم کردیا اور جناب سرسید کو شیطان کے وجود کے انکار کی زحمت کیوں ہوئی بجز اس کے کیا سمجھا جائے کہ شرِ مطلق کی کسی تجلّیٔ مظلم سے اُن کے دل و دماغ ماؤف ہوئے اور وہ صراطِ مستقیم سے اس طرح بھٹک گئے۔

خلاصہ تقریر ہذا کا یہ ہے کہ جسطرح شرّ ماخلق تمام شروروں میں بمنزلہ تخم کے ہے اور شرورِ اربعہ بمنزلہ اس کے برگ وبار کے ہیں اسی طرح جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بمنزلہ تخمِ سعادت کے ہیں اور آپکے خلفاءِ اربعہ نبوّت کی کیفیاتِ اربعہ کے مظاہر ہونے کی وجہ سے شجرِ نبوت کے برگ وبار ہیں سو برگ وبارِ خیر وشر میں کاٹ تراش، کمی بیشی، تجدّد و تحدّث تو ممکن ہے اور شیاطین الانس والجن اور انبیائے مرسلین وجانشینانِ سیّد المرسلین کی مساعی خیر وشر میں کمی زیادتی تو ہوتی رہتی ہے لیکن تخم ہائے خیر وشر محض منجانب اللہ ودیعت کئے گئے ہیں اُن میں نہ کوئی تغیر ہوسکتا ہے نہ تبدّل نتیجہ یہ ہے کہ جس طرح مظہرِ خیرِ اعظم سے توسّط لازمی ہے اسی طرح مظہرِ شرِ اعظم سے تعوذ بھی ضروری ہے۔ کما اشار بہ تعالیٰ فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۵

**استعاذۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم**

یہاں سے استعاذۂ انبیاء واستعاذۂ امّت کے باہمی فرق پر بھی غور فرمایئے سو چونکہ حضرات انبیاء علیہم السّلام نبوّت ورسالت اور قربِ سرکارِ احدیت کیوجہ سے نوعِ انسانی کے فردِ کامل ہوتے ہیں اور جنسِ ملکیت کی ایک نوعِ خاص اور ملکُ النّاس کی تجلّیٔ ملکیت کے مظہرِ کامل ہیں اسلئے اُن کے ذنوب اور اُن کے استعاذہ میں اور اُمّت کے ذنوب اور اُن کے استعاذہ میں کم ازکم وہی نسبت ہوگی جو زمین کو آسمان کے ساتھ ہوتی ہے اور اُن کے مراتبِ عشقِ الٰہی کی وجہ سے اُن کے خطا و ذنوب کی وہی صورت ہوگی جو عاشق ومحبوب کے درمیان ہوا کرتی ہے ظاہر ہے کہ سلسلۂ یگانگت ومحبّت میں اول تو خطا وقصور سے تعرض ہی نہیں ہوتا اور اگر بمقتضائے عشق ہوتا بھی ہے تو اُن اخلاقی مجرموں کی طرح اُن کی خطائیں نہیں ہوتیں جنکو بداخلاقیوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے سخت سزائیں اُن کے گناہوں پر دیجاتی ہیں بلکہ عاشق باوجودیکہ ہر آن اپنے محبوب کی دلداری ہی میں لگا رہتا ہے اور کوئی بات بھی اُس کی مرضی کے خلاف گوارا نہیں کرسکتا مگر پھر بھی غایۃ تعلق کی بناء پر عاشق اپنے محبوب سے یہی کہا کرتا ہے کہ میں تمھارا قصوروار ہوں

اللہ تم اپنی زبان سے ایک مرتبہ یہ کہدو کہ میں ہمیشہ تجھسے راضی رہونگا اور جو تیری اگلی پچھلی خطائیں ہیں میں نے ان سب کو معاف کر دیا ہی۔ یہی حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقصیراتِ محبّت کا اپنے محبوب و مالکِ حقیقی کے ساتھ ہے کہ یہاں صورتِ ذنب ہے لیکن حقیقت میں ذنب نہیں ہی غالباً اسی موقع کے لئے کسی شاعر نے خوب کہا ہی

جو غریب اپنے خیالوں میں بھی آزاد نہیں ۵ ہائے اُس پیکرِ پابندِ وفا کی حالت

غرض انبیاء علیہم السّلام کی صورت ذنب کا جو تقابل بھی ہو وہ فرشتوں کے لحاظ سے ہی کیونکہ انبیاء علیہم السّلام اپنے ایک مادّہ کے لحاظ سے فرشتے ہیں تو دوسرے مادہ کے لحاظ سے وہ انسان بھی ہیں بہر حال چونکہ فرشتے معصوم الخلقت ہوتے ہیں اور انبیاء علیہم السّلام بوجہ تربیت پروردگار معصوم العمل ہوتے ہیں اسلئے انبیاء علیہم السلام کا استعاذہ شرّ تقدیری و شرّ ما خلق سے ہوتا ہی اور اُمّت کا استغفار و استعاذہ اپنے اعمالِ شریہ پر ہوتا ہی پایا ہی ہے کہ جیسے ایک شخص تو احیاناً کسی کی کوئی چیز چرا کر توبہ کرے اور خدا سے اس شر سے پناہ مانگے اور دوسرا اس مادّہ سرقہ سے پناہ ربانی طلب کرے جو اسکی نوع کے افراد میں پایا جاتا ہے۔

**انبیاء علیہم السّلام مخلوق کے وکیل و زعیم ہیں**

یہی صورت انبیاء علیہم السّلام کے استعاذۂ شرو استغفارِ ذنوب کی بھی ہی کہ وہ اپنی نوع کے شرورِ مقدرہ و ذنوبِ مطلقہ سے پناہِ خداوندی طلب کیا کرتے ہیں اگرچہ انبیاء علیہم السّلام کی خلقت باشارۂ احادیث، خاص طور پر مصورِ ارحام فرماتا ہے اور عالم ارحام ہی میں سے انبیاءؑ کی نورانیت تجلّی ریز ہونے لگتی ہی اور اس وجہ سے کہ اول تو ان میں مادّہ ذنب ہوتا ہی نہیں اور جو صورتِ ذنب بمقتضائے اشتراکِ بشریت و تقصیراتِ محبّت ہوتی بھی ہے تو تربیتِ خداوندی اسے زائل کرتی رہتی ہی تاہم انبیاء علیہم السّلام کی ارواحِ سعیدہ کا نوعِ بشریت میں مقید ہونا ضرور کسی نہ کسی درجہ میں اشتراک پیدا کرتا ہی اور یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک مکان میں ایک آدمی تو نیک رکھدیا جائے اور دوسرا بدعمل رکھا جائے یا ایک تندرست ہو اور دوسرا مریض ہو یا ایک چور ہو اور دوسرا متقی ہو تو اگرچہ اپنے اپنے اوصاف و احوال کے لحاظ سے ایک کا دوسرے کے ساتھ کوئی اشتراک نہیں مگر صحبت و معیتِ مکانی و زمانی ضرور اُنمیں کسی نہ کسی درجہ میں اشتراک قائم کرتی ہے اور ایک بھلے آدمی کے لئے یہی گناہ کیا کم ہے کہ اس کا کسی بُرے آدمی سے واسطہ ڈال دیا جائے غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق چونکہ کل بنی نوع انسانی سے ہی اور آپ تمام عالم کی معصیت و طاعت کو اسی طرح محسوس و مشاہد فرماتے ہیں جیسا کہ ہم اور آپ خوشبو و بدبو کو محسوس کرتے ہیں اسلئے آپ کے استغفار و استعاذہ اور طلبِ قربت، و برداشتِ مہالک، پر جو بشارت عفوِ تقصیراتِ بشریہ

کی سُنائی گئی ہے وہ اِن لفظوں کے ساتھ سُنائی گئی۔ "انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تأخر ویتم نعمتہ علیک ویھدیک صراطا مستقیما"۔

عفوِ تقصیرات محبّت نبوی

اس بشارتِ عظمیٰ میں صرف اکمالِ نعمت اور ہدایت راہِ مستقیم ہی کا جزو نہیں ہے بلکہ فتح و نصرتِ ظاہری و باطنی کے ساتھ نہ صرف آپ کے واسطے سے پچھلی تقصیراتِ نوعی ہی معاف کی گئی بلکہ آیندہ جو تقصیرات ہونے والی تھیں اُن سے بھی براءت و معافی سُنادی گئی اور عفوِ تقصیرات میں یہی فرق ہے، بادشاہانِ دُنیا میں اور ملک الناس میں کہ بادشاہانِ دُنیا اول تو اپنے مقابل لوگوں کی تقصیرات سے درگذر نہیں کرتے، انتقام لئے بغیر نہیں رہتے اور اگر تقصیرات سے درگذر بھی کرتے ہیں تو پچھلی تقصیرات کو معاف کرتے ہیں اور خداوند عالم نے اپنے نبی محبوب کے لئے اگلی اور پچھلی دونوں تقصیرات کو نظر انداز فرما دیا بظاہر یہ بات ذرا فہم میں نہیں آتی کہ آپ جبکہ معصوم العمل ہیں تو پھر آپ کی تقصیرات کیا تھیں جو معاف فرمائی گئیں دوسرے اگر معافی دی بھی گئی ہے تو پچھلی تقصیرات پر دیجانی چاہیئے تھی۔

مقتضائے بشریت اور انبیاءؑ

اگلی تقصیرات جن کا ابھی وقوع بھی نہیں ہوا معافی کیسی؟ لیکن یہ اشکال سطحی ہے اور بادی النظر میں ضرور کھٹکتا ہے لیکن جوں ہی دریائے فکر میں غوطہ زن ہوئیے تو حقیقتِ اصلیہ منکشف ہو جاتی ہے اور وہ یہ کہ جس طرح ہر تخم شجر میں اُسکے کل برگ و بار، مقدم و مؤخر، موجود ہوتے ہیں یا تخم ایمان میں تمام اعمالِ حسنہ بالقوہ مرتب طور سے پنہاں ہوتے ہیں اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی چونکہ حسب بشارت عقل و نقل سردار اولین و آخرین ہیں اور نوعِ انسانی کے فردِ کامل اور اسکے لئے بمنزلہ تخم کے ہیں اسلئے آپکے ظہورِ مبارک کے بعد جبکہ معبودِ حقیقی کی طرف سے آپ کی خدماتِ عبدیت کو قبول فرمالیا گیا تو اس کے صلہ میں بادشاہانِ دُنیا کی طرح نہ صرف نسلاً بعد نسل ہی عفوِ تقصیراتِ نوعی کا یہ اعزاز و اکرام آپکے لئے فرمایا گیا بلکہ آپکے اول مخلوق ہونے اور امم سابقہ کے بھی سردار اور نبی الانبیاء ہونے کی وجہ سے قبل الظہور و بعد الظہور بھی نوعِ انسانی کی تقصیرات آپکی عبدیت کاملہ کے صلہ میں معاف ہوئیں اور آپنے راہِ حق میں جو جو مصائب و شدائد اُٹھائے انکا اقتضا بھی یہی تھا کہ آپکے ذریعہ سے اُمت کی اگلی پچھلی دونوں قسم کی تقصیرات کو کلی طور پر ہلکا کر دیا جائے۔

تجلّیِ مغفرتِ الٰہی

کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بمفاد حدیث اول ما خلق اللہ نوری سب انبیاء و افراد انسانی سے خلقۃً مقدم ہیں اور ظہور کے اعتبار سے خاتم ہیں اور آپ کو اولین کا علم بھی دیا گیا اور آخرین کا بھی اسلئے نوعِ انسانی کے اس سراج منیر کے ذریعہ سے تمام اقوامِ عالم پر جب تجلّیِ مغفرتِ الٰہی متوجہ ہوئی تو اولین

و آخرین کی تقصیراتِ نوعی اسی طرح معاف ہوگئیں جس طرح کہ آفتاب عالمتاب کی تجلیات سے عالم کا گوشہ گوشہ تاریکی پر غالب آکر چمک اُٹھتا ہے اور ہر مکان و مکین اپنی اپنی استعداد و قابلیت کے موافق اکتساب نور کیا کرتا ہے گو بعضے تاریک مادے اس عالمگیر نورانیت کے باوجود بھی ویسے کے ویسے ہی رہتے ہیں مگر اس میں آفتاب کی طرف سے ذرا بخل نہیں ہوتا۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت بھی اُمت کے گناہ و ثواب میں ویسے ہی ہے جیسے ایک باپ اپنے بیٹوں کی اچھائیوں کو تو اُنکی طرف منسوب کرتا ہے اور بربنائے شفقت اُن کی بُرائیاں اپنی طرف منسوب کر کے عفوِ تقصیر چاہا کرتا ہے یا مثلاً کسی زعیم قوم کے سامنے حکومت کی طرف سے جب اسکی قوم کی تقصیرات پیش کیجاتی ہیں تو گفت و شنید میں یہ زعیم قوم اپنی قوم کی تمام کوتاہیوں کا اقرار اپنے اوپر لیکر کرتا ہے اور سُننے والے یہ سمجھتے ہیں کہ اُن کا کرنیوالا فی الحقیقت یہی زعیم قوم ہے حالانکہ زعیم قوم محض وکیل قوم ہوتا ہے نہ کہ خود تقصیراتِ قوم کا شریک ہوتا ہی مگر وکالتِ قوم کے بعد قوم کا نمایندہ بھی کہا کرتا ہے کہ میں نے فلاں وقت یہ کیا ہی یا فلاں وقت نہیں کیا ہو اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت بھی اُمت کے گناہوں کے لئے مغفرت طلب کرنے میں ایسی ہی سمجھیے۔

**مغفرتِ الٰہی کا اثر معاصی وخطایائے اُمت پر**

غالباً یہی سبب ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے اصلاح اُمت و استغفارِ ذنوب اُمت کی وجہ سے قوم عاد و ثمود اور امم سابقہ کی طرح اُمتِ محمدیہ پر کوئی استیصال کرنیوالا عالمگیر عذاب نہیں آئیگا حالانکہ جب آپکی اُمت کو رذائل و فضائل ہیں بفحوائے حدیث لتتبعن سنن من قبلکم شبرا بشبر باعا بباع الحدیث امم سابقہ سے مناسبت و مشابہت حاصل ہی تو قاعدہ کے موافق معاذاللہ عذاب میں بھی یہی مشابہت ہونی چاہیئے تھی مگر چونکہ اُمتِ محمدیہ کو حضرت رحمۃ للعالمین کا وجود پاک نصیب ہوا ہے اور حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نوع انسانی کے اس مرتبہ اعلیٰ پر فائز ہیں جسکے بعد کوئی مرتبہ نہیں اور عبدیتِ کاملہ کے اس درجہ رفیع پر کھڑے ہیں جسکے بعد کوئی مقام محمود نہیں تو پھر آپ کی دعائے مغفرت کا اثر بھی یہی ہونا چاہیئے تھا کہ آپکے نوع کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہوں اور گناہوں کا وزن گھٹے اور ثواب کا وزن بڑھے اور آپ کی اُمت پر کوئی عالمگیر عذاب طوفان نوح وغیرہ کی طرح کا نہ آئے اور قیامت سے پہلے دُنیا کو اس طرح ختم نہ کیا جائے۔ حاصل کلام یہ ہی کہ آپکا وجود مطہر اور آپ کی نبوت کاملہ اور آپ کا استغفار، نوع انسانی کے کل افراد کے لئے ان تمام شرور مطلقہ کو زائل فرما چکا ہی (خواہ مقدم ہوں جیسے آدمؑ و حوا کی لغزش اور اُن کا ذنب اور خواہ وہ مؤخر ہوں جیسے اُمتِ مرحومہ کی دعوتِ تبلیغ سے سرتابی گناہ)

جیسے مصنوعی بجلی کی روشنی جہاں پہونچائی جاتی ہے تو وہاں ایک ٹھنڈا تار بھی اسلئے لگا دیتے ہیں کہ اگر قدرتی بجلی مصنوعی بجلی پر گرے تو اُس مکان کو جسمیں بجلی لگائی گئی ہے کوئی گزند نہ پہونچے بلکہ یہ تار اسکو جذب کرکے زمین میں اُتار دے۔ اسی طرح حضرت رحمۃ للعالمین کی طلب مغفرت کا تار بھی قصر امت محمدیہ میں ایسی ہی طرح لگا ہوا ہے کہ جسکے بعد کوئی عالمگیر عذاب آئے اور اگر آئے تو اُمت محمدیہ کو بحیثیت مجموعی کوئی نقصان نہ پہونچائے

**بشریت کاملہ کا تعلق شفاعت بنی نوع انسان سے**

غرض یہ ہے کہ چونکہ نوع بشریت کے فردِ کامل حضور انور ہیں اور بقیہ تمام افراد کے آپ ہی اعلیٰ مربّی و سرپرست ہیں اسلئے جیسے اُمّت کی شفاعت میں آپ کی حیثیت زعیم بنی نوعِ انسان کی ہے اسی طرح امت کے استغفارِ ذنوب میں بھی آپ کی حیثیت وکیل و نائب کی ہے یہی سبب ہے کہ جب فتحِ مبین کی بشارت کی صداقت کا وقت آیا یعنی فتح مکہ کے بعد جوق جوق قبائل عرب اسلام میں داخل ہونے لگے تو حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ الخ یعنی جب آپ اُمّت کی ظاہری فلاح و بہبود فرما چکے اور قوم محکوم کو غلامی کے پنجہ سے آزاد کرا کر حاکم بنا چکے تو اب امت کے ظاہری و باطنی گناہوں کے لئے بھی مغفرت طلب فرمائے اور اُس پروردگار کی حمد و تسبیح فرمائے جو آپ کو نوعِ بشریت کے مرتبۂ اعلیٰ پر فائز کرنیوالا اور آپ کی شفاعت و طلب مغفرت سے تمام امت کے سیئات و ذنوب کو معاف فرمانے والا ہے۔

یہ ہے شرِ ما خلق اور شرِ تقدیری کی تفصیل و توضیح اسکے بعد حق تعالیٰ اُن شرور سے تعوذ سکھلاتے ہیں جو اختیاری و غیر اختیاری شرور کا لبّ لباب اور روح ہیں چنانچہ شرِ ما خلق کا قائم مقام اول شرِ غاسق اذا وقب ہے اسکے متعلق یہ عرض ہے کہ :-

**(۲) شرِ غاسق اذا وقب**

جیسے ہر درخت کے لئے عناصر اربعہ کی امداد لازم ہے اور فیضِ آفتاب و مہتاب درخت کے کمال و شباب کے لئے جزو لاینفک ہے اور ان مؤیداتِ ستّہ کا انقطاع درخت کے لئے پیغام موت ہے اسی طرح انسان سے اگر ظاہری یا باطنی تائید ربّانی منقطع ہو جائے اور حسی و معنوی تاریکیاں اسپر ہجوم کر آئیں مثلاً فقر و فاقہ تنگدستی و افلاس سے انسان جان بلب ہو جائے یا مثلاً روحانی نشو و نما میں شیطان رکاوٹ پیدا کر دے اور صراطِ مستقیم سے انسان بھٹک جائے اور قوتِ ملکیہ کے اور ملک الناس کے درمیان حجاب آجائے تو جیسے درخت کیلئے فیضانِ عناصر کا انقطاع پیغام موت ہے، اسی طرح وہ انسان جسکو ظاہری و معنوی تاریکیاں گھیر لیں اور خدا سے تعلق منقطع کرا دیں یہ انقطاع و حملۂ تاریکی بھی انسان کے مقصدِ خلقت کو

پورا نہ ہونے دینگے اور انسان کی عقل پر وہم کا پردہ پڑ جانیسے اُسکے اخلاقِ حسنہ پران تاریکیوں کا غلاف آجانے سے اسکے وجود کو بیکار و عبث کر دینگے جیسے ایک بینا تندرست آدمی کی آنکھ میں موتیا کا پانی اُتر آئے تو گو ظاہر میں لوگ اسے دیکھکر سمجھتے ہیں کہ وہ بینا ہے مگر درحقیقت وہ نابینا ہوتا ہے اسی طرح جس انسان کی روح حسّی و معنوی تاریکیوں کے موتیا آجانیسے کسب کمالات سے عاجز و عاری ہو گئی ہو اگرچہ بادی النظر میں وہ انسان زندہ نظر آتا ہے مگر اہلِ نظر سمجھ لیتے ہیں کہ اس کی روح مردہ ہو چکی ہے اور وہ مر چکا ہے اسلئے حق تعالیٰ شانہ نے اس شرِ غاسق سے تعوذ سکھلا کر وہ نورانیت عطا کی جو اُسکی دل کی آنکھ پر سے تاریکی کے موتیا کا اپریشن کر دے اور جلال و جمالِ خداوندی کے نظر آجانے سے پھر روح انسانی کسب کمالات کرنے لگے۔

**ماحول کی مساعدت و ناساعدت**

یہ قاعدہ ہے کہ ہر چیز اپنی موسم اور ماحول کی موافقت و مساعدت سے فروغ پاتی ہے اور اُسکی ناموافقت و نامساعدت سے تنزّل و انحطاط شروع ہو جاتا ہے سبزہ و گیاہ برسات میں لہلہانے لگتے ہیں تو لُوہ کی تمازت اور آفتاب کی غیر معمولی تپش سے مُرجھا جاتے ہیں اسی طرح جن کا مادّہ نورانی ہے وہ نور میں پرورش اور اُبھار حاصل کرتے ہیں اور جن کا مادّہ ظلمانی ہے وہ ظلمت و تاریکی میں ترقی پاتے ہیں چونکہ انسان کا مادّہ نورانی ہے اور اسکے فطری و اصلی مزاج میں غلبہ خیر ہی کا ہے اسلئے اسکے جملہ کاروبار عموماً جب ہی برکت حاصل کرتے ہیں جب آفتاب کا نور زمین کی تاریکیوں کو چھپا لیتا ہو اور شب کی تاریکیوں میں اسکے پالنے والے کیطرف سے انسان کے لئے استراحت و سکون ہی رکھا گیا ہے اسی لئے جب شب کی تاریکیوں میں شرور پھیل پڑتے ہیں تو قدرتاً انسان کا اس عالم سے عالمِ رویا (خواب) میں جانیکو جی چاہتا ہے اور اس کو اس عالم سے بیخبر کر دیا جاتا ہے اور درندوں اور بہائم وغیرہ کا مادّہ چونکہ ظلمانی ہے اور اُن کو نور سے نفرت ہے اسلئے جب شب کی تاریکیاں اُمنڈ اُمنڈ کر عالم کو گھیر لیتی ہیں تو اس قسم کے شیطنت کے مادّی پیکر سباع و بہائم اور شیاطین الانس چور ڈاکو وغیرہ نکل پڑتے ہیں یہ علیحدہ بات ہے کہ کوئی انسان شب کو آرام نہ کرے اور جانوروں کی مانند صبح کو سو رہے مگر قدرت تو نورِ دن ہی کا کاروبار کی مُوید ہے اور تاریکی میں انسان کیلئے استراحت چاہتی ہو اسلئے جب انسان کو حسّی و معنوی ظاہری یا باطنی تاریکیاں گھیر لیں اور اسپر ہجوم کر آئیں تو اسکے تدارک کے لئے پروردگار نے بندہ کو ربّ الفلق کی وہ نورانیت عطا کی جو اس اندھیری کے شر کو اسی طرح کافور کر دے جیسے نورِ آفتاب، شب کی تاریکیوں، کو محو کر دیتا ہے اور اُنپر غالب آجاتا ہے جس طرح عالمِ اجسام میں اندھیری

آتی ہے اور اس کا رفع کرنے والا وہی قادرِ مطلق ہے اسی طرح جب روحِ انسانی پر یہ کالی گھٹا آوے تو بتلا دیا گیا کہ اس کا رفع کرنیوالا بھی وہی رَبُّ الفلق ہے کسی بندہ کے قبضہ میں کچھ نہیں ہے اور بندہ کو اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ کہنے کے سوا چارہ ہی نہیں ہے۔

(۳) شر النفثت فی العقد | جس طرح ہر درخت کے لئے کچھ ناگہانی آفات ہیں جو اسکے نشو و ارتقاء پر اچانک چھاپہ مارتی ہیں اور اسکے خرمنِ حیات و توقعات کو ملیامیٹ کر دیتی ہیں اسی طرح انسان کے لئے بھی امراض وبائیہ، سحر و اعمالِ سفلیہ، طغیانی و آتشزدگی، نظرِ بد کا لگجانا وغیرہ ایسے ناگہانی مصائب و آفات ہیں جو انسان کے فہم و ادراک، عقل و شعور کو معطّل اور کبھی اسکو ہلاکت میں ڈالدیتی ہیں اور نفوسِ خبیثہ کا شر اور اُن کا توسّل بسا اوقات انسان کو ضلالت و گمراہی میں ڈالدیتا ہے اور شیطانی کلمات کا چھپنا دلوں کی نورانیت کو زائل کر دیتا ہے اور باطنی تاریکی کا اثر انسان کے اعمال و افعال میں اور اسکی نظروں میں نمودار ہونے لگتا ہے۔ اس قسم کی ناگہانی آفتیں جو دل و دماغ پر مستولی ہو کر اکثر اثراتِ شیطانیہ کے لانے کا باعث بنجاتی ہیں اور جو شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ سے مستنبط ہیں اُن سب سے انسان کے رَبّ نے تعوذ کی تعلیم دی۔

## تنبیہ اول

چونکہ سحر اور علومِ سفلیہ کیطرف بہ نسبت مَردوں کے عورتوں کا رجحانِ طبعی زیادہ ہوتا ہے اور ان اثراتِ ناقصہ سے زیادہ تر اعتقاد ناقصات العقل ہی کو ہوتا ہے مَردوں کو رغبت دلانا اور ایسے مَردوں کا عورتوں کے کہنے میں آ کر خود بھی اُنہیں جیسا بنجانا یہ سب اُمور اکثر و بیشتر عورتوں ہی کا کام ہوتا ہے اور مقصد ان اعمالِ غیر محمودہ سے یہ ہوتا ہے کہ جو نا روا مطلوب ہے، ان اعمال کی تاثیر و تسخیر سے وہ حاصل ہو جائے یعنی طالب کے منشائے موافق مطلوب اسکا پابند اور اسکے سامنے عاجز ہو جائے لیکن طالب کی اس پوشیدہ سعی کا علم بھی مطلوب کو نہ ہو اسلئے یہ شر علاوہ متعدّی ہونیکے پوشیدہ بھی ہے اور اُسمیں ہمزات الشیاطین جنّات و موکلین کے ذریعہ سے مقصد بر آری کیجاتی ہے جو بسا اوقات مخرب نظمِ عالم ہوتی ہیں اور جھاڑ پھونک تعویذ گنڈوں میں اس قسم کا غلو بسا اوقات شرک کی طرف پہونچا دیتا ہے اور انسان انہی تاثیرات کو مؤثر حقیقی کے درجہ میں سمجھنے لگتا ہے اسلئے حق تعالیٰ شانہٗ نے اِس شر کی اضافت باعتبار کثرتِ شغف کے عورتوں ہی کیطرف فرمائی اور ایسے ناگہانی اثراتِ خبیثہ سے تعوّذ سکھلایا اور اس رجسِ عمل سے جسکی وجہ سے انسان کا دل مکدّر ہو چکا تھا تعوّذ کی نورانیت سے اسکو پاک فرما دیا کیونکہ قلبِ انسان ہی وہ منبعِ خیر و شر ہے کہ اس کی درستگی پر دُنیا

و آخرت دونوں میں انسان سرخروئی اور نجات حاصل کرتا ہے اور سارے افعال و اعمال درست ہو جاتے ہیں اور اس کے بگڑنے ہی سے دُنیا و عقبیٰ میں ذلّت اور تمام اعمال و افعال میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ ۔ الحدیث ۔

## تنبیہ دوم

شرور خفیہ سے استعاذہ کی حکمت

شرور مخفیہ چونکہ شرور ظاہریہ سے زیادہ خطرناک اور مضرت میں شدید ہوتے ہیں اسلئے استعاذہ شرور میں انہی کو لیا گیا ظاہر ہے کہ جب ان سے استعاذہ ہو جائیگا تو شرور ظاہری سے خود بخود ہو جائیگا جس طرح جسم و روح میں اصل روح ہے اور بوجہ مخفی ہونے کے اسی کو جسم پر کرامت و فوقیت ہے اسی طرح شرورِ ظاہری پر شرورِ مخفیہ کو باعتبار اُن کی اثرات کی شدت کے فوقیت ہے کسی کھیتی کو پانی نہ دینا جس طرح اُس کے حق میں شر ہے اور ہر شخص کو یہ شر محسوس ہے اور کسی کا زہر کھا لینا جس طرح اُس کیلئے قاطع حیات ہے اور یہ غلط استعمال ایک کھلا ہوا شر ہے اسلئے اس قسم کے شرور کو حق تعالیٰ نے ذکر نہیں فرمایا ان سے تو اکثر انسان خود ہی احتراز کیا کرتے ہیں البتہ معوّذتین میں صرف وہی ارادی و غیر ارادی شرور مذکور ہوئے ہیں جو پوشیدہ شرورِ کائنات کا خلاصہ اور اُسکے مغز تھے اور بوجہ پوشیدگی کے جنکے مضرات کو بآسانی سمجھنے سے انسان قاصر تھے

(۴) وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ٥

جیسے درخت کے برگ و بار کاٹ ڈالنے والا یا اُسکو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے والا مخرب عالم نباتات کہلاتا ہے اور درخت و باغبان دونوں کا بدخواہ و حاسد تصوّر کیا جاتا ہے اور درخت کی صورتِ نوعیہ کو قبل از کمالِ طبعی معدوم کر دینے والا مفسد کہلاتا ہے اور ایسا کیا جانا درخت کے حق میں اس وجہ سے از قسم کم نصیبی ہے کہ وہ اپنے وجود سے اپنے مالک کو کوئی نفع نہ پہونچا سکا اسی طرح وہ انسان جسکے حاسد اور دشمن اسکو اپنے مقاصدِ دُنیوی میں عاجز اور بدست و پا کر دیں اُسکے کاروبار میں دراندازہو کر چلتے ہوئے کام میں روڑے اٹکائیں بات بات پر نکتہ چینی طرح طرح سے عیب جوئی کریں عزت و ذلت جس کا عطا کرنے والا اور سلب کرنے والا صرف علام الغیوب ہی ہے جو دلوں کے مخفی بھیدوں کو اور ہر ایک کی نیت کو میزانِ نور پر پرکھتا ہے جب انسان کسی کی عزت چھیننے لگیں یا کسی غیر عزیز کو عزیز بنانے لگیں تو اس قسم کا انسان بھی اپنے حاسدوں اور شیاطین الانس کی لپیٹ دار مکاریوں اور اُن کے چشم زخم، و نگاہِ بد سے ناکام و نامراد ہی رہیگا جب تک خداوندِ عالم کی پناہ نہ پکڑیگا اسلئے اس پوشیدہ مگر بدیہی الآثار شر سے انسان کو رب الفلق نے

تعوذ سکھلایا اور اشارہ فرمایا کہ حاسد کے حسد کی آگ اور اسکی لپٹوں سے محسود کی ملکیت و نورانیت کو جھلسنے سے اسی رب الفلق کی نورانیت بچا سکتی ہے جو انقلاب ماہیت پر قادر ہے اور اس دُکھ دینے والے کے دُکھ سے اور اس سوزش قلبی پر نور کی بارش سے وہی ٹھنڈک ڈال سکتا ہے جو حاسد کے دل کی کلوں پر قبضہ پائے ہوئے ہے اسلئے حاسد کے اس شر عظیم سے تعوذ سکھلا کر حق تعالیٰ نے اپنے بندے کو اپنی آغوش نور میں چھپا لیا جو اپنی قلبی حسد کی اس کیفیت ناری کو ضبط نہ کرتے ہوئے ذرات محسود کو پریشان کئے رہتا ہے

(**تنبیہ**) جسقدر بھی عالم میں شر پائے جاتے ہیں اُن میں سب سے بڑھکر حسد ہے **حدیث شریف** میں ہے کہ سب سے پہلا گناہ جو آسمان پر ہوا وہ شیطان کا حسد آدمؑ پر تھا اور سب سے پہلا زمین پر جو گناہ ہوا وہ قابیل کا حسد ہابیل پر تھا۔ پھر شر کی بھی دو صورتیں ہیں بعضے شر تو ارادی ہوتے ہیں جیسے سحر، قتل و غارت کشت و خون، لوٹ مار، وغیرہ۔ اور بعضے غیر ارادی جیسے غرقابی یا آتش زدگی وغیرہ۔ سو شر ما خلق اور شر غاسق سے تو غیر ارادی و غیر اختیاری شر مراد ہیں اور شر النفثت فی العقد اور شر حاسد اذا حسد سے ارادی اور اختیاری شر مراد ہیں ان میں اعظم ترین شر حسد ہے کیونکہ یہ ایک پوشیدہ چیز ہے جسکی بسا اوقات انسان کو خبر نہیں ہوتی اور بعض اوقات انسان حسد حاسد کو تاڑ لیتا ہے اور دل کو اُسے یقین ہوتا ہے مگر چونکہ حسد ایک غیر مرئی چیز ہے اگرچہ اسکے آثار ضروری بدیہی ہیں اسلئے انسان اکثر حجت قائم نہیں کر سکتا اور جبکہ حسد کے ساتھ تلبیس و نفاق جیسے کیفیات نامحمودہ کا بھی اضافہ ہو جائے تو پھر تو یہ مرتبہ حسد شیطنت کا بہت ہی گہرائی والا مرتبہ ہو جاتا ہے غرض حسد وہ بُری بلا ہے کہ خود حاسد کو بھی ہر قسم کی سعادات سے محروم کر دیتا ہے اور محسود کو بھی ذرات مبتلائے حسد رکھکر اس جانسوز مرض کے اثرات کا شکار کئے رہتا ہے حسد بیشتر مال و دولت پر یا عزت و وجاہت پر یا کمال ظاہری و باطنی پر ہوتا ہے۔ الغرض حاسد دوسرے کی بربادی میں اپنی بربادی کی بھی پرواہ نہیں کرتا اعاذنا اللہ منہ۔

(۵) شر الوسواس الخناس جس طرح درخت کے سویدائے قلب میں دیمک اور گھُن کا لگ جانا اس کے نشو و ارتقا کیلئے سم قاتل اور اُس کے وجود کے لئے سخت خطرناک ہے اسی طرح انسان کے جوہر انسانیت اور اُسکی ملکیت و روحانیت کو دل میں چوروں کی طرح گھُسکر کھانے اور چاٹنے والا دشمن شیطان ہے جو ذرات انسان کے دل کو ملکات فاضلہ اور اخلاق حسنہ سے خالی کرتا اور ہر وقت قلب پر خباثت کا القاء کرتا رہتا ہے

جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بحالتِ مغلوبیت انسان کی زبان بھی اپنی خبائث سے آلودہ ہو جاتی ہے اور سڑے ہوئے اثراتِ خبیثہ کا تعفّن و ثمرات ایسے انسان کی صحبت میں رہنے والوں کو مسموم کرتا رہتا ہے اور وہ اپنے مقابل لوگوں کو بُرے لفظوں اور بُری باتوں ہی سے منسوب کرتا رہتا ہے چنانچہ انسان کے دل کی شان بعینہٖ ایک فوارہ جیسی ہے جیسا حوض میں پانی ہوگا فوارہ سے ویسا ہی نکلیگا اگر ملاءِ اعلیٰ سے انسان کے دل پر انوار و علوم فائز ہونگے تو اُس کی زبان و دل کے فواروں سے مضامینِ عالیہ نکلیں گے جنکی خوشبو کے آگے مشک و گلاب کی خوشبوئیں بھی ہیچ ہیں وجہ اسکی یہ ہے کہ یہ خوشبوئیں تو وقتی اور عارضی ہوتی ہیں اور نورانیت و روحِ اعلیٰ کے علوم و کمالات کی خوشبو دائمی ہوتی ہے جو ہمیشہ روح کے ساتھ قائم رہتی ہے۔ چونکہ یہ پانچواں شر سورہ ناس میں بیان فرمایا گیا ہے اسلئے ہم دوسرے حصہ میں انشاءاللہ اسکو پورے بسط و انشراح سے سپردِ قلم کرینگے۔

**آفاتِ خمسہ سے تعوذ انسانی اور اُس کا نتیجہ**

جیسے مذکورہ بالا پانچ آفتوں سے باغبان درخت کی حفاظت کرتا ہے اور اُس کی دائمی نگہداشت سے ایک وہ وقت بھی درخت پر آتا ہے کہ اُس کی بہار کو باغبان ہزاروں روپیوں میں فروخت کر کے غنا کی دولت حاصل کرتا ہے اور اپنے زن و فرزند اور اپنے متعلقین کو درخت کی ان برکات و ثمرات سے متمتع کرتا ہے اور درخت کی یہ بہار اور اُس کا یہ شباب انسان کے حق میں خیر کثیر کا موجب ہوتا ہے اسی طرح انسان کا پالنے والا خداوند کارساز بھی اپنے عبادِ مخلصین کو ان پانچ آفتوں سے بچنے کے لئے تعوذ سکھلاتا ہے اور اُسکے سچے فرمانبردار بنکر خدا کی مدد سے ان آفات و مصائب پر غالب آکر آخر اپنے شجرِ ایمان و شجرِ وجود کو حدِ کمال پر پہونچاتے ہیں اور عالم کے لئے باعثِ سرفرازی و باعثِ برکت بنتے ہیں اور فرشتے ایسے بندوں کے لئے اپنے بازو جھکاتے ہیں اور دریا کی مچھلیاں ایسے مخلصین و صادقین کے بہارِ خلوص کے لئے دریا میں دُعا و استغفار کرتی ہیں اور خدا اور اُسکے رسول کا ہاتھ اُن کے سروں پر رہتا ہے اسی لئے عالم کی کوئی مصیبت اور اسباب کی کوئی گتھی انہیں پریشان و ہراساں نہیں بنا سکتی۔

**شرور کائنات کا قدر مشترک**

بہرحال شرورِ کائنات کا قدرِ مشترک ان چاروں پانچوں مذکورہ بالا آفتوں میں وہی مادّہ شیطانی ہے جو کبھی سباع و بہائم کی صورت میں آکر انسان کے لئے موجب ہلاکت بنتا ہے کبھی وبا، و سحر، آفاتِ ناگہانی کی صورت میں انسان کے لئے تکلیف دہ ہوتا ہے کبھی حاسد کے روپ میں شیطان انسان کو دُکھ دیتا ہے تو کبھی گمراہی و تنگدستی جیسی مصیبتوں میں پھنس جانے کا سبب ہو جاتا ہے

اور تباہی دارین کے گڑھوں میں جا پھینکتا ہے غرض نئی نئی شکلوں سے انسان کا پیچھا کر کے اُسکو خدا سے غافل اور اپنے سے مائل کرتا رہتا ہے اور اُسکی قوتِ ملکی کو عیب دار کرنے میں اپنی پوری سعی کام میں لاتا رہتا ہے۔

**تدارکِ شیطنت اور نسخۂ روحانی**

رسالہ ہذا میں جو آفات و امراض مذکور ہوئے اور جو پانچواں شعبہ عظیم و آفت روحانی مجملاً بیان بیان کیا گیا ہے اِن سب سے بچنے کی صورت صرف یہی ہے کہ انسان اُس کار ساز عالم اور ربّ البریّہ کی پناہ لے جسنے اپنی حکمتِ بالغہ سے خیر و شر کے درمیان سے اخلاص و انسانیت کا جوہر نکالکر بزم عالم کو آراستہ کیا اور شیاطین و ملائکہ کے وسط سے نوعِ انسانی کو ان کا مجموعہ بنا کر اور خلعتِ خلافتِ الٰہی و تاجِ کرامتِ عقل پہنا کر زمین پر اسے قابض و متصرف فرمایا پس چاہیئے کہ جسنے انسان کو بہائم اور فرشتوں سے امتیاز اور جامعیت عطا کی انسان ایسے ربِّ حق کو کبھی فراموش نہ کرے اور صراطِ مستقیم اور راہِ انسانیت کو کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑے اور اپنے مالک کی نظر میں عزیز و محبوب رہنے کے لئے اُسکی فرمانبرداری کا برابر خیال رکھے جس طرح انسان اپنے ابنائے جنس کی نظر میں عزت و رفعت پیدا کرنے کے لئے قیمتی سے قیمتی لباس فاخرہ پہنتا ہے اور اگر اسمیں کوئی داغ دھبہ لگ جاتا ہے تو فوراً ہی اسے اپنے خدام سے زائل کراتا ہے اسی طرح انسان کو چاہیئے کہ وہ ملک الناس کی نظرِ شاہانہ میں رفعت حاصل کرنے کے لئے اپنی ملکیت کو لباسِ تقویٰ سے مزیّن کرے اور اگر بمقتضائے بشریت نفسانیت، شیطانیت کا کوئی دھبہ اس لباس نورانی پر آجائے تو سرچشمۂ الوہیت و نبوّتِ محمدیؐ سے اسے پاک و صاف بنائے اور اپنی روحانیت و ملکیت کو اوجِ کمال پر پہونچانے کیلئے پاک کمائی اور راست بازی و راست گفتاری اختیار کرے خوراک کو نہ اسقدر بڑھائے کہ چوپاؤں کے مانند ہو جائے نہ اسقدر گھٹائے کہ رہبانیت اختیار کر لے اور اختلاطِ انام کو کم کرے بیفائدہ کلام سے مجتنب ہو اور مواظبتِ نوافل و مداومتِ فرائضِ اسلام کا برابر اہتمام رکھے اور اپنے تزکیۂ باطنی سے کسی آن غافل نہ ہو

**خواص معوذتین اور تقریر الیقین حق**

چونکہ عام طور سے معوذتین کے متعلق یہی مشہور ہے کہ ان سے صرف سحر کا ازالہ ہوتا ہی چنانچہ اکثر عملیات کی کتابوں میں یہی لکھا دیکھا گیا حالانکہ انکی صرف یہ ایک خاصیت لکھ دینا ان بے مثال آیات کی ایک قسم کی تنقیص کرنا ہے اسلئے مناسب معلوم ہوا کہ مجملاً ان کی لامتناہی تاثیرات اور جامع خواص کے متعلق بھی کچھ اصولی طور پر اشارہ کر دیا جائے سو اس بارہ میں یہ غرض ہے کہ جسقدر بھی آفات

وامراض جسمانی وروحانی انسان کو پیش آتے ہیں خواہ اُس میں سحر ہو یا امراض وبائیہ، شر حاسد ہو یا شیطانی وسوسے شرور کائنات ہوں یا افلاس و گمراہی انسان کو لاحق ہو یا نظر بد انسان کو لگ جائے ان سب کے لئے معوذتین کا ورد اور انکی تلاوت اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی باوجود ملأ اعلیٰ سے خاص تعلق رکھنے کے ہر قسم کی آفات وامراض اور شرور کائنات کے دفع کرنیکے لئے روزانہ بعد نماز عشا معوذتین کو پڑھکر اپنے تمام جسم پر دم فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی آپ نے استعاذہ کی تاکید فرمائی حدیث شریف میں ہے من احب السور الی اللہ قل اعوذ برب الفلق و اعوذ برب الناس یعنی قرآن مجید کی تمام سورتوں میں سورہ فلق اور سورہ ناس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ محبوب تھیں۔ جس سے یہ نتیجہ صاف نکلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی جب ان آیات ربانی کی ورد و تلاوت کو اپنے لئے اور اپنے خاندان اور امت کے لئے ضروری خیال فرماتے تھے تو آج وہ کون ہے جو ان سے مستغنی ہو۔

حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کچھ کسل وغیرہ ہوتا تو آپ پنے دونوں دست مبارک پر معوذتین پڑھکر اپنے دونوں ہاتھوں کو چہرۂ مبارک اور جسم مبارک پر دم فرماتے اور اس سے کسل وغیرہ دور ہو جاتا حضور علیہ السلام نے اپنے صحابہ کو بھی معوذتین کے ورد کی تلقین فرمائی ہے غرض تاثیر معوذتین ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کوئی مسلمان انکار نہیں کرسکتا اور جملہ امراض روحانی وجسمانی کے لئے یہ نسخہ الٰہی ایک ایسا مجرب نسخہ ہے کہ اگر کوئی اُسکو اختیار کرے تو یقیناً اُسکی زندگی ہر قسم کی آفات روحانی وجسمانی سے مامون و مصئون رہ سکتی ہے۔

عام طور سے جو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ معوذتین کی خاصیت یہ ہے کہ وہ محض دافع سحر ہیں یہ صحیح نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ تمام امراض ظاہری و باطنی میں اُن سے تعوذ و استمداد اور اُن کا ورد و تلاوت موجب شفا و کامرانی ہے چنانچہ یہ ایک کھلا ہوا تجربہ ہے کہ اگر کوئی شخص مغرب کی سنتوں میں معوذتین یعنی قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس کو پڑھنے کا التزام اور معمول کرلے تو ایسے شخص پر کسی قسم کا سحر مؤثر نہیں ہوتا اور ہر قسم کے شرور و فتن سے محفوظ رہتا ہے۔ ان سورتوں کا ایک نقش بھی اہل تجربہ نے لکھا ہے اگر اُسکو کسی ساعت سعید میں باوضو پاک وصاف جگہ میں زعفران یا اور کسی خوشبودار چیز سے لکھکر بازو پر باندھا جائے یا کسی مریض کو پلایا جائے تو انشاءاللہ شر و آفات اور ہر قسم کے

امراض سے انسان کو نجات حاصل ہوگی۔

## نقش معوذتین

نقش سورہ فلق

| ٢١٦١ | ٢١٧٥ | ٢١٧٢ | ٢١٦٩ |
| --- | --- | --- | --- |
| ٢١٧٣ | ٢١٦٨ | ٢١٦٢ | ٢١٧٤ |
| ٢١٦٧ | ٢١٧٠ | ٢١٧٧ | ٢١٦٣ |
| ٢١٧٦ | ٢١٤٤ | ٢١٦٦ | ٢١٧١ |

نقش سورہ ناس کے اعداد کل ۵٢٩٦

| ١٣١٦ | ١٣٣٠ | ١٣٢٧ | ١٣٢٣ |
| --- | --- | --- | --- |
| ١٣٢٨ | ١٣٢٢ | ١٣١٧ | ١٣٢٩ |
| ١٣٢١ | ١٣٢٥ | ١٣٣٢ | ١٣١٨ |
| ١٣٣١ | ١٣١٩ | ١٣٢٠ | ١٣٢٦ |

یہیں سے ایک نکتہ اور بھی حل ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہ جن لوگوں کا خون ہلکا اور لطیف ہوتا ہے اُنپر اکثر نظر بیٹھ جایا کرتی ہے جسکا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان بیکار محض ہو جاتا ہے حدیث شریف میں بھی فرمایا گیا ہے اَلْعَیْنُ حَقٌّ "جس کا حاصل یہی ہے کہ جب کسی روح میں ایک درجہ میں یکسوئی پیدا ہو جاتی ہے اور مسمریزم کی قوت اُسکے اندر ایک برقی رَو دَوڑا دینے کی اہلیت پیدا کر دیتی ہے یا کسی کی آنکھ میں خلقۃً و قدرتًا ایک ایسی تیزی ہوتی ہے کہ اگر وہ کسی چیز کو نظر بھر کے دیکھ لے تو وہ چیز اُسکے حلقۂ نظر میں جکڑ بند ہو جائے اور ایسی نظر ضرور مؤثر ہوا کرتی ہے اسلئے خداوند عالم نے ایسے وقت میں روح کو استعاذہ سکھلایا ہے تاکہ اسکا رُخ بجائے بہیمیت کی طرف کامل توجہ سے خدا کی طرف پھر جائے اور وہ مضرت منفعت کی صورت سے بدل جائے ایسے لوگوں کو چاہیئے کہ وہ روزانہ رات کو سوتے وقت اور صبح کو اُٹھتے وقت تین تین بار معوذتین کو پڑھکر دم کر لیا کریں بہت سے لوگوں کا تجربہ ہے کہ اس عمل سے ورد و مزاولت سے نہ انسان پر سحر مؤثر رہتا ہے نہ کسی کی نظر بد ہی اُسپر بیٹھ سکتی ہے۔ رہا یہ معمہ باطنی کہ روح کی توجہ ہلکے خون والوں پہ زیادہ کیوں اثر انداز ہوتی ہے اور اس کی شہادت عقل سلیم بھی دینے کو تیار ہے یا نہیں سو یہ بات بہت ہی واضح ہے اگر انسان ذرا بھی غور و تعمق سے کام لے تو اُس کو نظر آجائیگا کہ مخبر صادق صلے اللہ علیہ وسلم نے جو "اَلْعَیْنُ حَقٌّ" فرمایا ہے یہ ایک حقیقت واقعیہ ہے تخییل نہیں ہے تشریح اُس کی یہ ہے کہ روح انسانی کا کام ہی یہ ہے کہ جب تک وہ عالم اجسام میں مقید رہے اُسوقت تک وہ بہیمیت کے تمام مراتب میں مؤثر رہے 'غذا کا جزو بدن ہونا' یہ روح کی تدبیر لطیف ہی کا نتیجہ ہے اس سے خون بننا اور خون کا منی کی شکل میں آنا اسی کی تدبیر کا ثمرہ ہیں اور یہ بھی بقاعدۂ "اَلْجِنْسُ یَمِیْلُ اِلَی الْجِنْسِ" ظاہر ہے کہ جسقدر مادہ کے مراتب و درجات میں لطافت آتی جائیگی اُسی قدر روح کا میلان اور اُس کی توجہ اسکی جانب زیادہ ہوتی جائیگی۔ یہی وجہ ہے کہ جن کا خون ہلکا ہوتا ہے یعنی جن لوگوں کی بہیمیت کا سانچہ اور اُنکی ساخت نہایت نازک ہوتی ہے اور خون اُن کی رگوں میں ایسی ہی طرح خوشنما نظر آتا ہے جیسے کسی صاف و شفاف آئینہ میں مَے نظر آتا ہے یا شیشہ کی طرح میں آب رنگ ارغوان جھلکتی ہے تو اُنپر دوسری ارواح بھی ایسی ہی طرح میلان و توجہ کیا کرتی ہیں جیسے مقناطیس سے لوہے کی کشش وابستہ

ہوتی ہے پس جو لوگ العین حقٌ پر ایمان نہیں لاتے وہ درحقیقت فطرتِ سلیمہ کے رموز و حقائق پر مطلع نہیں یا
اور کیا اسکے بعد ایسی روح متوجہ الی البہیمیت کیلئے جسنے ایک دوسری روح کو اپنی طرف جکڑ بند کرکے اُسکی تمام تر
روحانی ترقیات کو روک دیا ہے عقلاً اسکی ضرورت نہیں ہو کہ ایسا جکڑ بند انسان خدا کی جناب میں اپنی فریاد کرتے
ہوئے کلماتِ ماثورہ اور آیاتِ معوذتین کی تلاوت کرکے ایسے قید و بند سے نجات حاصل کرے بیشک یہ مرض
جب عقل انسانی کو لگتا ہے تو اس کا علاج اور تدارک وحی ربانی ہی کرسکتی ہو اور بیشک معوذتین کے اثرات
نورانی جسکو روح انسانی کا روحانی محافظ کہنا بجا ہے وہی اس کے حقیقی محافظ بن سکتے ہیں۔ حق تعالیٰ ہر مسلمان
کو ان اثرات نورانیہ کے حصول کی توفیق بخشے آمین +

**سحر زدہ کے لئے معوذتین کا ایک مجرب عمل**

سحر انسان کے لئے جسقدر ایک ناگہانی آفت و مصیبت ہے، ظاہر ہے۔ سحر بیشتر انسان کی قوتِ متخیلہ پر اثر انداز ہوا کرتا ہے جس کے بگڑ جانے کی وجہ سے
انسان کا اندرونی نظام مختل ہوجاتا ہے اور مقصد بھی ساحر کا اکثر یہی ہوتا ہے کہ مسحور اپنے مقاصد
وغیرہ میں کامیابی نہ حاصل کرسکے۔ قوتِ متخیلہ انسان کے اندر قدرت نے وہ زبردست قوت پیدا
کی ہے کہ انسان کی صحت و سقم، قوت و ضعف کا دارومدار ہی اسپر ہے چنانچہ اسی قوت کے حد سے
زیادہ بگڑ جانے کا انجام موت ہو۔ اسی کی صحت و اعتدال کے لئے مختلف قسم کی تدابیر اور ترتیب حق تعالیٰ
کی طرف سے تجویز فرمائے گئے ہیں۔ علم تصوف کی غرض و غایة اور اُسکی تعریف بھی یہی ہے کہ انسان
کے خیال میں صحت و اعتدال پیدا ہوجائے ذکر و شغل کے ساتھ " تفکر فی الخلق " جو کرایا جاتا ہے اسکا
مقصد بھی یہ ہے کہ خیال میں وسعت و اعتدال پیدا ہو مسمریزم کا حاصل بھی اسی قدر ہو کہ انسان اپنی
متخیلہ میں جودت و قوت پیدا کرے اور اپنی روحانی قوت کو مجتمع اور فکری طاقت میں یکسوئی پیدا
کرے۔ چنانچہ بعضے ڈاکٹر تو آجکل علاج ہی قوتِ خیال سے کرنے لگے ہیں اور اُن کو اس بارہ میں
غیر معمولی کامیابی حاصل ہو رہی ہے وہ اپنے مریضوں کو دنرات مختلف دلنشین صورتوں سے یہی باور کراتے
ہیں کہ اب اُن کے مریض کی صحت روز بروز ترقی پر ہے اور دنرات مریض سے بھی اسی تصور کی مشق
کراتے ہیں کہ وہ بالکل اچھا ہے اُسکو کوئی شکایت نہیں۔ تنہائی میں خود مریض سے یہ کہلواتے ہیں
کہ اب میں بالکل اچھا ہوں اور ہر قسم کی قوت مجھ میں موجود ہے۔

الغرض الوہم خلاق ایک حقیقت ہو اور قوتِ متخیلہ انسان کی صحت و فساد میں خاص اہمیت

رکھتی ہے۔ اور کلام انسانی کو اسمیں بڑا دخل ہے اور جبکہ کلام انسانی کے اثرات کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے کو اچھا کہنے لگے تو اچھا ہونے لگتا ہے اور مریض سمجھے تو بیمار ہو جاتا ہے تو عقلاً و شرعاً اس کی تسلیم میں کسی فہیم کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ قوتِ متخیلہ کے ساتھ اگر کلام ربانی کی برکات شامل حال رہیں اور یہ قوت تعوذِ الٰہی کے ماتحت اگر کار فرما ہو تو نہ شرورِ کائنات ہی اسپر حاوی ہو سکتے ہیں نہ انسان کی قوتِ متخیلہ ہی پھر کسی علوی یا سفلی اثر سے مرعوب و مسحور ہو سکتی ہے اور جو آیاتِ استعاذہ خاص الٰہی مقاصد کے لئے نازل کی گئی ہیں ان کے قطعی الاثر ہونے میں تو کسی قیل وقال کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اور ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جسقدر بھی شرورِ کائنات کی نوعیتیں ہو سکتی ہیں خواہ وہ عالمِ ظاہر سے متعلق ہوں یا عالمِ باطن سے، مفرد ہوں یا مرکب ہوں، غرض جس نوعیت سے بھی مادہ کے اقتران کی وجہ سے روحِ انسانی شر سے ملوث ہو سکتی ہے قرآنِ حکیم نے اسی انداز و مقدار اور اسی نوعیت سے اپنے انوارِ ساطعہ اور تجلیاتِ ملکوتی ولاہوتی سے روحِ انسانی کی پاکی کا سامان کیا ہے اور یہ کلامِ پاک ارواحِ مقیدہ کی پاکی کے لئے بمنزلہ ایک دریائے ذخار کے ہے جو قیامت تک خشک ہونے والا نہیں اسی لئے دلوں کو پاک کرنے والے اسی دریائے بے پایان کے مختلف گھاٹوں سے ناپاک روحوں کو پاک کرتے اور دلوں کو دھوتے ہیں اور یہ بعینہٖ ایسا ہی نظام ہے جیسے کپڑوں اور جسموں کے دھونے کا دنیا میں نظام قائم ہے جیسے دنیا میں یہ ممکن نہیں کہ محتاط سے محتاط شخص کو بھی اپنے کپڑوں کے دھونے اور دھلوانے کی ضرورت نہ ہو اور نہ ہی یہ ہو سکتا ہے کہ عالم کا گرد و غبار جسموں اور کپڑوں کو میلا نہ کرے اسی طرح عالمِ امر سے جن ارواحِ مجردہ کو خدا سبحانہ و تعالیٰ نے جسمِ خاکی میں مقید فرما دیا ہے ناممکن ہے کہ مادہ کی ظلمت و شر اور اُس کے گرد و غبار سے ارواحِ سفلیہ محفوظ رہ سکیں اور انہیں دریائے تقدیس و تنزیہ سے پاکی کی ضرورت نہ ہو۔ اسی لئے قرآنِ حکیم کے انوار اور تعوذ کی ارواحِ مقیدہ کو ضرورت ہوئی۔ کیونکہ جب تمام مخلوق ظلماتِ عدم کے غیر متناہی پردوں کو چاک کرتے ہوئے سطحِ وجود پر آئی ہے تو یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ظلمتِ عدم کا اثر اُن میں نہ آتا۔ پھر زمین کی مخلوق کا اجسامِ عنصریہ سے بھی چونکہ اقتران ہوا ہے اسلئے عدم کی ظلمت اپنی مخلوق کا ساتھ تو چھوڑ ہی نہیں سکتی تھی۔ جیسے آپ کسی دریا کی تہ میں سے جب غوطہ لگا کر باہر آتے ہیں تو ممکن نہیں کہ پانی کا اثر آپ کے جسم پر نہ ہو۔ اسی طرح دریائے عدم کی تہ سے باہر آنے والی مخلوق کی عدم سے مناسبت سمجھئے اسی وجہ سے جو مخلوق

مادۂ عنصری سے بھی مقترن نہیں اُسکو بھی تسبیح اور تقدیسِ رب کی ضرورت ہوئی اور مادّہ سے مقترن مخلوق کو تسبیح و تقدیس کے ساتھ استعاذہ کی بھی ضرورت ہوئی۔

بہرحال جن لوگوں پر سفلی اعمال کا اثر ہو یا اُنپر سحر کیا گیا ہو یا کوئی اَور علوی عمل انسان پر مسلّط ہو ایسے مریضوں کے لئے ہمکو اپنے ایک علم دوست فاضل سے ایک مجرب عمل معلوم ہوا ہے جو بہت مختصر مگر کامیاب اور آزمودہ عمل ہے ضرور تجربہ کر کے دیکھا جائے۔ انشاء اللہ کلّی نجات حاصل ہوگی۔

عمل یہ ہے۔ اتوار کے روز طلوعِ آفتاب کے وقت ننگے پیروں زمین پر کھڑے ہو کر تین تین مرتبہ اول و آخر درود شریف کے ساتھ "قُل اعوذ برب الفلق" اور "قُل اعوذ برب الناس" پوری پڑھیں اور پڑھکر اپنے پیروں کے نیچے کی مٹی لیکر ایک انگیٹھی میں جو پہلے سے سلگا دی گئی ہو جلا دیں انشاء اللہ کیسا ہی سحر وغیرہ کا اثر ہو جاتا رہیگا۔ مگر اعتقادِ قلبی شرط ہے اور وقتِ عمل یہ تصور کیا جائے کہ جو اثراتِ سحر وغیرہ کے میرے جسم میں ہیں وہ سب پیروں کی جانب زمین میں جذب ہوتے جا رہے ہیں۔ گویا علمِ ہیئت کی رو سے اس عملِ معوّذتین کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ نورانی اور جلالی آیتیں شمس کی جلالی حکومت میں جب پڑھی جائینگی تو جلالِ خداوندی کی یہ دونوں کیفیتیں ملکر انسان کی قوتِ متخیلہ و قوتِ طبعیہ میں جو روگ لگ گیا ہے اس میل اور کثافت کو ایسی ہی طرح صاف کردینگی جیسے بھٹی میں سونے کو تپانے سے سونے کا میل صاف ہو جاتا ہے اور انسان کی روح اور اُسکی قوتِ متخیلہ آثارِ شیطانی سے ایسی ہی طرح نکھر جائیگی جس طرح سونا بھٹی میں تپنے سے نکھر جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(نوٹ) اگر اس عمل سے صاحبانِ ضرورت کو نفع پہنچے تو احقر کو بھی دعائے خیر میں فراموش نہ کیا جائے۔ بلکہ تعب نہ ہو تو اطلاع دیکر مسرور بھی فرمایا جائے۔

خاکسار

طاہر بن احمد القاسمی

کان اللہ لہٗ

# حقیقتِ سحر

"یہ عنوان علمی دنیا میں جسقدر دقیق اور خامہ فرسائی کے لئے جیسی سنگلاخ زمین سمجھی گئی ہے حضرات مبصرین اُس سے ناواقف نہیں مگر معوذتین کے نزول میں سحر کو چونکہ خاص طور پر دخل ہے اسلئے مضامین معوذتین کی تشریح کے سلسلہ میں سحر کی حقیقت و ماہیت پر کچھ نہ کچھ روشنی ڈالنا بھی ہمارا ایک اہم فریضہ ہے بالخصوص ایسی صورت میں کہ ایک گروہ قدیم ہی سے سحر کا منکر چلا آتا ہے اور اسکو تخیل محض سے تعبیر کرتا ہے اور اس زمانہ کے روشن خیال اصحاب کا تو ذکر ہی کیا ہے ان کے یہاں تو خدا اور رسول کا وجود ہی سرے سے ایک خیالی قصہ ہے سحر تو بھلا پھر سحر ہی ہے اسلئے بنام خدا جو کچھ اپنے فہم ناکارہ میں اس بارہ میں آیا ہوا ہے اور جہانتک رسائی فہم نارسا ہے اسی کو علیم و حکیم کی رحمت و مدد کے بھروسہ پر پیش کرتا ہوں اگر زندگی باقی ہے اور اس رسالہ کا چھپکر ختم ہونا مقدر ہے تو طبع ثانی میں انشاء اللہ اس بحث کے تشنہ پہلو بھی واضح کر دئے جائیں گے اگرچہ نفس سحر کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے طالب کے لئے کافی شافی ہے تاہم امام ابن تیمیہ کا رسالہ "**النبوات**" جسمیں سحر کے متعلق مفصل و مکمل بحث کی گئی ہے جو افسوس ہے کہ ہمیں اسوقت دستیاب نہ ہوسکا اگر وہ مل گیا تو طبع ثانی میں اسکے لطائف بھی مضمون ہذا میں انشاء اللہ شامل کئے جاوینگے۔"

## تمہید

بہرحال حقیقتِ سحر پر روشنی ڈالنے کے لئے بطور تمہید اوّلاً اسقدر عرض ہے کہ چونکہ اس عالم میں خیر و شر دونوں کا وجود ایک دوسرے کے ساتھ توأم ہے اور اُن کے وجود سے کوئی انکار نہیں کرسکتا اسلئے باعتبار شہادت عقل و نقل خیر و شر کے مظاہر بھی تین ہی قسم کے ہونگے اول وہ مخلوق اور مظاہر جنمیں خیر ہی خیر ہو شر کا شائبہ اور اُسکا گذر نہ ہو دوسرے وہ مخلوق اور مظاہر جو خیر و شر دونوں کا مجموعہ ہوں سو اہلِ ادراک کو معلوم ہے کہ اصطلاح دین قیم میں ایسے مظاہر کو جنمیں خیر کے سوا کچھ نہیں ملائکۃ الرحمٰن کہتے ہیں اور مظاہر شر کو شیاطین و جنات سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ان دونوں کے مجموعہ کو انسان کہتے ہیں اور جبکہ صورت حال یہ ہے کہ باعتبار خیر و شر کے مخلوق تین حصوں پر

منقسم ہے۔

انسان عادۃً مرکب مخلوق ہی کو دیکھ سکتا ہے

اور ان ہی سے انسان ہر دو مخلوق کا خلاصہ اور روح وجسم کا مجموعہ ہے اور یہ متضاد عناصر ارادہ وقدرت کے ساتھ انسان میں محض آزمائش خداوندی کے لئے جمع ہوئے ہیں تو یہ حقیقت بھی واجب التسلیم ہوگی کہ عادۃً اس عالم میں انسان کو صرف وہی مخلوق محسوس اور مرئی ہوگی جو روح اور مادہ دونوں سے ترکیب یافتہ ہو یعنی نہ مظاہر خیر محض اسکو محسوس ہونگے نہ مظاہر شر محض اسکو دکھلائی دیں گے بلکہ ایمان بالغیب کی حکمت کو باقی رکھنے کے لئے اس مرکب عالم میں حواس خمسہ اسی مرکب مخلوق کو ادراک کرینگے جو ذی جسم اور روح ومادہ سے ترکیب یافتہ ہو کیونکہ جیسے آنکھ کی پتلی کا نقطہ نورانی باوجود زمین وآسمان اور کائنات کے ہر ایک ذرہ کو دیکھنے کی اہلیت رکھنے کے یہ قدرت ہرگز نہیں رکھتا کہ وہ اپنے حلقہ کی سیاہی وسپیدی کو خود بھی دیکھ سکے یا اپنے دیکھنے کا آئینہ بحالت موجودہ خود بن سکے چنانچہ جب تک کوئی صاف وشفاف آئینہ اس نقطۂ نورانی کے بالمقابل نہ آجاوے اسوقت تک اسکو اختیار نہیں ہوتا کہ وہ اپنا مشاہدہ خود کر سکے اور اس آنکھ کی پتلی کو اپنی شکل وصورت کے دیکھنے سے پہلے پہلے اسپر ایمان بالغیب لانا ضروری تھا کہ وہ اپنے وجود میں نور وظلمت دونوں کی احتیاج رکھتی ہے اسی طرح انسان بھی اس عالم خیر وشر میں شیاطین وجنات کو اپنی اگلی اور پچھلی نسل کی طرح جب تک نہیں دیکھ سکتا جب تک جمال خداوندی کا آئینہ اور ماضی ومستقبل کا لہریں مارتا ہوا زمانہ بیک وقت اُس کے سامنے موجود نہ ہوسکیں جیسے آنکھ کے سامنے آئینہ کے آجانے سے کوئی نور چشم اپنی آنکھ کی سیاہی وسپیدی سے انکار نہیں کر سکتا اسی طرح حضرت انسان آئینۂ علم الاولین والآخرین میں اپنی ترکیب نوعی کو دیکھکر ملائکہ اور اُن کے بالمقابل مخلوق یعنی شیاطین کے وجود کا بھی منکر نہیں ہوسکتا۔

مخلوقِ ثلاثہ کے علوم ثلاثہ

غرض جبکہ یؤمنون بالغیب کی حکمت اور انسان جیسے مرکب مخلوق کے وجود سے اہل دانش وفراست نے دو قسم کی جُداگانہ مخلوق کا پتہ چلالیا تو اسی کے بعد اسکا اقرار بھی کرنا پڑیگا کہ ہر سہ مخلوق کا علم بھی ایک دوسرے سے جداگانہ ہوگا اور ہر ایک کی تاثیر ایک دوسرے سے مختلف اور ایک کا اثر دوسرے کے لئے مزاحم ہوگا یعنی فرشتوں کا علم خیر محض ہوگا تو جنات وشیاطین کے علوم میں شر ہوگا اور انسان کے علوم میں دونوں کا ظہور ہوگا یہی سبب ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کا علم "خیر اور سعادت" کے جملہ راستوں کو کھول دیتا ہے اور اس علم کے الفاظ ومعانی اور اُن کی ترکیبیں نورانی ہوتی ہیں اور اپنی تاثیرات نورانیہ سے

۳

توسل الی اللہ و نعوذ باللہ کی کیفیات محمودہ پیدا کرتی ہیں تو شیاطین کا علم شقاوت و شرور کی تمام راہیں بتلاتا ہے اور ان کے الفاظ و معانی اور ترکیبیں دونوں ظلماتی ہوتی ہیں جو اپنے اثرات ناری و دخانی سے قلب انسان میں قساوت و تیرگی پیدا کرتی ہیں اور حجاب ظلمات بعضہا فوق بعض کیطرح دل پر مسلط ہو جاتے ہیں

علم قرآن اور علم سحر کا تعلق نظم عالم سے

اور انسان کا آلۂ عقل و ادراک ان دونوں ظلمانی و نورانی مخلوق سے خیر و شر کو کھینچتا رہتا ہے پس جیسے خالق کائنات کی طرف سے انسان کی آزمائش اور حجت کے لئے اسپر علم قرآن نازل کیا گیا ہے اور یہ علم نورانی عالم کے استحکام و استواری اور نظام انسانیت کی پائیداری کیلئے اسکو مصلحانہ و حکیمانہ طریق پر غلبہ و اقتدار و تمکین فی الارض دلانے کے لئے عطا کیا گیا ہے تاکہ انسان ارادہ و قدرت کے ساتھ نیک و بد میں امتیازی راہ نکالکر دنیا و عقبیٰ میں مقصود حیات پالے اسی طرح حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے انسان جیسے اسیر حرص و ہوا عاجز و لاچار کو قدرت و قوت کی بھول بھلیاں دکھلانے اور اسکی آزمائش کرنیکے لئے ہاروت و ماروت کے ذریعہ سے اسپر علم سحر بھی اُتارا گیا ہے جسکے سیکھنے اور حاصل کرنے سے انسان کو نظم کائنات میں باعانت جنات و شیاطین و ارواح علوی و سفلی ایسا غیر مقصود کمال اور نامحمود تصرف حاصل ہو جاتا ہے جس سے عجیب و غریب ہوشربا کرشمے انسان دکھلا کر اپنے ابنائے جنس کو اس علم کی باطلانہ خوشنمائیوں کے جال میں پھانس کر گمراہ کر دیتا ہے اور بادی النظر میں سحر معجزہ و کرامت کے ہمشکل معلوم ہونے لگتا ہے یہی وجہ ہے کہ بہت سے موحد شرک میں مبتلا ہو کر اپنا ایمان کھو بیٹھتے ہیں۔

علم سحر کا ماہر دجال اکبر ہے

اور غالباً یہی قوت سحر خاتم سلطنت یعنی دجال اکبر کے پاس بمقابلہ دین حضرت خاتم نبوت ہوگی جسکی باطلانہ قوت و شوکت کے دام تزویر میں ہزاروں کلمہ گو مبتلائے فریب ہو کر پھنس جاوینگے لیکن جو پختہ کار راسخ الایمان مسلمان ہونگے وہ اس فریب کی طرف ادنیٰ التفات بھی نکرینگے

خیر و شر کا اختلاط اور آزمایش خداوندی

رہی خیر و شر کی یہ مخلوط آزمایش خداوندی اور اس قسم کے علوم کا دنیا میں ظاہر ہونا سو یہ کوئی خلاف فطرت آزمایش نہیں دنیا میں روزانہ ہم اس قسم کی آزمائشیں اپنے زیر دستوں کی کیا کرتے ہیں چنانچہ ایک آقا جب اپنے نوکر کو آزماتا ہے تو بسا اوقات اپنے خزانہ کی تجوریوں کا منہ کھلا چھوڑ دیتا ہے کبھی بہت سا روپیہ اپنے مکان میں کھلے طور پر ڈالکر چلا جاتا ہے اور آزماتا ہے کہ دیکھوں میرا غلام یہ روپیہ مجھے دیتا ہے یا اپنی جیب میں رکھتا ہے سو غور کرنے کی بات اس میں یہ ہے کہ یہ روپیہ مالک کے حق میں تو سراسر موجب رحمت ہی ہوتا ہے البتہ غلام کی دیانت و امانت کی آزمایش کے لحاظ سے یہ روپیہ

اسکے حق میں باعثِ خیر بھی ہے اور باعثِ شر بھی کیونکہ اگر یہ روپیہ غلام نے ازراہِ خیانت چپکے سے اُٹھا کر جیب میں رکھ لیا تو ظاہر ہے کہ اس کا انجام اسکے حق میں حیلجانہ کا عذاب ہی ہوگا اور امانتداری کی صورت میں اسکا ثمرہ یقیناً غلام کے لئے آقا کی رضا و خوشنودی ہوگی اور مراتبِ اعتماد اُسکو حاصل ہونگے۔ اسی طرح علم سحر کے اندر جو کچھ بھی قوتیں ودیعت کیگئی ہیں اور انسان کے سامنے اُن کو ظاہر کیا گیا ہے وہ اسی لئے کہ دیکھیں انسان اُن کو مقصودِ حیات قرار دیکر اپنے کو ملأ اعلیٰ میں نادان کہلواتا ہے یا اُس کو مضر سمجھکر اپنے کو یگانہ و فرزانہ کہلواتا ہے۔

علم نافع اور علم مضر اور عالم کے لئے اُن کی موزونیت

الغرض خداوند عالم کی طرف سے اس عالم میں الفاظ و حروف کے سانچوں میں دو قسم کے علم پیدا کئے گئے ہیں ایک علم نافع جس سے عالم کی فلاح و بہبود وابستہ ہے اور دوسرا علم مضر جس سے عالم کے اجزاء کی تحلیل و تفریق ہوتی ہے۔ علم نافع کا مخزن و سرچشمہ ذات باری تعالیٰ ہے تو علم مضر کا مخزن و مرکز شیطان ہے اور یہ دونوں علم عالم کے اعتبار سے بعینہٖ وہی مثال رکھتے ہیں جیسے کسی مہجبین کی کتاب لبشریت پر خطِ جوانی باعثِ زیب و زینت ہوتا ہے اور عالم الفاظ و حروف کی یہ دونوں الہامی ترکیبیں بعینہٖ وہی شکل رکھتی ہیں جیسے عالم شہادت میں دن اور رات کی صورت ہوا کرتی ہے۔ یہ علیحدٰہ بات ہے کہ انسان کے شخصی احوال میں تضاد کی وجہ سے یہ علم سحر کبھی انجذابِ شیطنت کا سبب بنکر اس کے لئے ہلاکت و ضلالت کا موجب بنجائے اور کبھی اجتناب و پرہیزگاری کا بہانہ بنکر رحمتِ الٰہی کو کھینچنے کا ذریعہ ہوجائے عسٰے ان تکرھوا شیئًا وھو کرہ لکم و عسٰے ان تحبوا شیئًا وھو شر لکم لیکن مجموعۂ عالم کے لحاظ سے رات کی طرح علم سحر بھی سراسر رحمت الٰہی ہی ہے۔

تعلیم سحر کا نتیجہ

غرض جبکہ مدارِ کمالِ خیر و شر دونوں صورتوں میں علم کا حصول ہی ٹھیرا اور اسی سے انسان عالم کی بھلی اور بُری راہوں میں جذبِ انجذاب پیدا کرسکتا ہے سفلی مخلوق سے بھی اپنے تعلقات و مراسم علم کے بعد ہی قائم کرسکتا ہے اور کواکب و سیارات اور علوی مخلوق سے تعلق بھی علم کے بعد ہی ممکن ہے تو جیسے دنیا کی مختلف اقوام سے تعلقات و معاملات قائم کرنیکے لئے یہ عالم دستور ہے کہ جب کسی قوم میں کوئی قوم جذب ہوا کرتی ہے تو مغلوب قوم غالب قوم کے وضع و طریق کو الناس علٰے دین ملوکھم کی فطری رفتار کے موافق اختیار کیا کرتی ہے اور اپنے کو اس قوم کی نظر میں عزیز و محبوب بنانے کے لئے اُسی کی زبان و علوم کو اپنی زبان و علم قرار دیا کرتی ہے چنانچہ جب تک کسی قوم کی زبان اور علم و تمدن سے واقفیت نہ ہو اُس وقت تک اُس قوم سے

۴

کوئی قوت و مدد نہیں مل سکتی اسی طرح انسان کے شیاطین سے روابط و مراسم اور موالات و تعلقات بھی اُسی وقت حدِ کمال کو پہونچتے ہیں جب انسان ملائکہ کی زبان کو ترک کرتے ہوئے اور علم حق کی آواز تک سننے کا عہد باندھتے ہوئے جملہ آداب شیاطین و نذر و نیاز موکلین بجالا کر کے شیاطین کے اسماء بصد تعظیم و توصیف وردِ زبان کرتا ہے اور ہر قسم کی ناپاکیوں میں ملوث رہتے ہوئے اور پاکی سے کلی اجتناب و احتراز کرتے ہوئے چند ایسے مہمل ظلمانی کلمات اور ایسے متشدد، غیر فصیح، بے معنے جملے لسانِ ناطق پر جاری کرتا ہے جس سے ہمزاد موکلین جنات و شیاطین اسکے گہرے دوست بنجاتے ہیں یا مثلاً انسان علم نجوم میں غلو کرتے ہوئے علم الحساب کی مدد سے نحس ستاروں کے اوقات و کیفیاتِ تاثیرات و باہمی تعلقات میں استمداد کرے اور انکی تاثیرات کو قلب میں راسخ کر کے اپنے ابنائے جنس کے اجسام وارواح پر ہر قسم کا تصرف اور قبضہ پالے علیٰ ہذا کلام ربّ العٰلمین کے فصیح و بلیغ اور بے ساخت ہلکے نورانی جملے اور اُن کی مجموعہ جامع ترکیبیں بھی اپنے اندر زمین و آسمان کی کل قوتیں اور ایک ایسا زبردست اثر رکھتی ہیں کہ انسان اگر بصدق نیت حضرت حق کی جناب میں مخلص للدین، مومن، قانت، مجاہد، بے نفس بنا کر اپنے کو پیش کر دے تو اللہ و رسول کا نورِ نظر بنجائے اور جنود رب کی جملہ طاقتیں اُس کے اشاروں پر کام کرنے لگیں اور بلا اعداد و شمار کے علم میں دردسری کئے ہوئے بلکہ نحن امی لا نحسب و لا نکتب کا فخریہ اعلان کرتے ہوئے انسان مسجودِ ملایک و افلاک بنجائے اور تمام مادی طاقتیں اسکے آگے سرنگوں ہو جائیں۔

**درجات علم الرحمٰن وعلم الشیطان**

جیسے علم الٰہی کے بہت سے درجات ہیں اور آخری مرتبہ ذات و صفات کی گہرائیوں اور پہنائیوں میں اُتر جاتا ہے جسمیں بندہ کو اپنے عدم کا کامل استحضار ہو جاتا ہے اور خداوند موجود کے سوا کوئی وجود عالم میں نظر نہیں آتا اسی طرح علم باطل کے بھی متعدد مراتب و درجات ہیں جنمیں اعلیٰ مرتبہ سحر کا ہے اسمیں انسان جب حد کمال پر پہنچ جاتا ہے اور ہمزاد و موکلین کی قوتیں اُس کے من میں سما جاتی ہیں اور شر ما خلق کی اعلیٰ سے اعلیٰ قوت جب انسان کو حاصل ہو جاتی ہے تو پھر اسکو عالم میں سوائے کفر و شر کے ایسی ہی طرح کچھ نظر نہیں آتا جیسے کسی جانور کے من میں بجز بہیمیت کے کچھ نہیں سماتا۔ اعاذنا اللہ منہ

**ملکیت ہاروت و ماروت اور اسکی بحث**

پس اس تقریر کے بعد ہاروت و ماروت کو فرشتہ خالص تسلیم کر لیا جائے یا حضرت یوسف کیطرح فرشتہ مجازی کہا جائے اتنی بات ضرور ممہد ہو جاتی ہے کہ دنیا میں حق کی طاقت ہو یا باطل کی قوت الفاظ نورانی کے اثرات ہوں یا الفاظ ظلمانی کے تاثیرات خلیفۃ اللہ علی الارض

کے لئے دونوں قوتیں مسخر کردی گئی ہیں اور اس کے مَن کو مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے بزرگ و برتر بنانے کے لئے ہر قسم کے دروازے وا کردیئے گئے ہیں اور ارادہ و قدرت کی دولت عطا فرما کر ہر ایک راہ اسکے لئے آسان کردی گئی ہے۔ کلا نمد ھٰؤلاء و ھٰؤلاء من عطاء ربک۔

رہا یہ شبہ کہ ہاروت و ماروت کے ذریعہ جو علم سحر کا نزول ہوا ہے اور وہ لوگوں کو چونکہ سحر کی تعلیم دیتے تھے اسلئے اُن کا فرشتہ ہونا کیسے تسلیم ہو سکتا ہے کیونکہ فرشتے نہ خود گناہ کرتے ہیں نہ دوسروں کو گناہ کی ترغیب دیتے ہیں اُن کی شان تو "لا یعصون اللہ ما امرھم و یفعلون ما یومرون" ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر انسان کی آزمائش و کمال کے لئے اور عالم اضداد کو متضاد علوم سے پایۂ تکمیل کو پہونچانے کے لئے بامر اللہ یہ دونوں فرشتے علم سحر لیکر اُترے ہوں اور ذریعہ آزمائش قرار دیئے گئے ہوں اور ان میں سے ایک مادّی و سفلی قوتوں کا ماہر ہو اور دوسرا کواکب و سیارات کی روحانی و علوی طاقتوں کا استعمال انسان کو بتلانے کے لئے آیا ہو تو اُن کی عصمت و ملکیت میں پھر بھی کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ جیسے عذاب کے فرشتے ہر قسم کی ظلمتوں کو ساتھ لئے ہوئے انسان کو مبتلائے عذاب کرنے کے لئے دُنیا میں اُترتے ہیں ایسے ہی انسان کی آزمائش کے لئے یقیناً یہ امر بھی قرین صواب ہے کہ اس عالم میں آنے کے لئے اس علوی مخلوق کو لباس بشریت پہنایا جاکر یہ علم دُنیا میں پیدا کیا گیا ہو۔ ۶

**کرۂ ارضی کا تعلق کرہ ہائے علوی سے اور اُس کی مخلوق کا علاقہ سفلی مخلوق سے**

علاوہ ازیں جبکہ کرۂ ارضی و کرۂ شمسی اور تمام ستاروں میں باہم علاقہ جاذبیت ہے اور ہر ایک کرہ ایک دوسرے کے ساتھ ایسی ہی طرح قائم ہے جیسے ایک پُل کی لچک پُل کے تمام اجزاء کو تھامے رہتی ہے اور جسقدر بوجھ بھی اسپر سے گذارا جائے یہ لچک بخوشی اسکو اُٹھالیتی ہے اور باستثنائے چند ہر ایک کرہ میں حکمائے وقت کے نزدیک کثیر مخلوق آباد ہے چنانچہ حال ہی میں اہلِ یورپ نے بعض ستاروں کے اندر خوردبینوں سے آبادی کا مشاہدہ بھی کیا ہے اور اب گفت و شنید کے آلات کی تیاری میں دماغ اہلِ دانش کی دردسری جاری ہے تو اسکو ایک درجہ میں اگر قرینِ قیاس مانکر کہا جائے کہ کسی ستارہ کی مخلوق میں سے دو فرد کواکب و سیارات کا علم لیکر دُنیا میں اُترے ہوں جس سے انسان علوی و سفلی دونوں مخلوق کی قوتوں کو بیک وقت حاصل کرتے ہوئے اپنے مَن کی اور دل کی قوت پر کامل قابو اور دسترس پاسکے اور اس سے جو چاہے اپنے ابنائے جنس کی نظروں کی نظربندی کردے یعنی اُنہیں وہی نظر آئے جو یہ دکھلائے اور جب چاہے نظروں سے اوجھل ہو جائے کبھی اپنی قوت

پرواز سے آسمان تک پہنچ جائے تو کبھی اسکی سمائی زمین کے طبقوں میں ہو جائے تو یہ عقلاً کسی طرح بھی مستبعد نہیں اسلئے کہ جو شخص علوی و سفلی طاقتوں کا مجموعہ بنجائے یعنی جسمانی قوتیں بھی اُسکی مکمل ہو جائیں اور روحانی طاقت بھی اُسکو حاصل ہو جائے تو ظاہر ہے کہ اسکے بعد تسخیر عناصر اربعہ اور تبدیل و تحلیل لباس روح اسکے لئے ایک ہنسی کھیل ہوگا۔

مقربان سبحانی دو قسم کے ہوتے ہیں

اور جبکہ بندہ علوم ملہمہ سے ایسی قوتیں بہم پہونچا سکتا ہے تو پھر ان مقربان بارگاہ سبحانی کی قوت و شوکت کا اندازہ تو ہم کیا ہی کر سکتے ہیں جنکو براہ راست خالق کائنات کیطرف سے ہر قسم کے اعجاز اور روحانی و جسمانی اعلیٰ طاقتیں عطا کی گئی ہوں - اور یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص تو وہ ہے جو دنرات اپنی زمین میں تردد کرکے غلّہ اُگاکر دولت حاصل کرتا ہے اور امیر بنتا ہے اور ایک وہ شخص ہے جسکو بادشاہ وقت خود اپنے خزانہ سے دولت عطا کرے اور سلطنت کے نظم و نسق میں اُسکو حق دے ظاہر ہے کہ دونوں شخص اپنی حیثیت اور دولت میں کسی طرح بھی برابر نہیں ہو سکتے پہلا شخص جو کچھ بھی امارت و حیثیت حاصل کر رہا ہے، وہ اپنی قوت و کسب سے حاصل کر رہا ہے اور دوسرے شخص کو جو امارت و حیثیت حاصل ہوئی ہے وہ بلطف خسروی اور باذن شاہی حاصل ہوئی ہے۔

تحلیل لباس بشریت

غرض تحلیل و تبدیل لباس جسمانی و تسخیر عناصر و استمداد ارواح سفلیہ کا دعویٰ کوئی مَن گھڑت دعویٰ یا قصۂ فرضی نہیں ہے بلکہ اولیائے اُمّت کے اس قسم کے بکثرت واقعات معتبر کتابوں میں لکھے ہوئے موجود ہیں اور بزرگان دین کی کرامتیں مستند کتابوں میں دیکھی جاتی ہیں بہرحال جب ان دونوں فرشتوں نے لباس انسانیت سے ملبوس ہو کر نزول فی الارض فرمایا اور اسمار کواکب و سیارات وغیرہ کے علم سے انسانوں کو آگاہ کیا تو اس علم حصول قدرت اور علم سحر کے نزول میں ان کی اسی قسم کی حیثیت ہوگی جو علم حق کے نزول میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت تھی اور حقیقت تو یہ ہے کہ علم کے درجہ میں تو جس طرح خیر کے علم کی ضرورت تھی اسی طرح اس علم باطل کی بھی ضرورت تھی کیونکہ جب تک انسان اس عالم میں بُرائی کے بالمقابل بھلائی کو دیکھ نہیں لیتا یا بھلائی کے مقابلہ میں بُرائی کو نہیں پالیتا اُسوقت تک بھلائی کی بھلائی اور بُرائی کی بُرائی پر مطلع نہیں ہوتا شاید یہی سبب ہے، کہ اگر کوئی شخص شیطان کے مکاید و وساوس کو بہ نیت ردّ معلوم کرے تو یہ عین طاعت ہے البتہ اگر اسپر عمل کریگا تو بیشک وہ مشر ہوگا لیکن خاص علوم شیاطین کا حاصل کرنا خواہ بہ نیت ردّ ہی کیوں نہ ہو یہ جائز نہیں اسلئے کہ اسکی خاصیت مثل زہر کے ہے اور زہر کے ہلاک

ہونے کا علم سب کو ہے لیکن کوئی شخص اسکی تصدیق زہر استعمال کر کے نہیں کرتا ہے۔

**تعریف و حقیقتِ سحر** پس سحر کی حقیقت و تعریف یہ ہوئی کہ جنات و شیاطین اور کواکب و سیارات اور نفسِ ناطقہ کو حق تعالٰی نے جو قوت و قدرت عطا فرما رکھی ہے انسان بجائے خداوندِ قادر و توانا سے مدد و قوت طلب کرنے کے اور عہدِ ایاک نعبد و ایاک نستعین کا پابند رہنے کے اُس کی روحانی و مخفی مخلوقات کی جبہ سائی کرے اور اُن کے اسمار کو جپکر غیر اللہ سے توسل اور مغضوب علیھم کی اعانت سے ارواح و اجسامِ انسانی پر اس قسم کی قوت و قدرت حاصل کرے اور تاثیرات و تصرفات اجسام میں ایسا ملکہ و دسترس انسان کو حاصل ہو جائے کہ چاہے تو اس علم کی قوت سے حسب مشیت باری ایک تندرست روح کو بیمار کر دے اور چاہے تو بواسطہ سیارہ مریخ "اُقتلوا یا مریخ" کہکر کسی رُوح کو اس قفسِ عنصری سے آزاد کرا دے تو نافع و ضار تو فی الحقیقت اس صورت میں بھی حق تعالٰی ہی ٹھیرا کیونکہ اگر کسی شخص نے کسی فرمانروا کے نوکر سے مدد طلب کر کے کوئی فائدہ یا نقصان اُٹھایا تو درحقیقت اس صورت میں بھی وہ آقا ہی کا رہینِ منت و مرہونِ قدرت ہوا لیکن مشرک اسکو اسلئے کہیں گے کہ اسنے آقا کی اجازت و علم سے کیوں اپنی حاجت روائی نہ کی اور اُس کی مخلوق کی معمولی سی قوت و قدرت پر کیوں نظر کی اور انسان نے حاصل شدہ طاقت و قدرت پر انا و لا غیری کا علم کیوں بلند کیا چونکہ علمِ سحر کی قوتوں کو جو شخص حاصل کرتا ہے اس سے اسی قسم کا شرک پیدا ہوتا ہے اسی لئے اسکے سیکھنے کی ممانعت اسلام میں کیگئی ہے۔ بیشک اسلام بھی کائنات میں روحانی قوت و قدرت حاصل کرنے کی اجازت دیتا ہے اور یہ علم بھی انسان کو یہی سکھلاتا ہے۔

**علم سحر اور علمِ الٰہی کی تاثیرات کا باہمی فرق** مگر ان دونوں میں فرق ہے تو یہی ہے کہ علمِ الٰہی براہِ راست جنابِ الٰہی سے توسّل سکھلاتا ہے اور اسی کو نافع و ضار بتلاتا ہے اور یہ علم اسکی بعض طاقتور مخلوق کی تعظیم و تکریم سکھلا کر انہی کو خالق کے مرتبہ میں سمجھواتا ہے اس فرق کا مشاہدہ اس مثال سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ مثلاً اگر ایک شخص کیمیا بنانا سیکھے اور کیمیا اُسکو آ جائے تو اس سے بھی انسان کو معاش سے بیفکری حاصل ہو جاتی ہے اور اگر ایک شخص توکل کی دولت حاصل کرے اور یہ دولت کسی کو میسّر آ جائے تو اس کا اثر بھی یہی ہے کہ انسان کو معاش سے بیفکری نصیب ہو جاتی ہے اور بظاہر نتیجہ اور حکم دونوں کا ایک ہی معلوم ہوتا ہے مگر غور کیجئے تو زمین و آسمان کا فرق ہے کیمیا سازی شرکِ خفی میں انسان کو مبتلا کرتی ہے کیونکہ یہ علم نادر اپنی ہیئتِ ترکیبی اور اثراتِ مادّی سے انسان کو مؤثر حقیقی سے غافل بنا دیتا ہے اور انسان سمجھ لیتا ہے

کہ اب میرا رزق میرے ہاتھ میں ہے اور توکل کارسازِ عالم کی وحدانیت و قدرت پر اعتماد سکھلاتا ہے کیونکہ متوکل باوجود دولتِ استغناء سے مالامال ہونے کے اکثر وسائل و اسباب کے درجہ میں تہیدست ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ جس شخص کو کیمیا بنانا آجائے اُسے توکل کی دولت نصیب نہیں ہوتی اور جو شخص متوکل ہوتا ہے وہ کیمیا سازی کو حرام سمجھتا ہے اسکی حکمت بجز اسکے کچھ نہیں کہ علومِ آلہیّہ کی تاثیرات اور قوتیں چونکہ پردہ غیب سے ظاہر ہوتی ہیں جو عالم باطن ہیں تو ظاہر ہوتی ہیں اور عالم ظاہر میں پوشیدہ۔ اسلئے وہ بالحاظہ سرچشمۂ توحید اور علام الغیوب کی طرف انسان کو رجوع سکھلاتی ہیں اور علوم باطلہ کی تاثیرات اور طاقتیں چونکہ عالمِ ظاہر میں محسوس ہوتی ہیں اور عالمِ غیب میں انکی کوئی اصل نہیں ہوتی اسلئے اس قسم کے علوم شرک کی طرف لیجاتے ہیں بہرحال شرک اور سحر نتیجۃً ایک ہی ہیں۔

**شرک اور سحر کا باہمی ارتباط** اور ان میں بلاتشبیہ وہی نسبت ہے جو دو مختلف سلطنتوں کے رائج الوقت سکّوں میں ہوا کرتی ہے جیسے عالمِ ظاہر میں مخلوق کی تاثیرات کو مؤثرِ حقیقی سمجھ لینے کا نام شرک ہے ایسے ہی عالمِ باطن کی تاثیرات اور روحانی مخلوق کی تاثیرات اور انکی قوت و قدرت سے اعانت و مدد طلب کرنے کا نام سحر ہے اسی لئے حدیث شریف میں جہاں شرک سے بچنے کی ممانعت فرمائی گئی وہاں سحر سے بھی اجتناب کا حکم دیا گیا۔ کما قال رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم اجتنبوا السبع الموبقات الخ۔ جیسے ظاہری مخلوق میں جو کچھ بھی قوّت و قدرت ہے وہ اسی ذاتِ بیچون و بیچگون کی عطا ہے اور سببِ حقیقی کو چھوڑ کر اسباب مخفی ہی پر ایمان کو منحصر کر دینا کفر و شرک ہے اسی طرح اسکی علوی و مخفی مخلوق میں جو کچھ بھی قوت و طاقت ہے وہ اسی کا فیض ہے پس ان مخفی طاقتوں پر بھی ایمان کو منحصر کر دینا عین شرک اور نتیجۂ علم فتنہ ہے۔

**اقسام سحر** جیسے شرک کی باعتبار اُسکے آثار و خواص کے چند قسمیں ہیں اسی طرح سحر کی بھی چند قسمیں ہیں اقسام سحر کی تفصیل امام فخر الدین رازیؒ اور حضرت شاہ عبد العزیز رحؒ نے اپنی تفسیروں میں فرماتے ہوئے اسکی آٹھ قسمیں فرمائی ہیں اور کلدانیوں نے جو از روئے سحر طلسمات بنائے تھے اُنکو بھی تحریر فرمایا ہے لیکن ان تمام قسموں کو اگر یہاں نقل کیا جائے تو غالبًا مضمونِ ہذا میں طوالت ہوجائیگی اسلئے اسوقت سحر کے اقسام کی جو ترتیب احقر کے ذہن میں ہے اسی کو عرض کیا جاتا ہے۔ سو ہاروت و ماروت کے نزول کی حکمت پر اور ایک فرشتے کے بجائے دو فرشتوں کے آمد پر جہانتک غور کیا جاتا ہے اور قلبِ انسانی کی غیر معمولی گہرائیوں اور اُسکی وسعت پر جہانتک نظر کام کرتی ہے اور دُنیا کی ہر مخلوق سے انسان کو جو مشابہت و مناسبت حاصل ہے اسکی لم پر جسقدر فکر کو کام میں لایا جائے یہی سمجھ میں

آتا ہے کہ اصولاً سحر کی تین قسمیں ہونی چاہئیں۔

(۱) اوّل سحرِ علوی جسمیں کواکب و سیارات کی قوتوں سے استمداد کرتے ہوئے انسان قوت و قدرت حاصل کرتا ہے اور عالم میں ہوشربا کرشمے اور محیر العقول طلسمات بنا کر دیگر ابنائے جنس کو اپنا مطیع و منقاد بناتا ہے جسکو باطل کرنے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السّلام مبعوث فرمائے گئے۔

(۲) دوم سحرِ سفلی جسمیں انسان جنات و شیاطین کی ارواح کو مسخر کرکے اُن کی قوت و طاقت سے عالم میں اپنے کو ذی قدرت کہلاتا ہے اور ہمزاد و موکلین کے ذریعہ حاجت روائی کرتا ہے اور جسکے باطل کرنے کے لئے حضرت سلیمان علیہ السّلام کو نبی بنایا گیا اور علم منطق الطیر عطا کیا گیا۔

(۳) سوم سحرِ قلبی ہے جسمیں انسان خود اپنے دہیان اور حواس خمسہ کی قوتوں کو دماغ میں مجتمع کرتے ہوئے کمال یکسوئی پیدا کرکے ایک ایسی قوت و قدرت حاصل کرتا ہے کہ چاہے تو لوگوں کی نظر پر پابندی عائد کرکے ایک غیر واقعی اور محض خیالی چیز کو لوگوں کے سامنے واقعی چیز بنا کر پیش کردے اور چاہے تو جو خیال قوت متخیلہ میں ہو اُسے متشکل کرکے باہر لے آئے اور جسمانی طول، عرض، عمق کی حدود و قیود سے آزادی حاصل کرتے ہوئے مسمریزم کی طاقت سے شعبدے دکھلائے اور نظر یکسو سے دو متصل چیزوں کو چاہے تو منفصل کر دکھائے اور چاہے تو دو علیحدہ علیحدہ چیزوں کو ملا کر دکھلائے۔ پس اِس سحرِ قلبی کو باطل کرنے کے لئے جو درحقیقت مذکورہ بالا دونوں صورتوں کا مجموعہ اور مرتبۂ کمال ہے کلام اللہ کا نزول ہوا اور اسکی عملی کیفیت اور شوکت کو مٹانے کے لئے قیامت کے قریب کلمۃ اللہ یعنی حضرت علیٰ روح اللہ کا نزولِ اجلال ہوگا۔

اس قسم کے تصرفات کچھ تعجب خیز امور نہیں۔ ایسے کرشموں کی مثالیں دُنیا میں ہم روزانہ دیکھتے ہیں چنانچہ ایک شعبدہ باز جب اپنا کمال دکھلانے کے لئے آتش بازی کا ایک گولہ چھوڑتا ہے تو کبھی تو ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مزیّن مکلّف مرصّع تختِ شاہی بچھا ہوا ہے جس پر بادشاہ فروکش ہے ملزمین لائے جارہے ہیں عدل وانصاف کیا جارہا ہے۔ کبھی دیکھتے ہیں کہ بادل پانی برسا رہے ہیں دریا بہ رہے ہیں نہریں جاری ہیں اُن میں طغیانی آرہی ہے۔ کبھی دیکھتے ہیں کہ ایک جنگل بیابان ہے ہُو کا مقام ہے درختوں کے پتوں میں جگنوؤں کی طرح چاندنی جگمگا رہی ہے غرض اس قسم کی آتش بازی میں دُنیا کے واقعی احوال کا خوب ہی دلچسپ و دلفریب نقشہ کھینچا جاتا ہے یہی صورت علم سحر کے ان کرشموں کی بھی ہے غرض سحر سے جسقدر بھی قوت و قدرت انسان کو حاصل ہوتی ہے گو نفس الامر میں وہ کتنی ہی زبردست کیوں نہ ہو مگر مقابلہ علم حق، باطل ہی ہوتی ہے

۱۰

جیسے شعبدہ باز کے دکھلائے ہوئے کرشموں سے انسان باوجود محوِ حیرت ہونے کے یہ نہیں سمجھتا کہ اُن کا وجود واقعی عالم میں پایا جاتا ہے اور اگر کوئی ایسا سمجھ جائے تو اُسی کو نادان کہا جاتا ہے۔ اسی طرح علم سحر کی اس خاص قسم کی قلبی قوتوں اور اُسکے کرشموں کا بھی حال ہے اور کیا عجب ہے کہ فرعون کا دعویٰ خدائی محض اس علم کے اندر کمال پیدا کرنے والوں کی مدد ہی کی بناپر ہوا ہو یا وہ خود اس علم کا جاننے والا ہو ورنہ محض ظاہری سلطنت پر کسی کا دعویٰ خدائی کرنا اور اپنے کو "انا ربکم الاعلیٰ" کہنا اہلواٹا گو سفاہت کفر کی بناپر مستبعد تو نہیں مگر طبائع سلیمہ کو حیرت و استعجاب میں ضرور ڈالتا ہے۔

**اس عالم کی ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے**

بہرحال سحر کی یہ تین قسمیں قرار دیجائیں یا آٹھ قسمیں تسلیم کیجائیں ہر صورت میں تاثیرات علوم باطلہ کا انکار کسی صورت سے نہیں کیا جاسکتا بالخصوص ایسی صورت میں کہ اس عالم میں کوئی چیز ایسی موجود نہیں جسکی ضد نہ پائی جاتی ہو اور ہر چیز اس عالم میں اپنی ضد سے نہ پہچانی جاتی ہو۔ جب قرآن شریف کی بعض سورتوں کی تاثیرات لطیفہ کا یہ عالم ہے کہ انسان اگر مثلاً صرف اسمائے جلالیہ یا صرف سورہ مزمل ہی کا عامل بنجائے اور بزرگانِ دین سے جو شرائط اسکی زکوٰۃ کے مذکور ہیں اُن کو پورا کرلے تو دائرۂ انسانیت کو باقی رکھتے ہوئے تصرفاتِ عجیبہ پر قادر ہو جاتا ہے اور سیف زبان بنجاتا ہے۔ تمام کواکب و سیارات اور اسمائے الٰہیہ کی نورانی طاقتیں اُسکی پشت پناہ بنجاتی ہیں تو اسی پر قیاس کرلیجئے کہ ظلمت اور اہلِ ظلمت اور کبرائے شیاطین کے جسقدر اسماء ہیں اگر انسان اُن کو جپنے لگے تو اُسے کس قسم کی ظلماتی قوت حاصل ہو جائیگی۔

**زمینِ قلب کی لینت ذکر اللہ سے**

جس طرح ذکر اللہ کا تکرار اور اعادہ کرنے سے زبان و قلب میں لینت و صفائی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ ذکرِ مبارک دل کی گہرائیوں میں اُتر کر اپنی پیاپے ضربوں سے زمینِ قلب کو نرم کرکے تخمِ سعادت کو پھلنے اور بڑھنے کے قابل بنادیتا ہے اور رفتہ رفتہ یہ ذکر پاک رگ و ریشہ میں سرایت کرکے جسمانی کثافت کو زائل کر دیتا ہے اور ذاکر اسمِ الٰہی اس مرتبہ میں پہنچ جاتا ہے کہ وہ سنتا بھی ہے تو اسی سے اور دیکھتا بھی ہے تو اسی سے۔

**زمینِ قلب کی سختی ذکرِ شیطان سے**

اسی طرح اسمائے شیاطین و جنات کو بھی جب انسان بار بار وردِ زبان کرتا ہے تو قلبِ انسانی شیاطین سے کامل رسوخ پیدا کرلیتا ہے اور ہر قسم کی شیطنت کا مرکز قلبِ انسانی بنجاتا ہے اور اُس کے تصرفاتِ مذمومہ عالم کو پریشان کر ڈالتے ہیں اور قلب کی زمین سخت ہو کر بنجر زمین کی طرح

صرف شیطنت کے خس وخاشاک ہی اُگانے کے قابل رہجاتی ہی اسی لئے قساوت اور سختی قلب میں بڑھجاتی ہیں یہانتک کہ شیاطین ہی اُس کی آنکھ بنجاتے ہیں اور وہی اُس کے کان ہوجاتے ہیں وہ دیکھتا بھی انہیں سے ہے اور سُنتا بھی انہیں سے ہے۔ اگرچہ نفع وضرر جو کچھ بھی عالم میں ہوتا ہے سب خدا ہی کے اذن ومشیت سے ہوتا ہے لیکن بندہ کو فاعل ومختار بنا کر چونکہ دُنیا میں اُتارا گیا ہے اسلئے ہر دو طاقتوں سے کام لینے کا اسے اختیار حاصل ہو فالھمہا فجورھا وتقوٰیھا۔

حاصل یہ ہو کہ جب علم نافع اور علم مضر، علم محبت وعلم عداوت، علم الرحمٰن وعلم الشیطان دونوں کی تاثیرات جُدا جُدا ہیں اور اُن کا باہمی فرق دکھلایا جا چکا کہ ایک علم اپنے اندر واقعیت واعجاز اور پائیدار منافع رکھتا ہے اور دوسرا علم بطلان، ظلمت، فتنہ، وغیر واقعیت سے مملو ہے اور محض دھوکہ کی ٹٹی ہے اسکی قوت فنا پذیر قوت ہی تو یہیں سے معجزہ اور سحر کے باہمی فرق پر بھی غور فرمائیے۔

**علم سحر علم کسبی ہے، اور معجزہ فعل خداوندی ہے**

بلاشبہ سحر سے بھی افعال عجیبہ وآثار نادرہ کا صدور ہوتا ہے اور معجزہ بھی اُسی کو کہتے ہیں جسمیں بطور خرق عادت افعال نادرہ واحوال محیر العقول کا ظہور ہو لیکن فرق یہ ہے کہ سحر میں بندہ کے کسب واکتساب کو دخل ہوتا ہے اور علم سحر کی حیثیت ایک فن کی سی ہو یعنی جو شخص بھی اس علم کو سیکھے گا اُسی سے ایسے افعال نادرہ کا صدور ہونے لگیگا اور معجزہ کسی علم یا فن کے ماتحت نہیں ہوتا بلکہ حضرت حق جل مجدہٗ کو جب اپنے پیغمبرانِ برحق کی سچائی کے نشانات ظاہر کرنے مقصود ہوتے ہیں یا اپنی آیات کو عالم پر واضح کرنا مطلوب ہوتا ہے تو انہی کے ہاتھ پر ایسے فوق العادۃ معجزے اور نشانات ظاہر ہوتے ہیں جنکے آگے فطرت کے تمام قواعد وضوابط بیکار ہوجاتے ہیں اور عقل نارسا متحیر وششدر رہجاتی ہی۔ بڑے بڑے اہل کمال جھکا کر آخر قدرت کی چوکھٹ پر سربسجود ہوجاتے ہیں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں ساحرین فرعون نے جب علم سحر کے کمالات دکھلائے جبپر اُنہیں بڑا ناز اور غرّہ تھا تو اُس کے جواب میں حق تعالیٰ کی طرف سے عصائے موسیٰ سے ایک ایسا مناسب حال نشان ظاہر ہوا جس سے ان سب ساحروں کو اس کا یقین ہوگیا کہ:-

**علم سحر سے کبھی فلاح نہیں ہوسکتی**

بیشک علم سحر سے انسان کبھی فلاح کو نہیں پہونچ سکتا۔ اور جو لا یفلح الساحرون کا دعویٰ نبی منزل من اللہ کی زبان سے اُنہوں نے سُنا تھا اُسکی صداقت آنکھوں سے دیکھ لی اور ہمیشہ کے لئے بیساختہ علم سحر سے توبہ کرکے پکار اُٹھے۔ اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ رَبِّ مُوْسٰی وَ ھٰرُوْنَ

**معجزہ اور سحر کے الفاظ کا فرق**

یہی وجہ ہے کہ معجزے کے الفاظ مثلاً قم باذن اللہ کو اگر ہم اور آپ ہر روز بار بار بھی زبان پر لاویں تو کبھی بھی معجزہ کا صدور نہ ہوگا اور نہ کوئی مُردہ زندہ ہوگا۔ اور کلماتِ سحر کو اگر جپیئے اور مقررہ اصول کے مطابق ریاضت کیجئے تو سینکڑوں کرشمے اور شعبدے ہر انسان کو حاصل ہو جائیں۔ پھر نہ معجزہ کا کوئی وقت معین ہوتا ہے نہ قبل از ظہورِ معجزہ خود صاحب معجزہ ہی کو معجزہ کی کیفیت تفصیل اور اس کی اطلاع ہوتی ہے اور سحر کے لئے اوقات کی تعیین اور محلات مخصوص کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں جب ساحرینِ فرعون نے از روئے علم سحر رسیوں کے غیر واقعی سانپ بنا کر دوڑائے تو بوجہ ناواقفیت علم سحر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر مقتضائے بشریت ایک قسم کا ہراس طاری ہوا کہ دیکھیئے آج ذات بے نیاز غنی عن العالمین کی طرف سے ہماری لاج رکھی بھی جائیگی کہ نہیں لیکن حضرت حق کی طرف سے جب بشارت آپہونچی یا موسیٰ لا تخف انک انت الاعلیٰ (اے موسیٰ گھبراؤ نہیں تم ہی ان پر غالب ہوگے) تب حضرت موسیٰ علیہ السلام بشاش ہوئے لیکن اس کے بعد ہی جب الق عصاک کا حکم محکم شرف صدور لایا یعنی اے موسیٰ اپنے عصا کو زمین پر ڈال دیجئے تو ڈالتے وقت حضرت موسیٰ ع کو بھی یہ معلوم نہ تھا کہ یہ عصا زمین پر گر کر کیا ہوگا چنانچہ زمین پر اُسکے اژدہا بنجانے کا ماجرا دیکھنے میں اور خود اس سے ڈرنے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساحرینِ فرعون دونوں مساوی تھے بخلاف ساحرینِ فرعون کے کہ جب وہ اپنی رسیوں پر منتر پڑھکر پھونک رہے تھے تو اُنہیں معلوم تھا کہ یہ رسیاں تھوڑی دیر میں سانپ بننے والی ہیں اسی لئے وہ اپنے علم پر مطمئن اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نڈر تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اسلئے خائف تھے کہ اُن کے ہاتھ میں معاملہ کی کوئی باگ ڈور نہ تھی۔ علاوہ ازیں فضلنا بعضہم علےٰ بعض کے اسلوب کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہر سلسلہ ہر علم میں دیکھا جاتا ہے کہ ایک سے ایک بڑھکر باکمال دُنیا میں موجود ہوتا ہے۔ چنانچہ فنّ سحر میں بھی یہی اسلوب جاری ہی ہر زمانہ میں کم وبیش ایک سے ایک بڑھ چڑھکر ساحر ہوتا ہے ایک منتر اگر کسی کو یاد ہے تو دوسرا منتر اس سے بڑھکر اسکے توڑ کیلئے دُنیا میں ملجاتا ہی۔

**علم میں مقابلہ ہوسکتا ہے معجزہ میں مقابلہ نہیں ہوتا**

بخلاف معجزہ کی کیفیت کے کہ معجزہ کہتے ہی اسکو ہیں جسکا کوئی جواب دُنیا میں کسی کے پاس نہ ہو اسی لئے جس چیز کا جواب دُنیا میں ہوگا وہ معجزہ نہ ہوگا۔ پھر تصرفاتِ علم سحر تو دائرہ حیات ہی تک محدود ہیں۔ بہت سے بہت یہ ہے کہ کسی جاندار کو سحر کے زور سے قتل کرا دیا جائے لیکن

۱۳

مردہ کو زندہ کر دینا یا زندوں کو بغیر کھائے پیئے آسمان پر پہنچا دینا اور ہزاروں برس زندہ رکھنا یہ دائرہ صرف معجزہ ہی کا ہے۔ یہاں سحر کی کچھ بھی دال نہیں گلتی۔

قرآن مجید ہی صرف عالم کے مقصود بالذات تک پہونچانے والا ہے

پھر علوم باطلہ اور علوم حقہ کی عبارتوں اور اُن کے لفظوں اور جملوں اور حرفوں ہی کو اگر پڑھکر دیکھا جائے، ان کے اثرات کی باہمی فرق پر ادنیٰ سی نظر بھی ڈالی جاوے مثلاً سحر اور وید کے منتروں اور اعمال سفلیہ کی عبارتوں کو قرآن حکیم کے مثیرین اور ہلکے پھلکے جملوں سے ملاکر بنظر انصاف دیکھا جائے تو خود بخود دل میں یہ حقیقت راسخ ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید عالم کے مقصود بالذات تک پہونچانے والا ہے۔ اور اسکی برکت سے خود بخود تمام روحانی قوتیں انسان کی طرف متوجہ ہونے والی ہیں اسکے حروف اور جملے اور اسکی ہیئت ترکیبی دل میں نور پیدا کرنے والی ہے اور یہ ترمیم و مسخ شدہ علوم انسان کو محض اس عالم کی بوقلمونیوں میں مبتلا رکھنے والے اور گائے اور بھینس اور حرص و ہوا ہی کے چکروں میں پھنسا دینے والے ہیں اس سے یہ مطلب ہمارا نہیں ہے کہ وید آسمانی علوم سے خالی ہے ممکن ہے کہ لکل قوم ھاد کے دستور کے مطابق کسی نبی یا ولی پر یہ کتابیں کسی وقت الہام کیگئی ہوں لیکن ہم انکی موجودہ حالت اور تغیر و تبدل کو دیکھتے ہوئے ان پر بحث کر رہے ہیں بخلاف خدا کی آخری کتاب اور کلام کے اس کے جس صفحہ پر بھی نظر ڈالو جس سطر کو بھی بغور پڑھو اُس میں اس عالم کی بے ثباتی اور انسان کی بیچارگی و عاجزی اور عالم آخرت کی پائیداری ہی مثل آفتاب کے نظر آتی ہے۔ قرآن کا کوئی صفحہ ایسا نظر نہیں آتا کہ جسمیں اللہ کا نام موجود نہ ہو اور اُس کے ساتھ توسل کو مختلف لطیف پیرایوں سے ادا نہ کیا گیا ہو اور اس قسم کے علوم میں سوائے بہیمیت کے نشو و نما کی ترغیب کے اَور کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوتا۔

۱۴۱

علم خداوندی کا خاصہ زیادتی الفت ہے اور علم شیطانی کا خاصہ باہمی تنافر ہے

علاوہ ازیں علم خداوندی کا خاصہ تو یہ ہے کہ اسکو دل میں راسخ اور جاگزین کرنے سے باہم اخوت و دیانت و محبت و الفت وارتباط و جمعیت پیدا ہوتی ہے۔ جس جماعت اور جس طائفہ میں بھی یہ علوم گھر جاتے ہیں وہ جماعت اور طائفہ عالم کا رہنما اور رہبر بنتا ہے ید اللہ علی الجماعۃ اور لا یضرھم من خذلھم کا تاج اسکے سر پر ہوتا ہے انسانیت اس سے پایۂ استحکام کو پہونچتی ہے۔ اور علم باطل کی تاثیر یہ ہوتی ہے کہ اس سے دلوں میں فتنہ پیدا ہوتا ہے اور تفریق بین المرء و زوجہ اس کا ایک بدیہی خاصہ ہے اور یہ آپکو معلوم ہے کہ جس طرح سلسلۂ زراعت عالم کے تمام کاروبار میں اصل الاصل ہے بقیہ جسقدر بھی عالم کے کاروبار اور ظاہری سلسلے ہیں وہ سب اسی کے تابع ہیں

یہ درست نہیں ہے تو سمجھئے کہ جہان کا پالنے والا اپنے غلاموں سے بہت ہی ناراض ہے جو یہانتک نوبت پہنچی کہ کھانے اور پینے میں بھی کمی کردی گئی ہے۔

**سحر سے انسانیت کی بُنیاد اُکھڑتی ہے**

اسی طرح سلسلۂ توالد و تناسل بھی عالم کے تمام سلسلوں میں ایک بُنیادی سلسلہ ہے پس جو علم اس بُنیادی سلسلہ میں فتور ڈالتا ہے یوں سمجھئے کہ وہ گویا سب سلسلوں میں فساد ڈالنے والا ہے۔ الغرض جبکہ نور و ظلمت کا تقابل الفاظ و حروف میں بھی ویسا ہی ہے جیسے کہ اس عالم ظاہر میں خیر کا مقابلہ شر کے ساتھ ظاہر ہے تو اب اسپر بھی غور کرنا چاہئے کہ یہ حروف و الفاظ جیسے علوم خیر و شر دونوں کے معانی و اثرات سے ترکیب پاتے ہیں اور ہر لفظ اپنے اندر ایک نور یا ظلمت رکھتا ہے وہ قلب انسانی کے ساتھ کیا علاقہ رکھتے ہیں سو اُن کی مثال زمین قلب کے ساتھ بعینہ ایسی ہے جیسے مختلف درختوں کے تخم کا علاقہ زمین کے ساتھ ہوتا ہے۔

**الفاظ سحر اور اُن کے اثرات مخربہ**

جیسے ادویہ مفردہ اپنی تاثیرات و کرشمے بدن میں دکھلایا کرتی ہیں مثلاً بعض دوائیں تو ایسی ہیں کہ انسان اگر اُن کو استعمال کرے تو حرارت مفرطہ پیدا ہو جائے اور بعض ایسی ہوتی ہیں کہ جنسے برودت پیدا ہو جائے۔ اسی طرح الفاظ و حروف میں بھی حرارت و برودت ہے چنانچہ بعض حروف تو وہ ہیں جنسے قلب میں حرارت پیدا ہوتی ہے اور بعض وہ ہیں جنسے برودت پیدا ہوتی ہے بعض الفاظ تو وہ ہیں جنسے قلب میں نورانیت پیدا ہوتی ہے اور یہ الفاظ روح انسانی کو اوج کمال پر پہنچاتے ہیں حیات روحانی کو بڑھا کر روح کو عالم کے مقصود بالذات تک پہونچانے میں مدد دیتے ہیں اور بعض الفاظ و حروف وہ ہیں جو انسان میں بہیمیت و ظلمت و تیرگی و قساوت پیدا کرتے ہیں اور اپنے اثرات مظلمہ سے روح کے کمال وارتقا کو روک دیتے ہیں جسطرح ادویہ میں بعض ایسی دوائیں ہیں کہ اگر انسان اُن کو کھالے تو بدن میں زہر دوڑ جائے اور انسان مرجائے اور بعض دوائیں وہ ہیں جنہیں قدرت نے اِس زہر کا تریاق پیدا کیا ہے چنانچہ جنگلوں میں بندر کے جب سانپ کاٹ لیتا ہے تو جنگل کے مبصرین بیان کرتے ہیں کہ بندر فوراً ایک بوٹی کا استعمال کرلیتا ہے۔ جس سے زہر کا اثر اُسپر سے اُتر جاتا ہے اسی طرح الفاظ و حروف میں بھی سمیت و تریاقیت ہوتی ہے چنانچہ بعض حروف تو وہ ہیں جن کا مجموعی اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان کو خدانخواستہ اگر سانپ ڈس لے تو یہ الفاظ زہر اُتار دیں مطلب یہ ہے کہ جب ان الفاظ کو عامل پڑھتا ہے تو عقل سلیم اسپر شاہد ہے کہ فوراً ان ستاروں کی روح بامر اللہ ان میں سما کر روح انسانی

بہرسے زہر کو اُتار دیتی ہے جن الفاظ و معانی کو زہر کا تریاق حق تعالیٰ نے قرار دیا ہے اور بعضے حروف وہ ہیں جو اچھے خاصے بدن میں زہر پیدا کر دیں یا پیدا شدہ زہر کو بڑھا دیں۔ اسی قسم کی کیفیتیں انسانوں اور جانوروں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مثلاً سانپ اور بچھو اگر کسی کے کاٹ لیں تو اس سے زہر پھیل جاتا ہے لیکن نیولے کو سانپ کاٹ لے تو اسپر کچھ اثر نہیں ہوتا بلکہ حق تعالیٰ نے اسمیں جو زہر کا تریاق رکھدیا ہے اس سے خود سانپ ہی کو آخر میں شکست ہو جاتی ہے یا مثلاً جن عاملوں کے پاس زہر کا اُتار ہوتا ہے وہ بلا تکلف سانپ کو پکڑ لیتے ہیں اور سانپ کی کیا مجال کہ ذرا بھی کاٹ سکے۔

علیٰ ہذا القیاس انسانوں کے اندر غور کیجئے تو یہی اسلوب و ترتیب اُن میں بھی نظر آئیگی۔ چنانچہ بعض انسان شیریں ہیں تو بعض کڑوے ہیں کسی میں رافت و رحمت کا مادہ ہے تو کسی میں شیطنت و فساد کا زہر بھرا ہوا ہے۔ غرض تاثیر سفلیات میں حسّاً بھی جاری ہیں اور معناً بھی۔ اور جبکہ ہر فوق کا اپنے ماتحت پر مؤثر و مقتدر ہونا ایک عام فطری اصول ہے تو کواکب و سیّارات کی تاثیرات اگر ذی جسم و ذی روح مخلوقات پر ہوں تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ حق تعالیٰ نے بچھوؤں اور اُس کی نسل میں، زہر دار دواؤں اور اسی قسم کی قاطع حیات بوٹیوں میں جو سمیت عطا کی ہے وہ اُن ستاروں کے ذریعہ سے عطا کی ہے جو اپنی تیزی اور قوت، جودت اور حدّت میں عناصر اربعہ کو تحلیل کرنے والے اور اُن میں سے حیات کی گرہ کو کھولنے والے ہیں اور نیولے میں اور اُسکی نسل میں، شافی دواؤں میں، اور اسی قسم کی روح پرور بوٹیوں میں جو تریاقیت قدرت نے ودلیعت کی ہے وہ اُن ستاروں کے ذریعہ سے عطا کی ہے جو اپنی تدریجی قوت و نورانیت سے عناصر اربعہ کو مجتمع و منجمد کرنے والے اور اُن میں جو حیات کی گرہ لگی ہوئی ہے اُسکو مضبوط کرنے والے ہیں۔

۱۶

**الفاظ و حروف کی ارواح اور اُنکی تاثیرات ارواح و اجسامِ انسانی پر**

القصہ الفاظ و حروف کی شکل و صورتِ نوعیہ میں بھی جو روح و اثر آتا ہی وہ کواکب و سیّارات و مُدبّراتِ امرالٰہی سے آتا ہے اور اُس کو اس طرح سمجھے کہ مثلاً گل بنفشہ کے متعلق کتب طب میں لکھا ہے کہ اسمیں جو تاثیر آتی ہے وہ سیّارہ مریخ سے آتی ہی اطبّا کہتے ہیں کہ اسکا عمل یہ ہو کہ جب انسان اُسکو استعمال کرتا ہے تو بدن کے اندر جسقدر بھی فاسد رطوبتیں جمع ہوتی ہیں وہ سب خشک ہو جاتی ہیں۔ دوران خون زیادہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا طبی تحقیق کی بناپر کہہ سکتے ہیں کہ سیّارہ مریخ نے بواسطہ گل بنفشہ انسان کے بدن میں جسقدر رطوبتیں تھیں اُن کو خشک کر دیا ہے اسی طرح الفاظ و حروف کا تعلق بھی شمس و قمر، عطارد و مشتری، زحل وغیرہ سے ہے اور اُن کی حرارت و برودت

کے متعلق بھی کہہ سکتے ہیں کہ مثلاً الف کے واسطہ سے قلب انسانی میں جو حرارت پیدا ہوئی وہ شمس کیوجہ سے ہوئی ہے اور ب سے جو ٹھنڈک اور رطوبت انسان میں پیدا ہوئی وہ چاند سے پیدا ہوئی ہے۔ پھر جیسے ایک دوا کا بدرقہ دوسری دوا ہوتی ہے اسی طرح ایک حرف کا بدل دوسرا حرف ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر ایک ستارہ دوسرے ستارہ کا مصلح ہوتا ہے۔ یہی الفاظ کی وہ قوت ہے کہ جسکی ترکیب کا علم لدنیؔ انسان کو جب عطا ہو جاتا ہے تو وہ دفتر کے دفتر قدرت کے عجائبات وکمالات صناعی میں لکھ ڈالتا ہے اور یہ دفتر بے پایان کبھی ختم ہی نہیں ہو پاتا اور آسمان وزمین کے وہ اسرار وعجائب منکشف ہوتے ہیں کہ انسان حیران ودم بخود ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم نے اسی قسم کے علوم حقہ کیطرف اس آیت کریمہ میں اشارہ فرمایا وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاؤدَ وَسُلَیْمَانَ عِلْمًا وَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی کَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِہِ الْمُؤْمِنِیْنَ الخ۔

**الفاظ وحروف محمود وغیر محمود کی ترکیبیں**

پھر جیسے چند دواؤں کو باہم ملا دیجئے تو مرکب کا ایک خاص مجموعی اثر نمایاں ہو جاتا ہے ایسی طرح الفاظ وحروف کے مختلف ترکیبوں کے مختلف اثرات ہیں مثلاً انسان اگر غیر مہذب جملوں کے الفاظ وحروف قلب سے زبان پر لے آئے تو سامعین کے قلوب بدمزہ ہو جاتے ہیں اور مادہ سبعیت بھڑک اٹھتا ہے اور کبھی تو جنگ وجدل کی نوبت آجاتی ہے اور اگر مہذب جملوں کے الفاظ وحروف خزانۂ قلب سے زبان پر لائے جاتے ہیں تو قلوب میں بشاشت وسرور محبت واخوت پیدا ہونے لگتی ہے گویا قلب انسانی ہی جب غیر مہذب اور ناشائستہ جملوں کے اثرات بیکنگ ہو کر زبان کو وصول ہوتے ہیں جو عالم میں پھیلکر نزاع وفساد کا موجب ہوتے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ عالم باطن میں قلوب انسانی سے شیاطین نے ایسی ترکیبیں حرفوں کی بنوا کر بھیجی ہیں جنسے اجزائے عالم کی تحلیل وتفریق ہوئی اور جب انسان کی زبان پر مہذب جملے قلب سے بنکر چلتے ہیں اور زبان پر آتے ہیں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ ملائکہ نے الفاظ نورانی کی ترکیبیں قلب انسانی سے ترکیب دلائی ہیں جنسے عالم میں ربط وارتباط پیدا ہوا ہے۔ غرض الفاظ وحروف کی بعض بلیغ ترکیبیں تو ایسی ہوتی ہیں جو انسان کے دل کی گہرائیوں میں اُتر کر اسے متحیر وششدر اور محو تماشائے قدرت بنا دیتی ہیں اور انسان مضطر وبیخود ہو کر اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا کا مصداق بنجاتا ہے۔ اور بعض کلام ایسا ہوتا ہے کہ سُننے ہی سے دل میں تنفر اور جذبات منافرت وظلمت بھڑک اُٹھتے ہیں۔

**الہام رحمانی وشیطانی اور اُن کا فرق**

پس اگر حضرت انسان کے قلب کی مشارکت سے محمود الفاظ وحروف کی بلیغ ترکیبیں ملائکۃ الرحمن انسان سے بنوائیں تو ایسے کلام کو الہام ربانی کہتے ہیں اور اگر قلب

انسانی کی مشارکت سے مذموم جملے شیاطین زبان پر بُلوائیں ایسے کلام کو الہامِ شیطانی اور قول الزور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ جس طرح کواکب و سیارات عالمِ ظاہر پر بحکم اللہ زمین کی ہر پیداوار میں بی کی حیثیت رکھتے ہیں اسی طرح کواکب و سیارات بواسطہ الفاظ و حروف عالمِ باطن میں بھی قلبِ انسانی میں باذن اللہ اپنے اثرات دکھلایا کرتے ہیں۔

بعض الفاظ روح پر اثر ڈالتے ہیں اور بعض جسم پر

پھر بعضے الفاظ اور حروف تو وہ ہیں جو براہِ راست جسم پر مؤثر ہوتے ہیں اور اُسکے واسطہ سے قلب میں نفوذ کرتے ہیں اور بعض الفاظ و حروف اور اُن کی ترکیبیں ایسی ہیں جو براہِ راست قلب و روح پر مؤثر ہوتی ہیں۔ مثلاً کلامِ بلیغ اور بہترین اشعار ترنّم اور تغزل کے ساتھ اگر پڑھے جائیں تو روح پر سکر طاری ہو جاتا ہے۔ اور خدا کا کلام نورانی اگر سُنایا جائے تو قلب و روح ابدی لذّت سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور بعض عملیات کے جُملے اور حروف وہ ہیں جو براہِ راست جسم پر اثر انداز ہوتے ہیں مثلاً تلّی کاٹنے کا عمل جب پڑھا جاتا ہے تو جونہی عامل کی زبان سے اس عمل کے الفاظ و حروف جاری ہوتے ہیں تو مریض کے پیٹ میں ایک قسم کا قراقر شروع ہو جاتا ہے اور عامل جتنا حصّہ تلّی کا خارج میں کاٹ دیتا ہے اُسی قدر بدن میں تلّی کا حصّہ کم ہو جاتا ہے۔ اور وہ پیشاب کے راستہ سے بہ نکلتی ہے سو دیکھیے یہ الفاظ براہِ راست جسم پر مؤثر ہوئے اور وہ روح پر۔ اسی طرح جب کلماتِ سحر کا ورد انسان کرتا ہے اور اپنے قلب میں جب اِن کلمات کی روح پیدا کر لیتا ہے تو جونہی عامل اور جادوگر عمل پڑھتا ہے تو فوراً معمول کے اجزائے ترکیبیہ میں اختلال و فتور شروع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اگر الفاظ کے اثرات شدید ہوتے ہیں تو معاً ہی انسان ختم ہو جاتا ہے۔ اور جو ہلکے ہوتے ہیں تو مدّتِ مقررہ کے بعد ضائع ہو جاتا ہے۔

الفاظ ناری و نوری

حاصل یہ ہے کہ الفاظ و حروف کی شدّت و ضعف اور اُن کے ناری و نوری ہونے کے اعتبار سے اُن کے متعدد مراتب و درجات ہیں اور عالمِ امر میں ہر ایک حرف کی ایک روح ہے پس علمِ الٰہی کے مقدّس الفاظ و حروف اور اُسکی ترکیبِ بلیغ تو عالمِ الفاظ و حروف میں اُس مرتبۂ اعلیٰ کا نام ہے جس سے بڑھکر جامع اور تدریجی اثر اور کسی ترکیب میں نہ ہو اور جس کلامِ پاک سے عالَم کی کایا پلٹ ہو جائے۔ اور سحر اُن کلماتِ کفریہ کا نام ہے جو اپنی شدّت و جودت کے لحاظ سے انسان کے روح و جسم میں فساد ڈالدیں اور اپنی غیر طبعی و غیر تدریجی قدرت و قوت کی بناء پر عالمِ ارواح میں طوفانِ ہیجان برپا کر دیں اور ان کلماتِ سحر کی شدّت و جودت سے قلبِ انسانی میں جو تموّج و تلاطم برپا ہوتا ہے اُسکی کیفیت بعینہٖ ایسی طرح پر ہوتی ہے

جیسے اس عالم میں مثلاً عناصر اربعہ میں تموّج و تلاطم آ جائے۔

حملۂ طوفانِ سحر اور اُسکی مثال

جیسے سمندر میں جب طوفان اُٹھتا ہے یا ہوا میں جب بگولا بنتا ہے یا مادۂ خاکی وناری میں جب تموّج و طوفان بپا ہوتا ہے تو جو بھی اُن کے لپیٹ میں آ جائے وہ اُن ہی کے چکر میں پھنس جاتا ہے۔ مثلاً سمندر کی طوفان خیز موجیں جب اُٹھتی ہیں تو ہر چہار طرف سے جہاز کو گھیر کر اُس کے کیل پُرزے الگ الگ کر ڈالتی ہیں اور ہوا کا طوفان جب آتا ہے تو مکانات کی مُنڈیروں تک کو لے اُڑتا ہے یا طوفانِ ناری جب پھیلتا ہے تو اُسکی زد سے بڑے بڑے عالیشان محلات دَم کے دَم میں خاک و سیاہ ہو جاتے ہیں۔ علیٰ ہذا طوفانِ ارضی یعنی زلزلہ جب آتا ہے تو شجر و حجر جن و انس سب ہی لرز اُٹھتے ہیں

تشبیہ اثراتِ سحر

اسی طرح معاذ اللہ عالَمِ ارواح میں بھی جب کسی انسان کی روح پر ساحر کے کلماتِ سحر کا طوفان آتا ہے اور اثراتِ کواکب و سیّارات ساحر کے الفاظ و حروف کے سانچوں میں بند ہو کر جب کسی کے خرمنِ روح پر بجلی کی طرح کڑک کر گرتے ہیں تو یہ طوفانِ سحر عام ارواحِ انسانی کو ایسی ہی طرح چاروں سمتوں اور چاروں مادوں اور چار خلطوں سے جکڑ دیتا ہے جیسے عورتیں کسی دھاگہ میں گول گرہ لگا دیں اور ایسی ہی طرح سحر انسان کے شجرِ وجود پر مؤثر ہوتا ہے جیسے کسی درخت پر برف باری ہونے سے اُس کا وجود اور نشو و ارتقا خطرہ و ہلاکت میں پڑ جائے۔



بحالتِ سحر انبیاء و اُمّت کا باہمی فرق

جیسے درخت پر جب برف باری ہوتی ہے تو اگر وہ ضعیف القویٰ اور نحیف الروح ہے تو فوراً ہی ختم ہو جاتا ہے۔ البتہ درخت اگر قوی الروح اور مضبوط القویٰ ہے تو برف باری سے روحِ شجر کوئی صدمہ محسوس نہیں کرتی۔ بہت سے بہت اگر کبھی اثر ہوتا ہے تو صرف اتنا ہی کہ درخت کے جسم پر کچھ ذرا سا اثر آ جائے اور اُس کے چند پتّے زرد ہو جائیں۔ اسی طرح انبیاء علیہم السّلام پر اگر سحر کیا جائے تو اوّل تو مؤثر نہیں ہوتا لیکن اگر بہت ہی شدید ہو تو گرد و غبار کی طرح حضرات انبیاء علیہم السّلام کے لباسِ بشریت پر بمقتضائے بشریت کچھ اثر انداز ہو سکتا ہے مگر قوائے ملکیہ و عقلیہ قطعاً متاثر نہیں ہوتے۔ کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السّلام روحانیت میں اپنی نوع کے کل افراد سے بہت ہی اعلیٰ و اشرف ہوتے ہیں البتہ اُمّت کے اجسام و ارواح دونوں سحر کی زد سے نہیں بچ سکتے۔

سحر مجموعۂ اثراتِ کفریہ کا نام ہے

اور ان اثراتِ سحر کو عام اثراتِ کفریہ سے وہی نسبت ہے جو برف کو بارش سے نسبت ہوتی ہے۔ جیسے درخت پر اگر موسلا دھار بھی بارش کیوں نہ ہو مگر درخت پھر بھی اُس سے متوحّش

نہیں ہوتا بلکہ بارانِ رحمت کا طالب و عادی ہونے کی وجہ سے اُس سے فیض و برکت ہی پاتا ہے لیکن اگر وہی بھاپ جو انجام کار بارش کی صورت میں پھر زمین پر واپس آتی ہے حضرت رعد کی زمہریری مشین میں منجمد ہو کر اولہ و برف کی شکل اختیار کرتے ہوئے درخت پر گر جائے تو درخت ہرگز اس بوجھ کے اُٹھانے کا متحمّل نہیں ہوتا اور اس نا قابلِ برداشت کیفیت سے اسکے صدمہ کی کوئی انتہا نہیں رہتی اور اگر بروقت باغبان کی طرف سے تدارک عمل میں نہ آئے تو درخت بسا اوقات اپنی جان دے بیٹھتا ہے اور ایسا تو بکثرت دیکھنے میں آتا ہے کہ ضعیف القویٰ درختوں کی ترقی و روئیدگی میں تنزل کی پیچیدہ گرہ لگ جاتی ہے جو پھر بڑی مشکل سے کھلتی ہے۔ اسی طرح عام اثراتِ کفریہ اور مخصوص اثراتِ سحر کا حال ہے کہ عام اثراتِ شیطانی سے تو انسان زیادہ مبتلائے اذیت نہیں ہوتے بلکہ خطرات و وساوس کے فی الجملہ عادی ہونے کی وجہ سے اُسکی طرف اکثر انسان ملتفت بھی نہیں ہوتے لیکن وہی عام اثراتِ باطلہ جب کواکب و سیّارات اور تسخیر جنات و شیاطین کی قوتوں میں ممزوج و منجمد ہو جاتے ہیں تو پھر اُن کا تحمّل عام ارواحِ انسانی سے کسی طرح بھی نہیں ہوتا اور وہ کسی طرح بھی اُن کو رد نہیں کر سکتیں جب تک مددِ خداوندی شاملِ حال نہ ہو اور نورِ محمدی اُنکی مقاومت و مدافعت نہ کرے۔ ۴۰

**علم سحر کے اجتماع کی ضرورت علم قرآن کے ساتھ اور اُس کی حکمت**

الغرض اِس علمِ فتنہ کا علم سکینہ کے ساتھ اس طرح اس عالم میں جمع ہونا ایسا ہی ہے جیسے ہم اپنے باغوں میں شیریں پھلوں کے پودے بھی نصب کرتے ہیں اور باغ کے چاروں طرف باڑھ کے لئے خاردار درخت بھی لگایا کرتے ہیں لیکن ان متضاد درختوں کے نصب کرنے سے ہمپر کوئی نکتہ چینی اور حرف گیری نہیں ہوتی بلکہ ہمارا یہ عمل سراسر حکمت پر مبنی سمجھا جاتا ہے اسی طرح علم الٰہی کے ساتھ علم باطل کا جمع کیا جانا بھی عالم کے لئے سراسر موجب امتیاز و ہدایت ہی ہے

**بخاراتِ شیطانی کا صعود اور انوارِ تعوّذ کی بارش**

اور اُن میں سے ایک کو دوسرے کی ضرورت بعینہٖ ایسی ہی طرح پر ہے جیسے زمین کو فضلِ ربی حاصل کرنے میں بخارات و ابخرات اور سورج کی تیز تیز شعاعوں کی حاجت ہوا کرتی ہے چنانچہ اس عالم میں جب بخارات زمین سے اُٹھتے ہیں جب ہی آسمان سے بارش برستی ہے اور جب تک تمازتِ آفتاب زمین کو خوب گرما نہیں لیتی تب تک بادل کے پرے اور ٹکڑے اپنا دستِ فیض وا نہیں کرتے۔ اسی طرح علوم باطلہ کے بخارات و ابخرات نے بھی جب عالمِ ارواح میں بجانب قبلۂ حکمت و کعبۂ آسمانِ نعت حضرت فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم صعود کیا تب ہی حضرت حق جل مجدہٗ کی طرف سے

انوار لتوذ کی بارش برسی اور عالم میں یمن و برکت کی توفیر ہوئی۔

**اجتماع علم نافع و علم مضر سے اثبات قیامت**

اور یہ اجتماع علم فتنہ و علم سکینہ اہلِ بصیرت کو قیامت کی آمد اور اسکے وجود پر بھی متنبہ کرتا ہے۔ کیونکہ اگر عالم میں صرف علم الٰہی ہی پایا جاتا اور انسانوں میں صرف خیر ہی کا مادہ ہوتا تب بھی ایک درجہ میں یہ قرینِ عقل ہو سکتا تھا کہ شاید یہ مخلوق اس عالم میں ہمیشہ باقی رہے اور یہ عالم بھی ہمیشہ باقی رہنے والا ہے لیکن جبکہ انسانوں میں فساد کا مادّہ بھی ہے اور عالم میں اس کے نشو و نما کے لئے علم باطل بھی موجود ہے اور آفتاب اسلام کی صورت بدأ الاسلام غریباً وسیعود غریباً کے اسلوب پر بعینہٖ ویسی ہی ہے جیسے آفتاب دو ظاہری ظلمتوں کے درمیان محصور ہے اور طلوع کے وقت میں جو اسکی کیفیت ہوتی ہے غروب کے وقت بھی وہی کیفیات عود کر آتی ہیں اور یہ علم فتنہ اجزائے عالم کو ایسی ہی طرح تحلیل کرنیوالا ہے جیسے بڑھاپا انسان کی عمر و جوانی کو تدریجاً فنا کرتا رہتا ہے تو اسکے بعد قیامت پر ایمان نہ لانا اور اس عالم کو ہمیشہ یونہی مربوط و دائمی سمجھنا صرف اُنہیں کا کام ہوگا جنکو فہم سلیم سے کوئی حصّہ نہ ملا ہو۔

**۲۱ سحر کا انکار بداہت کا انکار ہے**

خلاصہ یہ ہے کہ سحر کا وجود عالم کے لئے ضروری ہے اور یہ جو مثل مشہور ہے کہ جادو وہ ہے جو سر چڑھ کے بولے وہ غلط نہیں ہے بلکہ اگر ہم غور کریں تو ہمارے دلائل و براہین ایک طرف ہیں اور اُس کا سر چڑھ کے بولنا ایک طرف ہے واقعہ یہ ہے کہ روزمرّہ کی گفتگو میں اور دن رات کے واقعات میں ہمکو سحر کا وجود نظر آتا ہے مگر چونکہ اس طرف التفات نہیں ہوتا اسلئے سحر بھی ایک افسانہ فرضی ہی معلوم ہوتا ہے

**عشق کا جادو**

دیکھیے ایک انسان کی روح جب کسی دوسرے انسان کی روح پر عاشق و گرویدہ ہو جاتی ہے تو عاشق نامراد شدتِ تعلّق کی بنا پر اور قوتِ عشقیہ کی اس متحیرانہ کیفیت کی وجہ سے اپنے محبوب سے کسی آن اور کسی حال بھی جُدا ہونے کو پسند نہیں کرتا۔ اور اپنے محبوب سے ایسی ہی طرح وابستہ رہتا ہے جیسے مقناطیس پر لوہا چپک جاتا ہے۔ اور قلب حبیب میں محبوب کے حسن و جمال اور محبّت و الفت کی گرہ کچھ اس طرح سے لگجاتی ہے جیسے ہم اور آپ کسی چیز کو مضبوط باندھنے کے لئے اُسمیں گول گرہ لگا دیا کرتے ہیں یا عورتیں گنڈہ بناتے وقت دھاگہ میں پیچ لگا دیا کرتی ہیں حالانکہ عاشق کی خلقت اور اُس کا مزاج طبعی اور ہوتا ہے اور محبوب کی خلقت اور اُس کے اخلاق باطنی اور ہوتے ہیں مگر اس اختلاف کے باوجود جب یہ روح فرسا اور ہوشربا علاقہ قائم ہو جاتا ہے تو پھر لاکھ دُنیا کے مدبّر و زیرک سمجھائیں مگر خانۂ فہم میں کسی کی بات بھی نہیں اُترتی اور

نورِ عقل کو کسی طرف سے بھی خانۂ فہم میں داخل ہونے کی راہ نہیں ملتی۔

**آواز کا جادو** یا مثلاً جب کسی خوش الحان خوش گلو کے ترنم ریز اور مست کُن راگ اور نغمے ہم سُن لیتے ہیں تو ہماری روح بیقرار ہو کر اپنی تدبیر سے بے خبر ہو جاتی ہے اور دل میں ایک سنسنی پیدا کر دیتی ہے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور روح اپنی تمامتر توجہ سے اسی سامعہ نواز نغموں کی طرف محوِ حیرت بنجاتی ہے اور انسان تو پھر انسان ہی جانور تک اس کیفیتِ داؤدی سے متاثر ہو کر مطرب کے ساتھ ساتھ ہو لیتے ہیں۔

**کلام کا جادو** علیٰ ہذا ایک قوتِ گویائی رکھنے والا شخص جب فرضی قصے بھی سُنانے لگتا ہے تو واقعی دلوں کو مسخر و متاثر کر لیتا ہے۔

**روپیہ کا جادو** یا مثلاً ایک شخص ہمارے ساتھ روپیے پیسے کا احسان کرے تو بمقتضائے شرافت گویا وہ ہمارے دل و دماغ کا مالک بنجاتا ہے اور یہ احسان کا جادو ہم پر ایسا مسلط ہو جاتا ہے کہ پھر ہمیں محسن کے اتباع و تقلید میں جائز و ناجائز تک سے بسا اوقات بحث نہیں رہتی روزمرّہ کے واقعات محسن کے واقعی عیوب کا نقشہ کیسا ہی صاف و صریح کیوں نہ پیش کریں مگر دل و دماغ ٹس سے مس تک نہیں ہوتے۔ غرض روپیہ کا جادو کچھ اس بُری طرح سے انسان پر مسلط ہوتا ہے کہ اسکی بدولت ضمیر کی آزادی وغیرہ سب فنا ہو جاتی ہے اور کتنی ہی تغلیط پھر ہم سحر کی کیوں نہ کریں لیکن اس جال میں پھنس جانیکے بعد بڑے سے بڑے انسان کو اسکا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ سحر ایک واقعی چیز ہے تو اب غور اسپر کرنا چاہیئے کہ آخر عاشق و محبوب کے درمیان یہ شدید علاقہ کیوں ہے کہ ایک منٹ کو بھی عاشق کو اپنے محبوب سے جُدائی شاق ہے اور محبوب کو جیب سے روکنے کی صورت میں جیب کی آنکھوں سے دریائے اشک رواں ہو جاتا ہے۔ یا خوش گلو کی آواز کا جادو انسان کو کیوں گرفتار کر لیتا ہے اور محسن کا احسان اور مقرر کی تقریر کیوں انسان کو بندۂ بے درہم بنا دیتی ہے۔ ٢٢

**سحر علم غلط کی دلفریب صورتیں** سو جہاں تک ہمنے غور کیا اسکی وجہ بجز اس کے کچھ سمجھ میں نہیں آتی کہ عاشق کی نظر میں اور اسکے علم و یقین میں اپنے محبوب سے بہتر عالم میں کوئی خوبصورت نہیں ہوتا اور گو واقع میں سکا یہ علم و یقین غلط ہو کیونکہ دنیا میں حسن و جمال کسی ایک پر ختم نہیں کیا گیا بلکہ ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے، مگر عاشق محوِ حیرت سے جب پوچھیں گے تو یہی کہیگا کہ میرے محبوب سے بہتر دنیا میں کوئی خوبصورت نہیں اور اگر اس کیفیتِ عشق میں انسان واقعی اپنے محبوب سے بہتر دوسرے کو سمجھے تو کبھی یہ علاقہ ہوشربا قائم نہ رہی۔ یا جب آواز کا جادو انسان کو محوِ حیرت بنائے ہوئے ہو عین اس محویت کے عالم میں اگر آپ پوچھینگے کہ جنابمن آپکی

روح پر سکر تفنی کیسا ہے تو لم آخر میں اِس آواز پر مفتون ہونے کی یہی نکلیگی کہ سامع اپنے علم ولقین میں
اُسوقت اُس سے بہتر کسی کی آواز کو نہیں پاتا حالانکہ واقعہ یہ ہوتا ہے کہ عالم میں دوسرے خوش گلو اس سے
ہزاروں درجہ بڑھے ہوئے پائے جاتے ہیں۔

علم کا جادو

علیٰ ہذا محسن کا احسان انسان کو محض اسلئے دباتا ہے کہ انسان یہ سمجھتا ہے کہ روپیہ میری تمام
حاجتوں سے مجھے مستغنی کردینے والا ہے اور اس سے عالم میں قدر ومنزلت اور بےفکری نصیب ہوتی ہے لیکن
آج اگر انسانوں کو اسکا یقین ہوجائے کہ سیم وزر قاضی الحاجات کے نائب نہیں ہیں اور عالم کے کاروبار ان سے
چلنے والے نہیں تو پھر ذرا بھی حصولِ زر کی طرف کسی کی توجہ نہ رہے اور محسنوں کا کوئی بھی شکر گذار اور عالم
میں کوئی بھی ممنون ومشکور نہ پایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جن اہل اللہ نے واقعی اس حقیقت کو سمجھ لیا ہے
کہ سیم وزر سے دل لگانا یا اُسی کے حصول میں زندگی گنوا دینا ذرا بھی سودمند نہیں اُن کی نظر میں روپیہ
اور ٹھیکرے دونوں یکساں ہوتے ہیں اور یہ استغنا کا مرتبہ تو بہت ہی اعلیٰ مرتبہ ہے۔ جو ہر کس وناکس کو
میسر نہیں ہوتا اسی لئے عام طور سے اسکی حقیقت سے لوگ واقف نہیں ہوتے مگر میں ایک دوسری کیفیت
پیش کرنا چاہتا ہوں دیکھئے ہمکو کرنسی نوٹوں سے بعینہ وہی تعلق ہوتا ہے جو روپیہ پیسے سے ہوتا ہے لیکن اسکی
وجہ بجز اسکے کچھ نہیں کہ یہ کرنسی نوٹ گو سیم وزر نہیں مگر اُن کے صحیح قائم مقام ضرور ہیں۔ یہی وجہ ہے
کہ ایک انگریز اگر ایک لاکھ روپیہ کے ڈھیر کے مقابلہ میں ہمکو چند انچ لمبا اور چند انچ چوڑا مطبوعہ چاک
اور کاغذ دیدیتا ہے جسمیں حکومت نے یہ ضمانت کی ہو کہ یہ ایک لاکھ کا ڈھیر حسب الطلب ہمیں پھر واپس ملسکتا
ہے تو ہم اسکو بخوشی لیکر محفوظ کرلیتے ہیں اور ذرا بھی پس وپیش نہیں کرتے۔ کیونکہ ہمیں اس کا کامل یقین ہوتا
ہے کہ ہم اپنے ملک کے جس خطہ اور جس حصہ میں بھی چلے جائینگے اس چھوٹے سے کاغذ کے پرزے سے اپنا
سونا اور چاندی واپس لے لینگے۔ لیکن آج اگر ذرا بھی شبہ ہمکو اپنے علم میں ہوجائے کہ یہ کاغذ کا پرزہ
ایک لاکھ روپیہ کا صحیح قائم مقام نہیں ہے تو پھر دیکھئے کہ کیسے دھڑا دھڑ کرنسی نوٹ اور ہنڈیوں کے
روپیے بھنانے میں نفسی نفسی کا عالم ہوتا ہے پس جبکہ ہمارے اور تمہارے علوم میں یہ اثر اور جادو ہے کہ
خیالات میں زمین وآسمان کا فرق ہوجاتا ہے۔ ایک وقت میں اگر ہم کسی کو بُرا سمجھتے ہیں تو اُسی کی بدولت
دوسرے وقت میں ہم اُسے اچھا سمجھنے لگتے ہیں تو جنات وشیاطین اور علوی مخلوق کا علم تو انسان
سے کہیں زیادہ ہے۔ اُن کے قبضہ میں تو قوتِ متخیلہ زیادہ آنی چاہیئے۔

**علم انسانی پر قبضۂ جنات ہو جانا اور اُسکے آثار و نتائج**

یہی وجہ ہے کہ جب انسان کی روح پر جنات و شیاطین کے علوم کا پرتو پڑ جاتا ہے تو اُن کے قوی الاثر اور سریع النفوذ ہونے کی وجہ سے انسان وہی دیکھتا اور وہی سمجھتا ہے جو یہ مخفی مخلوق دکھاتی اور سمجھاتی ہے اور اس حالت میں تدبیر جسم میں روح انسانی آزاد و مختار نہیں رہتی بلکہ تحت المشیۃ روح کی باگ ڈور کچھ عرصہ کے لئے ساحر اور اُسکے معینہ مؤکلوں کے ہاتھوں میں چلی جاتی ہے۔

**بحالت سحر تدبیر جسم میں روح آزاد نہیں رہتی**

اور ساحر و جنات و موکلین کی جبلت میں چونکہ فساد و ظلم کا مادہ ہوتا ہے لہذا جب تدبیر جسم اُن کے زیر اقتدار آجاتی ہے اور روح انسانی اُن کے تابع فرمان بن جاتی ہے تو جو منشا اُن کا ہوتا ہے وہی روح پورا کرنے لگتی ہے مثلاً اگر ساحر کا منشا یہ ہے کہ جسم پر جذام کا مرض لگ جائے تو روح حسب عطائے اختیار الٰہی ویسا عمل شروع کر دیتی ہے اور اگر اُن کا منشا یہ ہوتا ہے کہ روح اپنے جسم کو چھوڑ دے اور عداوت کی راہ سے اپنے جسم کا خود قلع قمع کر دے تو روح ایسا ہی عمل کر کے حسب اجازت و قدرت الٰہی اپنے جسم کو چھوڑ دیتی ہے اور اس عالم سے بے خبر ہو جاتی ہے۔

**کسب علوم شیاطین و جنات اور اُس کے مضر نتائج**

۳۴ اس تقریر سے بحمد اللہ یہ پوری طرح واضح ہو گیا کہ جنات و شیاطین کے علوم سے جب روح انسانی کسب و اکتساب شروع کر دیتی ہے تو درطۂ ہلاکت و ضلالت میں پڑ جاتی ہے اور پھر اُسکو عالم میں وہی دکھلائی دیتا ہے جو جنات و شیاطین اُسکو دکھلاتے ہیں چنانچہ مسحور عشق سے اگر ساحر عشق یہ کہتا ہے کہ اے تو گرفتار میں جب تجھ سے راضی رہونگا جب تو کفر میں میرا ہم مشرب بنجائے اور یہ اقرار کرے کہ (معاذ اللہ) یہ کارخانۂ عالم محض عناصر اربعہ کی قوت ہی سے چل رہا ہے یا خدا ایک نہیں تین ہیں - یا ایک ہی ہے مگر کائنات کے مجموعہ سے الگ نہیں ہے تو یہ مسحور عشق بلا تکلف اِن خلاف واقع باتوں کو تسلیم کر کے ان عقائد کفریہ کا اقرار کر لیتا ہے اور تبدیل مذہب میں ذرا پس و پیش نہیں کرتا اور کتنا ہی کیوں نہ سمجھاؤ کسی طرح نہیں سمجھتا۔

**سحر کی تاریخی حیثیت اور قرآن حکیم کی صداقت**

گو اس قدر عرض سے بھی اصل بحث پر بحمد اللہ کافی روشنی پڑ چکی ہے تاہم مناسب ہے کہ تاریخی حیثیت سے بھی سحر کے وجود اور اُسکی حقیقت پر کچھ روشنی ڈالی جائے اور بتلایا جائے کہ وہ تخیل محض یا ایک افسانہ فرضی ہی نہیں ہے بلکہ اپنے اندر بڑے بڑے کرشمے اور قوتیں رکھتا ہے یہ علیحدہ چیز ہے کہ اس کی تحصیل میں انسان بھٹک جائے لیکن کسی واقعی علم و فن کا انکار پھر وہ بھی ایسا علم

جس کا مشاہدہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا اور آپ کے اوپر سے اِن آثار کو زائل کرنیکے لئے معوذتین کا نزول ہوا کسی طرح بھی خلاف واقع اور قصہ فرضی نہیں ہوسکتا۔

سحر کی یہ تاریخی معلومات جنکو ہم ذیل میں درج کرینگے سنسکرت کے بعض فضلاء سے ہمکو حاصل ہوئی ہیں جو تاریخی اعتبار سے بالکل مستند ہیں اور اُن کا ماخذ اصلی سنسکرت کی کتاب "اسکنڈ پران" ہی ہے۔

سحر کفار کا علم سمجھا جاتا ہے اسلئے اُسکی حقیقت اُنہی سے معلوم کرنی چاہیئے

چونکہ اس علم میں کفّار کو زیادہ شغف ہوتا ہے اور لوگ اس علم کو بیشتر اُنہی کیطرف منسوب کیا کرتے ہیں اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس علم کی حرمت کی حکمت و ممانعت پر غور کرنے سے قبل اسکی تحقیق غیر مسلموں ہی سے کیجائے اور پھر ممانعت کی حکمت پر غور کیا جائے بالخصوص ایسی صورت میں کہ یہ امر مسلّم ہے کہ اہلِ ہنود تاریخی اعتبار سے سب مذاہب سے قدامت رکھتے ہیں اور اُنکی تاریخ بہت قدیم تاریخ ہے۔

پھر سحر تو اہلِ ہنود کے ہاں خاص شہرت و اہمیت رکھتا ہے۔ بلکہ اگر اُن کے مذہب کا ایک اہم حصّہ اُسکو کہا جائے تو شاید بیجا نہ ہوگا اسلئے اب اسکنڈ پران کے اقتباسات کو درج کرکے اُن سے حقانیت اسلام کو ثابت کرنا ایسا ہی ہوگا جیسے کسی شیریں درخت کو خوش ذائقہ اور قوی تر بنانے کے لئے اُس میں کھاد اور کچرے کی قوت دیا کرتے ہیں۔



سحر کی ابتدا کس ملک سے ہوئی

ہندو تاریخ کے اعتبار سے علم سحر کی ابتدا ایران سے ہوئی ہے اور یہ علم ایران ہی سے ہندوستان و عرب میں پھیلا ہے ایران میں ایک قوم تھی جسکو "مگ" کہتے تھے یہ لوگ نسلاً برہمن تھے مگر مذہباً زردشت کے پیرو تھے۔ انگریزی زبان میں اسی مگ قوم کا "میجک" یا "میجس" بنا لیا گیا۔ اور سنسکرت میں اس کا نام "مای گگ" ہے جسکے معنی ہیں مگوں کا علم۔ جب سری کرشن کا بیٹا سام (جو ہندو تحقیق کے مطابق حجاز گیا اور وہیں آباد ہوا اور یہ موجودہ عرب کی نسل سام ہی کی نسل ہے اور فلسطین میں بھی اُسی کی نسل چل رہی ہے اور وہاں سے چلتے چلتے افغانستان تک پہنچی ہے۔ چنانچہ افغانستان کی درانی و غلزئی قوموں میں سے غلزئی قوم اسی سام کی نسل ہے اور اسمیں بہت سی علامتیں ابتک ایسی ہی پائی جاتی ہیں) جذام کی بیماری میں مبتلا ہوگیا تو ہندوستان کے رشیوں کو بُلا کر اُن سے جذام کا علاج پوچھا گیا اُن سب رشیوں نے کہا کہ ہمارے پاس تو اسکا کوئی حکمی علاج نہیں ہے البتہ ایران میں ایک قوم ضرور ایسی موجود ہے جو اپنے علوم کے زور سے اس بیماری کو اچھا کردیتی ہے چنانچہ ایران سے

مگ قوم کے چند لوگ بلائے گئے۔ ان لوگوں نے ہندوستان میں پہونچکر اپنے علم کے قواعد کے مطابق سام سے سورج کی پرستش کرائی جس سے سام کی بیماری مٹ گئی اور وہ اچھا ہو گیا لیکن ہمارے دوست فاضل سنسکرت کا خیال یہ ہے کہ غالباً اس ایرانی قوم نے سام سے سورج کی پرستش اور پوجا نہیں کرائی تھی بلکہ سورج کی شعاعوں سے جذام کا علاج کرایا ہوگا جیسا کہ حال کی تحقیقات سے اہل سائنس کو اس کا علم ہوا ہے کہ جذام کی بیماری میں سورج کی شعاعوں کو خاص طور پر دخل ہے چنانچہ اب ایک علاج بھی اس قسم کا جاری ہوا ہے جسمیں سورج کی شعاعیں بدن میں سائنٹفک طریقہ سے پہونچا کر مرض کو دور کیا جاتا ہے۔ غالباً سام کو عبادت ہی کی وضع سے دیر تک سورج کی شعاعیں اپنے جسم پر لینے کے لئے بٹھایا جاتا ہوگا کہ جس سے عوام کو پرستش آفتاب کا شبہ ہو گیا اور یہی مشہور ہو گیا۔ جسکی بنا پر ہندو تاریخوں میں بھی یہی لکھا جانے لگا۔ نیز مگ قوم خود بھی چونکہ زردشت کے مذہب پر آفتاب کو پوجنے والی تھی اور سام انکی ساتھ رہتا تھا اسلئے بہت ممکن ہے کہ سام اُن کی ساتھ عبادت میں شامل ہو جاتا ہو اور پوجا پاٹ کے وقت محض معیت ہی سے سمجھ لیا گیا ہو کہ سام بھی اُن کا شریک مذہب ہو گیا ہے۔

۲۶

**قوم ساحرین کی آمد ہندوستان میں کیونکر ہوئی**

بہر حال سورج کی پوجا کرائی گئی ہو یا سام کا علاج سورج کی شعاعوں سے کیا گیا ہو نتیجہ اسکا یہ ہوا کہ سام اس بیماری سے اچھا ہو گیا اور اُسنے اپنی صحت کی یادگار اور خوشی میں ملتان میں سورج کا ایک مندر بنایا جس کا پوجاری انہی مگوں کو مقرر کیا اور اُنہی کے ذمہ اُسکے سب کام سونپ دئے۔ یہ مندر سالہا سال تک صحیح و سالم رہا مگر محمود غزنوی کے حملۂ ہندوستان کے وقت میں یہ منہدم کیا گیا۔ الغرض جب یہ مگ لوگ ملتان میں آباد ہو گئے اور اُن کو ضرورت نکاح بیاہ کی پیش آئی تو ملتان کے ہندوؤں نے اُن کے سورج پرست اور غیر مذہب ہونے کی وجہ سے اُن کو اپنی لڑکیاں دینے سے انکار کر دیا تب سام نے اپنے بھائی بندوں کی چھوکریاں اُن سے بیاہ دیں اور اس طرح اُن کی نسل ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پھیل گئیں۔ چنانچہ اجمیر اور دیپور راجپوتانہ میں یہ قوم ابتک چلی آتی ہے۔ اور اُس قوم کو اب سیوک اور بھوجک کے ناموں سے پکارا جاتا ہے۔

بہر حال جب یہ لوگ ایران سے ہندوستان آئے تو اپنا علم (جادو) بھی ہمراہ لائے اور ہندوستان کے لوگوں نے اُسکو سیکھنا شروع کیا اور اس کا چرچا ہو گیا۔ اصل میں تو یہ علم جوگیوں کا علم تھا لیکن جوگی

چونکہ عام طور سے لوگونکو نہ بتلاتے تھے اور اُن کو بتلانے کی ممانعت بھی تھی اسلئے کہ اس علم کے جملہ مقامات
کا طے کر لینا ایک بڑا ہی دشوار اور کٹھن کام تھا۔ اور چونکہ ایران سے جو مگ لوگ آئے تھے اُن کا مقصود
خدا سے ملنا نہ تھا بلکہ وہ اس علم کے چند مراتب اور مقامات اسلئے طے کر لیتے تھے کہ کچھ کرشمے سیکھ جائیں اور
لوگوں کو اپنے کرشمے دکھلا کر مفتون و مسحور کر لیں اسلئے اُنہوں نے نئے نئے کرشمے دکھلا کر لوگونکو اپنا
معتقد اور گرویدہ بنا لیا۔

**علم سحر کا اصول ہندو دھرم کے اعتبار سے**

اس علم کے اصول میں سے ایک اصل یہ ہے کہ انسان اپنے دل پر مخصوص و معتینہ طریقوں سے کامل قابو پاتے ہوئے روح کی جملہ طاقتوں سے دوسروں پر اثر ڈالے۔

**علم سحر کی آٹھ اسٹیجیں ہندو مذہب کے اعتبار سے**

چنانچہ اس علم کے کسب و ریاضت کے آٹھ مقامات ہیں جن کے طے کرنیسے انسان اِس علم و فن کا مکمل ماہر ہو جاتا ہے ہر ایک مقام پر پہونچنے کے لئے کم از کم چھ ماہ کی مشق و ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے:-

**پہلا مقام یم** ( انسدادِ پراگندگی خاطر ) اُن میں سے پہلا مقام یم ہے جسکے معنے یہ ہیں کہ دل کو ادھر اُدھر بھٹکنے نہ دیا جائے۔ اور پراگندگی خاطر سے اُسکو بچایا جائے۔ کیونکہ پراگندگی روح کے لئے بیحد مضعف ہے اور خیالات کی تشویش پراگندگی خاطر کا باعث ہے۔ ۲۷

**دوسرا مقام نیم** ( ضبط اوقات ) یعنی ضبطِ اوقات کے ساتھ ہر کام کا کیا جانا۔ مطلب یہ کہ صبح سے شام تک جو کام بھی ہوں معین ہوں اور وقتِ مقررہ پر ہوں۔ تشتت کار و اختلافِ احوال نہو اور جیسی خدائی انتظام میں جو وقت جس چیز کا مقرر ہے ٹھیک اُسی وقت پر وہ ہوتا ہے اسی طرح یہ روح کی قوتوں کو حاصل کرنیوالا شخص بھی اپنے اوقات کو ایسا ہی منضبط کرے اور منٹ بھر کا فرق نہ آنے دے۔ کھانا، پینا، اُٹھنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا ہر ایک کی ایک مقدار معین ہو پھر نہ اس سے کم ہو نہ زیادہ۔ پیشاب پاخانہ اپنے اپنے وقت پر ہونا چاہیئے تاکہ صحت میں خرابی نہ آئے۔ غذا قلیل، اور سریع الہضم ہو اور اور بتدریج غذا کو کم کرتے کرتے بالکل ترک کر دیا جائے پیشاب اول ہونا چاہیئے اور پاخانہ اُس کے کچھ دیر بعد ہونا چاہیئے۔ وجہ اس عادت ڈلوانے کی ہندو دھرم یہ بتلاتا ہے کہ اگر پاخانہ پیشاب ساتھ آئے گا تو بیشتر اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مرتے وقت دست آتا ہے اور روح اسی راستہ سے نکلتی ہے اور یہ علامت

روح کی ناپاکی اور عدم نجات کی سمجھی گئی ہے۔

تیسرا مقام آسن ہے (اصول نشست و برخاست) یعنی بیٹھنا۔ یوں تو ہر شخص بیٹھتا ہے جس طرح اس کا جی چاہتا ہے مگر اس علم میں چوراسی آسن بتلائے گئے ہیں۔ اُن کے موافق نشست و برخاست ہونی چاہیئے اُن کے نزدیک روح کی قوت و ضعف مسرت و غم میں بہت بڑا دخل نشست و برخاست کو ہے اور انسان کے اندر ریڑھ کی ہڈی ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ چونکہ قدرت نے اُسکو سیدھا بنایا ہے اور یہ ہڈی دماغ سے نکلی ہے پس اگر نشست و برخاست میں اُسکو سیدھا رکھنے کا التزام کیا جائیگا تو اس سے عقل و شعور میں اضافہ ہوگا اور دل میں جو بھی خوشی آئیگی وہ برابر قائم رہیگی لیکن اگر نشست و برخاست میں جلد جلد تبدیلی عمل میں آئیگی یا اُسکو خمیدہ رکھا جائیگا تو جو خیال بھی دل میں قائم ہوگا یا جو خوشی بھی آئیگی وہ جلد ہی ختم ہو جائیگی اور روح قوی نہ ہوگی۔ عقل و شعور کمزور ہوتے چلے جائیں گے۔ اسی لئے چوکڑا مار کر بیٹھنا اُن کا پہلا آسن ہے۔ اور ایک آسن ہندو دھرم میں ایسا بھی ہے جیسے مسلمانوں کے ہاں نماز کا قعدہ ہوتا ہے کہتے ہیں کہ اس آسن کو شیر کی نشست سے بنایا گیا ہے تاکہ بہادری و توانائی پیدا ہو۔

۴۸ چوتھا مقام پرانایام ہے (حبس دم) یعنی سانس کو روکے رکھنا جسکو صوفیائے اسلام حبسِ دم کہتے ہیں یہ آسن کی صحت پر موقوف ہے اگر آسن درست ہوگا تو حبسِ دم میں بھی دشواری نہ ہوگی نہیں تو منفعت کے بجائے مضرت ہوگی۔ اور یہ باہم ایک دوسرے کے موقوف و موقوف علیہ ہیں حبسِ دم کب ہوگا جبکہ ضبطِ اوقات کا عادی ہو اور دل کا خیال اِدھر اُدھر نہ ہو یہ مشق بڑھائی جائے یہانتک کہ غذا سے یہ سانس کی محبوس قوت مستغنی کردے۔ چنانچہ جوگی لوگ محض سانس کی قوت پر سالہا سال تک جیتے ہیں۔ پیٹ کی دونوں جانبوں سے سانس کو اسطرح نکالتے اور داخل کرتے ہیں جیسے لوہار اپنی دھونکنی سے ہوا کو داخل و خارج کیا کرتا ہے اور یہ مشق کے بعد ہی ممکن ہے۔

پانچواں مرتبہ پرتیاہار (ظہور خوارق عادات) یہاں تک تو مشق تھی اب ان چاروں درجوں کی مشقت کا ابتدائی ثمرہ حاصل کرنے کے لئے اسکی ضرورت ہے کہ آنے اور جانے والے دونوں سانسوں کو ایک ساتھ ملائے اور اس ریاضتِ شاقہ پر قادر ہونے کے بعد دونوں دم نیچے کی طرف لیجا کر ٹھیرائے جہاں سانس کا پہلا خزانہ ہے اور پھر اس دم محبوس کو ناک اور منہ سے خارج کرنیکے بجائے دماغ کی طرف پہونچائے اور یہاں دونوں آنکھوں کے درمیان پیشانی میں جو نور ہے جس کو اہل ہنود من سے تعبیر

کرتے ہیں دم محبوس کی قوت کو انہیں جمع کرکے اور من کو اس سے قوت پہنچائے۔ چونکہ اہل ہنود کے نزدیک قوائے خمسہ اور ہر قسم کی قوتوں کا منبع و مرکز صرف دماغ ہی ہے قوتِ لامسہ کے لئے بھی دو آلے جو قدرت نے اُگائے ہیں وہ اُسی کے پاس سے اُگائے ہیں پھر ایک قوت دوسری قوت کو اس طرح کاٹتی ہے جیسے (نعوذ باللہ) صلیب کا خط ایک دوسرے کو کاٹتا ہے۔ چنانچہ کان ایک طرف سے سُنتے ہیں تو دوسری طرف نکال دیتے ہیں۔ آنکھیں جو کچھ دیکھتی ہیں وہ دوسری طرف سے من میں مناظر پہونچاتی ہیں۔ اسلئے ایک قوت دوسری کو کاٹتی ہے آنکھ کچھ دیکھتی ہے اور کان کچھ سُنتے ہیں۔ نیز آنکھوں کی پتلیوں کو بھی اوپر کی طرف چڑھا کر من کو دیکھنے کی سعی کرے اور اس درجہ مشق بڑھائے کہ آنکھوں کی سفیدی تو اس طرف آجائے اور پتلی دوسری طرف چلی جائے تاکہ یہ آنکھیں پیچھے کی طرف دیکھنے لگیں سبحان اللہ اس بُری طرح بھی جو مرتبہ حاصل کرنے سے بھی حاصل نہیں ہوتا ہمارے حضورؐ کو وہ بلا کسی کسب کے یہ درجہ حاصل تھا یعنی آپ کا ایک اعجاز یہ بھی تھا کہ جیسے آپ آگے کی جانب دیکھتے تھے حسب ضرورت اسی طرح پشت کی جانب بھی جو دیکھنا چاہتے دیکھ لیتے تھے غرض جب یہ من کی طاقت اس درجہ پر پہونچ جاتی ہے اور انسان کے قبضہ میں آجاتی ہے تو حسب ذیل قوتیں اور سدھیاں انسان کو حاصل ہو جاتی ہیں۔

## سحر سے آٹھ قوتوں کا حاصل ہونا

(۱) انڑی ما} یعنی چھوٹے سے چھوٹا بنجانا کہ آنکھ سے دکھائی نہ دے۔ اور نظروں سے غائب و پوشیدہ ہو جائے۔

(۲) مہی ما} یعنی اتنا بڑا اور لانبا ہو جانا کہ آنکھ سے ایک ہی حصہ نظر آئے جہاں تک بھی نظر کام کرے اور جیسا کہ عاملین نے کبھی جنات کو اسطرح بھی دیکھا ہے کہ اُن کا سر آسمان میں ہے اور پیر زمین سے لگے ہوئے ہیں

(۳) لگی ما} یعنی اتنا ہلکا ہو جانا کہ ہوا سے اوپر چلا جائے۔

(۴) گری ما} اتنا موٹا اور وزنی ہو جانا کہ کھینچ نہ سکے۔

(۵) پراپتی} یہ قوت و قدرت پیدا ہو جانا کہ جو چاہے ارواح کی مدد سے دنیا میں حاصل کرلے

(۶) پراکامی} ایسا پھیل جانا کہ طول۔ عرض۔ عمق میں جتنا چاہے بڑھتا چلا جائے۔

(۷) ایشت} ہر چیز کو اپنے قابو میں رکھنا۔

(۸) تر وشتو} مشاہدہ عالم۔

(نوٹ) یہ آٹھ قوتیں اور سدھیاں چونکہ ریاضت ہذا کے اس پانچویں مرتبہ میں پہونچکر انسان کو حاصل ہونے لگتی ہیں اور خوارقِ عادات و نوادرِ مہمات کا ظہور شروع ہو جاتا ہے اسلئے اکثر لوگ اسی درجہ میں پہنچکر اپنی ریاضت کو ختم کر دیتے تھے اور بقیہ تین درجے جو آگے مذکور ہونگے اُن کو حاصل نہیں کرتے تھے گویا وہ اسی درجہ کو اپنے معراجِ کمال سمجھنے لگتے تھے۔ اور مسلمانوں کے جاہل صوفیوں میں بھی اسی قسم کے آثار اب تک دیکھے جاتے ہیں بہر حال علم سحر میں کشفِ حقیقت سے زیادہ چونکہ قدرت و قوت میں کمال پیدا کرنا سکھلایا جاتا ہے جس سے فتنہ میں پڑنا زیادہ قریب الفہم ہے اور مقصودِ حقیقی کو اس راہ سے پالینا حد درجہ بعید ہے۔

**علم سحر کو ہندو بھی ضلالت کا ذریعہ سمجھتے ہیں**

چنانچہ خود ہندو بھی اسکو تسلیم کرتے ہیں کہ اس علم کے پانچویں مرتبہ پر پہنچکر بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو آگے بڑھیں اکثر انہی چیزوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اسی لئے قرآنِ عزیز نے اس علم کے حاصل کرنے کو کفر قرار دیا ہے اور فتنہ سے اسکو تعبیر کیا ہے کیونکہ یہ علم، الوانِ قدرت کو کچھ اس طرح سے ظاہر کرتا ہے کہ انسان میں استبداد و مطلق العنانی اور انانیت و خود ستائی درجۂ کمال حاصل کر لیتی ہے اور خود اپنی حقیقت انسان سے پوشیدہ ہو جاتی ہے اور یہی فتنہ کا حاصل بھی ہے کہ انسان حقیقت کو نہ پا کر درمیان میں بھٹک جائے۔

۲۰

**علم الٰہی کی رفتار تدریجی ہے اور علم سحر کی رفتار تیز و تند ہے**

اور جو قدرتیں اور قوتیں کمال و بلوغِ عقل و کسبِ محمود سے اُس کو رفتہ رفتہ تمام عمر میں حاصل ہونے والی تھیں وہ محرکِ عاجل کی وجہ سے ایکدم مل جائیں۔ اور العجلۃ من الشیطان کے مطابق انسانِ عجول مخفی مخلوقات کی قوت و طاقت سے دائرۂ انسانیت ہی سے نکل جائے۔ بخلاف علم الٰہی کے کہ وہ انسان کو تمام فتنوں سے بچا بچا کر تدریجاً اس میں ایسے ملکات فاضلہ پیدا کرتا ہے کہ اسکی ہر دو زندگیاں امن و برکت سے گذریں اور قلب و روح کی جملہ قوتیں ایسے محمود نہج سے بر سرِ ظہور آئیں جو ابد تک باقی رہنے والی ہوں اور انسانیت کی شناخت میں باوجود تصرفات کے کوئی مشکل نہ پیش آئے۔ بیشک وہ انسان کی روحانی قوت کو اس طرح پھیلانے کی عام طور سے اجازت نہیں دیتا جیسا کہ ان آٹھ اصول میں مذکور ہیں۔ اور یقیناً اس قسم کی غیر مقصود و غیر متعلق ریاضتوں سے انسان زمین و آسمان کے قلابے ملا سکتا ہے۔ مگر دائرۂ انسانیت اس کا مشتبہ ہو جائیگا ہاں اگر کار سرکار احدیت بامر اللہ اطاعتِ خداوندی کے آگے منکرینِ خدا کا سر خم کرانے کے لئے کوئی کرامت یا معجزہ بر سرِ ظہور آئے جسمیں بندہ کا کسب شامل نہ ہو بلکہ حکم خداوندی ہو تو البتہ یہ صورت کسی طرح مذموم

نہیں کہلائیگی کیونکہ اس قسم کے غیبی اعجاز دیکھکر ہمیشہ بندگانِ خدا' خدا ہی کیطرف جھکتے ہیں اور جن تفرقات اور کرشموں میں نفسانیت کا لگاؤ اور شیطنت کا دخل ہوتا ہے اُن کو دیکھکر انسان بجائے علام الغیوب کے آگے جھکنے کے شعبدہ بازوں ہی کی طرف جھکتے ہیں بہرحال یہ علم چونکہ اپنی غیر معمولی مشقتوں اور غیر مستحسن صعوبتوں کی وجہ سے قلبی وروحانی قوتوں کو غیر طبعی طور پر برانگیختہ کرتا ہے اسلئے اس قسم کے مجاہدات سے ثمرات بھی غیر مستحسن ہی ظاہر ہوتے ہیں جیسی بعض دوائیں انسان کے اندر غیر معمولی قوتِ مردمی پیدا کردیتی ہیں مگر وہ ہیجان غیر طبعی ونامحمود ہوتا ہے تو انجام بھی اُس کا آخر میں بُرا ہی نکلتا ہے بخلاف اُن دواؤں کے جو انسان میں تدریجی طور پر صالح ومستحسن قوت پیدا کردیتی ہیں اسی طرح اس علم فتنہ کی شوکت بھی چندروزہ ہوتی ہے مگر انجام خسران کے سوا کچھ نہیں ہوتا کیونکہ علم سحر عالم کے مقصود بالذات تک انسان کو نہیں پہونچاتا بلکہ اس سلسلہ میں انسان کے کسب وریاضت سے جو کچھ بھی قوت وقدرت انسان میں بڑھتی ہے انسان اپنی قوت بازو سے کمائے ہوئے مال کی طرح اُسکو اپنی ہی قدرت کا نتیجہ سمجھتا ہے ۔ اپنے رب کا انعام نہیں سمجھتا ۔ اسی لئے علم سحر سے جو قوتیں مگ قوم کو حاصل ہوئیں تو انھوں نے اُسکو غیر محل میں صرف کرکے لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کیا ۔

۳۱

**جو علم مقصود تک نہ پہونچائے وہ فتنہ ہے**

اور اسی علم پر کیا موقوف ہے ہر وہ راستہ اور ہر وہ علم جو انسان کو درمیانی مراحل کی پیچیدگیوں میں پھانسکر عالم کے مقصود حقیقی تک نہ پہونچائے وہ فتنہ اور کفر ہی ہے اور انجام اسکا ضلالت وگمراہی ہی ہے ۔ چنانچہ مرزا غلام احمد آنجہانی کا دعوئ نبوت اور اُن کے ساحرانہ تحریرات واعمال اور عدم دستگیری شیخ کامل ہی کا نتیجہ یہ ہے کہ آج اسلام میں ایک جماعت ایسی پیدا ہوگئی ہے جو ختم نبوت وختم رسالت کو نہیں مانتی اور اسلام پر ایمان لانے کے باوجود ایمان نہیں لاتی ۔

**چھٹا مقام دھیان ہے**

(معرفت باللہ بھی سحر کا ایک درجہ ہے ہندو دھرم کے اعتبار سے) یعنی من کا ایک طرف لگ جانا اور حواس خمسہ کا اسمیں گم ہوجانا جسکو صوفیائے اسلام کی اصطلاح میں معرفت باللہ کہتے ہیں ۔ اس درجہ میں یہ مشق کرائی جاتی ہے کہ حواس خمسہ یعنی آنکھ کان زبان وغیرہ سب دُنیا سے بے خبر ہوجائیں اور انسان اپنے کانوں کے دونوں راستوں کو بند کرکے اندر کی آواز سنے چنانچہ جب کانوں پر اُنگلیاں رکھلیجاتی ہیں تو اندر سے ایک آواز سُنائی دیتی ہے جسکو ہندو دھرم من کی آواز قرار دیتا ہے ۔ غالباً اسی مرتبہ کے لئے

صوفیائے اسلام نے فرمایا ہے "لب بہ بند و چشم بند و گوش بند" اور غالباً وحی کی آواز بھی اسی قسم کی آواز ہوگی جسکی تشبیہ حدیث میں "کصلصلۃ الجرس" سے دی گئی ہے۔ اور ہم نے رسالہ کے شروع صفحات میں اسکی تشبیہ لاسلکی کے کھمبوں کی آواز سے دی ہے غرض معرفت باللہ میں دنیا سے کامل بے خبری پیدا ہو جائے اور مجاہد ہمہ تن اُسی کی طرف متوجہ ہو جائے۔

**ساتواں مقام دھارنا ہے** (حواس خمسہ کا تعقّل اور من کی لو اپنے مالک سے) اس مرتبہ میں اسکی اجازت دیدی گئی ہے کہ حواس خمسہ کو جو دنیا سے معطل کر دیا گیا تھا اُن کو اب بحال کر دیا جائے۔ یعنی حواس خمسہ دُنیا کا کام کریں اور من اپنا کام کرے۔ اسی مقام کو اصطلاح صوفیۂ اہلِ اسلام میں خلوت در انجمن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جو سلطان الذکر کا خاصہ ہے۔

**آٹھواں مقام سمادھی ہے** (مرتبہ فنا فی اللہ تعلیم سحر میں ہندو دھرم کے اعتبار سے) یہ مقام درحقیقت مقامات سبعہ کی تکمیل کا ثمرہ ہے یعنی اس مقام میں پہونچکر سوائے مشاہدۂ ذات کے کچھ نظر نہیں آتا جدھر دیکھو وہ ہی وہ نظر آتا ہے اور اسمیں پہونچکر انسان کی قدرت کامل و مکمل ہو جاتی ہے۔

**اصول ثمانیہ اور اُنپر ایک اجمالی نقد و تبصرہ** یہ تھی علم سحر کی حقیقت جو ہندو مذہب کی رو سے بیان کی گئی اور گو اسکے پورے شرائط و لوازمات اور منتر وغیرہ اسمیں مذکور نہیں مگر اتنا ضرور ان تعلیمات سے واضح ہو جاتا ہے کہ سحر کے اکثر اعمال کفر کے موافق اور ایمان کے ضد ہوتے ہیں اور واقع میں اس علم کو ایمان کا مخالف ہونا بھی چاہیئے۔ اسلئے کہ جیسے خدا کی صفتِ ہادی صفتِ مضل کی ضد ہے اور یہ دونوں اپنے ظہور کے ملئے جدا جدا محل کی طالب ہیں اور سوائے خدا کے اور کسی وجود میں یہ دونوں صفتیں جمع نہیں ہو سکتیں اور اگر ہو جائیں تو بندہ میں اور خدا میں کوئی فرق نہ رہے۔ اسی طرح علم سحر اور علم الٰہی گو دونوں آسمانی علم ہیں مگر ایک متنفس میں جمع نہیں ہو سکتے۔ علم سحر میں جسقدر مشقتیں اور صعوبتیں پائی جاتی ہیں اگر اُن کا تقابل علم الٰہی سے کیا جائے تو یہ حقیقت کالشمس فی النہار ہو جاتی ہے کہ اسلام کا دعویٰ الدّین یسر ٹھیک ٹھیک واقعہ کے مطابق ہے چنانچہ جہانتک غور کیا جائے نفس کو پاک کرنیوالے مجاہدات اور ریاضتوں کے کمال کی تین ہی علامتیں ہو سکتی ہیں۔

**مجاہدات کے ناقص و کامل ہونیکی پہچان** (۱) یہ کہ خوارق عادات و تصرفات و تسخیرات اس طرح سے انسان سے ظاہر ہوں کہ اسکی عجز و بیچارگی، مسکنت و بندگی میں اشتباہ نہ پیدا ہونے پائے۔ اور باوجود

قدرت میں کمال پیدا ہو جانے کے انسان جنات و شیاطین کی طرح پر نہ ہو جائے بلکہ دائرۂ انسانیت کو باقی رکھکر اپنی قدرت و عجز کو ساتھ ساتھ لیکر درجۂ کمال حاصل کرے۔

(۲) اور کمال چونکہ نقصان کی ضد ہے اور صعوبتِ عمل۔ شدّتِ مشقت۔ طولِ امل، نقصان کے اہم افراد ہیں لہذا حصولِ کمال میں اُن کا بھی گذر نہ ہو۔

(۳) اور باوجود کمالِ عجز و کمالِ قدرت حاصل کرنے کے دُنیا سے علیحدگی اور رہبانیت بھی نہ ہونے پائے اور سلسلۂ توالد و تناسل جو اس عالم کا بنیادی سلسلہ ہے اس سے بھی قطع نظر نہ ہو سکے پس جو مجاہدہ زیادتی کے ساتھ خوارق و تصرفات کیطرف انسان کو ملتفت کرانیوالا ہے اور اس طرح سے انسان میں کمالِ قدرت پیدا کرانا چاہتا ہے کہ جس سے کمالِ عجز حاصل نہو بلکہ کبر و انانیت پیدا ہو جائے اور ایسے صعب راستوں سے اس مقصد کو پورا کرانا چاہتا ہے جسکی گھاٹیوں سے انسان کا صحیح و سالم نکلنا عنقا ہو اور جو مجاہدہ جسم کو اور اُسکے منافع کو ضائع کرنیوالا اور عالم اجسام سے بالکل ہی بے تعلّق کر دینے والا ہے ایسے مجاہدہ کے متعلّق کہا جائیگا کہ وہ مجاہدہ یقیناً ناقص بلکہ مضر ہے اور ہرگز انسان کے لئے ایصال الی المطلوب کا موجب نہیں رہ سکتا۔ البتہ جو مجاہدہ عجز میں کمال پیدا کر کے قدرت لاتا ہے وہ یقیناً کامل مجاہدہ کہلائیگا۔ اور اسلام ہی کا مجوزہ معاہدہ ہے جسمیں یہ تمام شرائط موجود ہیں۔

علم سحر عجز میں کمال نہیں پیدا کرتا بلکہ انانیت میں کمال پیدا کرتا ہے

پس علم سحر چونکہ بندۂ عاجز کے عجز میں کمال نہیں پیدا کراتا بلکہ اُسکو انانیت میں کمال پیدا کرانے کی تلقین کرتا ہے اور جنّات و شیاطین کی برابری سکھلاتا ہے لہذا یہ علم فتنہ میں ڈالنے والا ہے اور نتیجہ اس کا ذلت و خسران ہے۔

علم الٰہی بندگی کے کمال سے رفعت و قدرت بڑھاتا ہے

اور علمِ الٰہی چونکہ بندۂ عاجز کو بندگی کا کمال سکھلاتا ہے اور بندہ کی جو ساخت جو فطرت جو وضع ہے اُسی کو بڑھاتا ہے اُسی پر چلاتا ہے لہذا انسان رفعت حاصل کرتا ہے اور قادر و رفیع کی مدد سے جنات و شیاطین پر غالب و آمر بنجاتا ہے کیونکہ یہ علم مخلوق کو خالق کے سامنے ایسی ہی طرح لا ڈالتا ہے جیسے میّت غسّال کے سامنے ہوتی ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں اُس راستہ سے جو منزل مقصود پر نہ پہونچانے والا ہو اور اُس علم سے جو انسان کو نفع نہ پہونچائے پناہ مانگی گئی ہے کیونکہ محنت و صعوبت تو ایسے طریقوں میں بے شمار ہوتی ہے اور نفع کے درجہ میں کچھ بھی نہیں ہوتا مطلب یہ ہے کہ محنت و مشقت تو انسانوں کو جنوں کی طرح کرنی پڑی اور راہ انسانیت علیحدہ اس سے

۳۳

بند ہوگئی - کما قال النبی علیہ السلام اعوذ باللہ من علم لا ینفع و اعوذ باللہ من طول الامل۔

**علم سحر کی تحصیل سے انسان کسی کام کا نہیں رہتا**

یہ ہمکو تسلیم ہے کہ علم سحر کی یہ مذکورہ بالا ٹسیجیں اور مقامات ثمانیہ انسان میں کمال انانیت پیدا کر کے جنات و شیاطین کیطرح پر اُسکو عالم کے اندر دخیل و متصرف بنا دیتی ہیں اور وہ اِن ارواح کی قوت و استمداد سے اپنے ابنائے جنس پر چند روزہ غلبہ و اقتدار ضرور حاصل کر لیتا ہے لیکن انسان پھر دُنیا کے کسی مصرف کا نہیں رہتا۔ اور مہالک و خطرات سے جسقدر سابقہ اس راہ میں پڑتا ہے وہ سونے پر سہاگہ ہیں بخلاف اسلام کی تعلیم کے کہ اُسنے عبادت و ریاضت کے جو بھی طریقے سکھلائے نہایت جامع اور مختصر اور پُرامن سکھلائے۔ اور عجز و بندگی میں اس طرح سے کمال پیدا کرنا سکھلایا جس سے دائرۂ انسانیت بھی کامل رہی اور روحانی و علوی و مخفی جملہ مخلوقات پر بھی انسان گوئے سبقت لیجائے۔ پھر ان مقامات علم سحر کو تو شاذ ہی طے کر سکتا ہے۔ جو بہت ہی بے جگرا ہو اور اسلام کی تعلیم اور مجاہدات کو ہر شخص بہت جلد پایۂ تکمیل کو پہونچا سکتا ہے۔

**مجاہدہ میں افراط و تفریط مقصود کو کھو دیتی ہے**

بیشک علم سحر کا ایک عامل اور جادوگر صفائی جسم کے لئے بیس پچیس گز کی ایک لمبی بتی حلق کے راستہ سے پیٹ کی جملہ آنتوں میں پہونچا کر اُس سے اپنی آنتوں کو صاف کر سکتا ہے ترکِ طعام سے اپنے پیٹ کو اپنی کمر سے ملا سکتا ہے تین تین مہینے حبسِ دم کر کے مردہ بنکر زمین میں اپنے کو دفن کرا سکتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا نظامِ قدرت ایسے لاطائل تصفیۂ باطن کا اس سے طالب ہے؟ اور اس عالم کے کاروبار کیا اسی رہبانیت کے مقتضی ہیں؟ نہیں اور بیشک نہیں اگر انتظامِ قدرت انسان سے اسی قسم کی ریاضتوں اور مشقتوں کا طالب ہوتا تو پھر دُنیا کا وجود ہی عبث اور بیکار ہوتا۔

**تصفیۂ روح کے ناپاک اور پاک طریقے**

بیشک آئینہ کو پیشاب کے نجس پانی سے بھی صاف کیا جا سکتا ہے اور گلاب کے پاکیزہ اور لطیف عرق سے بھی صفائی حاصل ہو سکتی ہے لیکن گلاب جیسے پاکیزہ خوشبودار عرق کے ہوتے ہوئے کیا عقل سلیم اسکی مقتضی ہے کہ کسی ناپاک چیز سے تصفیہ کیا جائے۔

**مجاہدات اسلامی و غیر اسلامی کا باہمی توازن اور مقابلہ**

اسی طرح کانوں میں اُنگلیاں ٹھونس ٹھونس کر زبان کو کھینچ کھینچ کر اور پھر کر تالو پر من کا رس حاصل کرنے کے لئے لگانا اور ہاتھوں کو شل کر کے تصفیۂ قلب حاصل کرنے کے بجائے اگر پانچوں وقت حواس خمسہ کی قوتوں کو قلب میں مجتمع کرنے اور دھیان اور

فکر میں یکسوئی حاصل کرنے کے لئے "اُن تعبد واﷲ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک"
کی تحصیل اور پاکیزہ مشق کرکے کمال یکسوئی پیدا کیا جائے یعنی اوسطاً دن رات کے ہر چار پانچ گھنٹہ میں ہر روز
لازماً پانچ مرتبہ اور اختیاراً آٹھ مرتبہ یہ مشق مشاہدۂ ذات کی حاصل کیجایا کرے اور درجۂ احسان حاصل کرتے
ہوئے انسان واصل و موصل الی اللہ بنکر "دل بیار و دست بکار" والے مرتبہ پر پہونچ جائے تو دیکھئے
کیسی آسانی سے یہ مقصدِ عظیمہ بھی حاصل ہو جائیگا اور دُنیا کے کسی سلسلہ میں بھی سرِ مو فرق نہ آئیگا بس
کیا اس سے بڑھکر بھی کوئی طریقہ سلامتی ہو سکتا ہے کہ جس سے سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے
یعنی انسان کمالِ معرفتِ الٰہی بھی حاصل کرلے اور کمالِ بندگی و انسانیت بھی۔ غرض حصولِ قدرت کے
لئے اُن تمام غیر مطلوب اور دُشوار گذار مراحل سے بچنے کے لئے جو علم سحر میں سکھلائے جاتے ہیں اسلام نے
مظہر عبدیتِ کاملہ یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا توسّل ایسا سکھلا دیا ہے جس سے انسان کو عبدیت و بندگی
کا یہ جامع اور مختصر راستہ بھی جنابِ باری تک پہونچنے کا حاصل ہو گیا اور دنیا کے منصبِ حکمرانی پر بھی فائز
ہو گیا۔ اور عالمِ ارواح میں بھی تمام فرشتوں سے افضلیت کی راہ پڑ گئی۔

۴۵

**اسلامی و غیر اسلامی مجاہدات کا فرق اور اُن کی مثال**

اور یہ ایسا ہی فرق ہے جیسے ایک شخص تو روشنی حاصل کرنے کے لئے تیل اور بتی کے چکر میں پڑا ہوا ہے اور ایک شخص آفتاب کی روشنی میں اپنے
تمام کاروبار بآسانی کئے چلا جارہا ہے۔ یا مثلاً ایک شخص تو ایک کتاب کسی اناڑی اور ناواقف اُستاد سے
پڑھے اور وہی کتاب ایک شخص کسی یگانہ روزگار اُستاد سے چند ماہ میں ختم کرلے تو ظاہر ہے کہ پڑھنے
میں تو دونوں مساوی ہوں گے مگر گُننے میں رُتبہ اسی کا اعلیٰ رہیگا جو اُستادِ کامل سے پڑھیگا۔
یہی فرق اسلامی عبادت و ریاضت اور غیر مسلموں کے طریقۂ عبادت و ریاضت میں سمجھئے۔

**علم سحر مخلوق کی جبہ سائی کراتا ہی اور علم الٰہی خدا کی**

غرض علم سحر انسان کی علویات و سفلیات کے آگے ناک رگڑواتا ہی اور اُن کے سامنے انسان کو جھکواتا ہے اور علم الٰہی علویات و سفلیات اور جمیع مخلوقات
و کل کائنات کو انسان کا مطیع و منقاد بنا دیتا ہے اسی لئے وہ شرک ہی اور یہ توحید ہے۔

**خدا تک پہونچنے کا راستہ انسان کے لئے عجز ہی ہو سکتا ہی انانیت نہیں ہو سکتی**

علم الٰہی عجز کے راستہ سے انسان کو خدا تک پہونچاتا ہے اور یہی ایک راستہ انسان کے لئے صرف اعلیٰ و ارفع ذاتِ صمدیت تک پہونچنے
کا ہو نا بھی ہی کیونکہ خود تو کوئی مخلوق خالق تک بلا واسطہ کسی صورت سے نہیں پہنچ سکتی۔ البتہ جب مخلوق عجز کا

واسطہ لیکر اُس کے بالمقابل آتی ہی تو ذات صمدیت خود ہی اُسکو اپنی طرف کھینچ لیتی ہی اسی لئے حدیث شریف میں یہ تو فرمایا گیا ہی کہ جو شخص تواضع کرتا ہی تو اللہ اُسکو بلند فرماتا ہی لیکن یہ نہیں فرمایا گیا کہ انسان تواضع کرکے از خود بھی ذات صمدیت تک پہونچ جاتا ہی۔ اور علم سحر بیشک انانیت و کبر کے راستہ سے انسان کو خدا تک پہونچانے کا مدعی ہی مگر ظاہر ہے کہ یہ خلافِ فطرت راستہ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط سے کسی طرح بھی زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

**خدا کی ہمسری کرکے کوئی اُس سے نہیں مل سکتا**

کیونکہ الکبریاء ردائی کے بموجب گویا انسان خدا کی بڑائی میں اُس کا ہمسر و خود سر ہو کر اُس سے ملنا چاہتا ہی اور ظاہر ہے کہ ہمسری کا رنگ لیکر اُس سے ملنا درحقیقت اُسکی بارگاہ سے مردود ہی ہونا ہے۔

**جنات اور انسانوں کے یہ دو راستہ الگ الگ ہیں**

پھر جنوں کے لئے تو کسی نہ کسی درجہ میں یہ راستہ موصل الی المطلوب مانا بھی جاسکتا ہے کیونکہ اُن کا مادہ علوی ہے وہ جب بھی صعود کرتا ہے بجانب علوی ہی صعود کرتا ہی اور وہ اپنے اجسام کو جس حالت میں چاہیں تبدیل کرسکتے ہیں اور قدرت و اعجاز کے مظہر ہیں قدرت و اعجاز ہی کے راستہ سے خدا تک پہونچ سکتے ہیں لیکن انسان کے لئے تو یہ جنوں کا راستہ کسی طرح بھی موزوں نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس کا مادہ خاکی ہے جو انکساری و عبدیت اور اسفل کی طرف اسے کھینچے ہوئے ہی غرض یہ ہے کہ سمجھدار انسان تو اُسی راستہ کو اختیار کریگا جسمیں اُس کو اختصار اور عجز و تذلل ہوگا البتہ اخوان الشیاطین اور نادان ٹھوکریں کھانے کے لئے بیشک یہ پُر خطر راستہ اختیار کرینگے مگر مقصد تک پھر بھی رسائی نہوگی۔ کیونکہ ہر مخلوق اپنی ذات اور ماہیت کے بدلنے پر کسی طرح قادر نہیں ہی۔

۳۶

**حبس دم بضرورت جائز ہے مقصود بالذات ہوکر نہیں**

یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حبس دم سے قوت روحانی بیشک بڑھ سکتی ہے اور متورعین اور متصوفین اسلام کا ایک طبقہ کم و بیش ضرور ہر زمانہ میں ایسا پایا جاتا ہے جنہوں نے ایک مخصوص غرض حاصل کرنے کے لئے حبس دم کیا ہے اور کمال معرفت اور عشق الٰہی میں سلسلۂ اسباب سے ایک درجہ میں قطع نظر کی ہی لیکن اس افراط و تفریط کے ساتھ نہیں کہ مہینوں تک حبس دم کرکے زندہ آدمی مُردوں کے روپ میں اپنے کو پیش کرے۔ یا کھانے پینے کو گناہ سمجھے اور رزق جیسی نعمت جس سے اُس کی ربوبیت آشکارا ہی اور جو ایک زبردست انعام ربی ہی اس سے کفرانِ نعمت کرتے ہوئے بالکل ہی اس سے منہ کو موڑ لے۔

اسلام نے خدا کی جناب میں قلب اور من کو پاک کرنے کے لئے ریاضتیں ضرور سکھلائی ہیں مگر خوارق سے بے التفاتی کے ساتھ اور مجاہدات و تزکیۂ نفس کی اجازت ضروری ہے مگر لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا کی قید کو یاد دلاتے ہوئے اور کشوفِ کونیہ و تصرفاتِ قلبیہ سے بے اعتنائی کے ساتھ

اسلام کا جامع اور معتدل راستہ

غرض اسلام نے نہ دنیا کا بائیکاٹ سکھلایا نہ اس سے لو لگانا بتلایا نہ تن آسانی و نفس پروری کی تعلیم دی نہ نفس کو بالکل ہی مار دینے کا حکم دیا بلکہ ولنفسک علیک حق اور لا رہبانیۃ فی الاسلام فرما کر افراط و تفریط کے دونوں راستے مسدود فرما دئے اور کشوفِ تکوینیہ کی بھول بھلیوں سے صحیح سالم گذرنے کے لئے اُن کی طرف بے التفاتی کا حکم دیا اور علم سحر کے اُن آٹھ مقامات اور اُن کی بے انتہا کلفتوں کے متعلق خود اہلِ ہنود کو اسکا اقرار ہے کہ اکثر لوگ اس راستہ سے منزلِ مقصود تک نہ پہونچتے تھے اور اس راستہ سے حصولِ مراد بہت ہی مشکل کام ہے اور بہت سے لوگ اسی قسم کے کرشمے دکھلانے کے لئے اس علم کو سیکھا کرتے تھے پس جس علم کے کسی حصہ سے بھی انسان فتنہ میں پڑتا ہو اور وہ اس کا سدباب نکرتا ہو وہ علم یقیناً علم مضر کہلائیگا۔



آیتِ سحر اور اُسکی تشریح و تحقیق

اب اگر سحر کی متعلقہ تقریر اور اُسکی تاریخی معلومات اور ہمارے نقد و تبصرہ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے آیتِ سحر واتبعوا ما تتلوا الشیاطین علی ملک سلیمان الخ کے مطالب و معانی پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت بلا کسی تردد و تجلک کے انشاء اللہ منکشف ہوجائیگی کہ ہاروت و ماروت جو تعلیم سحر سے انکار کرتے تھے اور وہ جو کہتے تھے انما نحن فتنۃ فلا تکفر یعنی ہم تو ذریعہ آزمائش ہیں۔ تم کفر میں مت پڑو ممکن ہے کہ وہ انہی صعوبتوں اور دقتوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے انکار کرتے ہوں بلکہ یقیناً وہ جانتے تھے کہ اس راستہ سے انسان کا عجز و بندگی میں کمال حاصل کرنا بہت ہی دشوار بلکہ محال ہے اور اس علم کا خاصہ یہ ہے کہ اس سے خوارق عادات و تصرفات کا اسدرجہ ظہور ہوتا ہے کہ انسان تو انسان ہیں جنات تک فتنہ و عذاب میں پڑ جاتے ہیں اور منزلِ مقصود کو نہیں پاتے لیکن جو شخص باوجود اس نصیحت کے بھی نہ مانتا اور مُصر ہی ہوجاتا تو مجبوراً مدبر عالم کی مصلحت کلا نمد ھٰؤلاء و ھٰؤلاء من عطاء ربک کی اجازتِ عامہ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے وہ اس علم کو سکھلا بھی دیتے جس کے ذریعہ سے انسان کا جنات و شیاطین کی مشابہت اختیار کر لینا اور اُن کے راستہ پر چلنا آسان ہوجاتا کیونکہ اس دار العمل میں ہر ایک شخص لا تزر وازرۃ وزر اخری کے قاعدہ کے مطابق اپنے قول و عمل کا

خود ہی ذمہ وار ہے چنانچہ جب کوئی اُن سے عہد و پیمان کرتا کہ میں اس راستہ پر چلکر لوگوں کو فتنہ میں مبتلا نہیں کرونگا تو یہ دونوں فرشتے وہ اسرار بتلا دیتے جس سے انسان جنوں کی طرح کسب قوت کرنے لگتا اور یہ تو نیک خصلت' فرشتہ صفت' لباسِ بشریت میں ملبوس فرشتے ہی تھے خدا کے سامنے بھی جب کوئی انسان دل سے توبہ کرلیتا ہے اور اپنے قصور کا معترف ہوجاتا ہے - بندہ گناہ نکرنے کا سچا عہد و پیمان کرلیتا ہے تو حضرت علام الغیوب عالم ماکان و مایکون ہونے کے باوجود بندوں کی توبہ کو قبول فرمالیتا ہے یہ نہیں فرمایا کہ تم تو آیندہ چلکر پھر گناہ کروگے لہذا تم اپنے قول میں کاذب ہو اسی طرح ہاروت ماروت کا کام بھی یہی تھا کہ وہ نفع و ضرر دونوں سے آگاہ کردیں اور جو راستہ انسانوں کے چلنے کا نہیں ہے بلکہ جنات کا ہے اُس سے خبردار کردیں لیکن اسپر بھی جبر و اصرار سے جو اپنے کو خطرہ میں ڈالتا ہے تو وہ خود اپنا ذمہ دار ہے وہ جانے اور اُس کا کام یہ دونوں اس سے بری ہیں کیونکہ رسولوں کا کام تو نیک و بد کا جُدا جُدا کرکے دکھلا دینا ہی ہے اور بس چنانچہ جب ہاروت و ماروت سے کوئی اس علم کو سیکھتا تو اوّلاً وہ اُسکو سفلیات میں ملوث ہونے کی ہدایت کرتے اور جب کوئی اسکو کر گذرتا تو دیکھتا کہ اس کا ایمان چمکتے ہوئے ستارہ کی طرح الیہ یصعد الکلم الطیب کے نہج سے نکلکر آسمان کی طرف چلدیتا اور اسکی جگہ کفر کی قوتیں لیلیتیں - پس آیۃ ہذا میں جو حضرت سلیمان علیہ السّلام کے متعلق ماکفر فرمایا گیا ہے اس سے یہ ظاہر فرمانا مقصود باری تعالیٰ ہے واللہ اعلم بمرادہ کہ حضرت سلیمان علیہ السّلام کو جنات و شیاطین و ساحرین پر جو غلبہ و تسخیر عطا کی گئی تھی وہ کسب سحر کا نتیجہ نہ تھا بلکہ ساحروں اور جنوں کے فتنہ سے انسانوں کو بچانے کے لئے حق تعالیٰ نے جو قوت و قدرت بھی حضرت سلیمان علیہ السّلام کے عجز و کمال بندگی کی وجہ سے اُن کو عطا کی تھی وہ ایمان کی دولت کے ساتھ عطا کی تھی - گویا ہندو دھرم کی اصطلاح میں اُن کو راج یوگ حاصل تھا اور قرآن پاک کی اصطلاح میں اُن کو ایک ایسا علم لدنی حق تعالیٰ کی طرف سے مرحمت فرمایا گیا تھا جس سے وہ تمام مخلوقات کی بولی سنتے اور سمجھتے تھے اور فضلنا علے کثیر من عبادہ المؤمنین کا مصداق تھے

> **ہندو دھرم میں علم سحر ہٹ یوگ ہے**

ہندو دھرم میں چار یوگ ہیں - ایک کرم یوگ - دوسرے ہٹ یوگ - تیسرے راج یوگ چوتھے ہتیا یوگ - ہٹ یوگ سحر کو کہتے ہیں جسکا مطلب اہلِ ہنود کے یہاں یہ ہے کہ خدا تک جبر اور ہٹ سے پہونچنا - اور راج یوگ کے معنے ہیں خدا کا بندہ کو از خود اپنا مقرب اور خاص بناکر اپنی قوتیں عطا کردینا سو اہلِ اسلام کے نزدیک بھی مقرب و خاصانِ خدا دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو عبادت و ریاضت

اور کسب و محنت سے تقرب خداوندی حاصل کرتے ہیں دوسرے وہ مقرب و مجتبی جنکو حق تعالے از خود معرفت و عرفان عطا فرما دیں اور بغیر کسب کے اُنکی معرفت اور دھیان کو مکمل فرما دیں چنانچہ انبیا علیہ السلام وغیرہ پر جو بھی حکمت و معرفت کا نزول ہوتا ہے اور اُن کی جسقدر بھی تربیت ہوتی ہے وہ از خود منجانب و من امر اللہ ہوتی ہے۔

چونکہ یہود حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزات کو سحر ہی کا نتیجہ سمجھتے تھے اور اُن کی کوتاہ نظر اسپر نہ پہونچی تھی کہ آخر تمام ساحر کیسے مسحور و دم بخود ہوئے جبکہ سحر کی طاقت ہر ایک حاصل کر سکتا ہے اور ایک کا توڑ دوسرا کر سکتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت اور یہود کی غلط فہمی

اسلئے جب آیت "واتبعوا ما تتلوا الشیاطین" کا نزول ہوا تو یہود متعجب ہوئے کہ محمدؐ نے سلیمان کو کیسے نبی کہدیا حالانکہ وہ تو ساحر تھے تو اصل میں یہود کے پیش نظر یہ فرق نہ تھا ورنہ یہود ہرگز متعجب نہ ہوتے۔ دوسرے پہلے ہی سے یہود شیاطین کی بدولت اس فریب و چکر میں پڑے ہوئے تھے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو کچھ بھی جنات وغیرہ پر تسخیر حاصل تھی وہ ایک مخصوص کتاب کی وجہ سے حاصل تھی۔



حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات سحر کا نتیجہ نہ تھے

علی ہذا حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق بھی مسلمانوں کا ایک طبقہ آجتک اسی مغالطہ میں پھنسا ہوا نظر آتا ہے کہ اُن کے تصرفات سب کے سب سحر کا نتیجہ تھے غالباً انہی مذبذبین کے لئے حق تعالے شانہٗ نے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر قرآن پاک میں فرمایا تو وہاں ہر معجزہ کے ساتھ لفظ باذنی موجود ہے جسکے تکرار و اعادہ سے صاف و صریح اشارہ اسی طرف معلوم ہوتا ہے کہ ہماری اذن و اجازت سے جو بھی نشان اور امر ظاہر ہوتا ہے وہ لیس کمثلہ شیٔ کا مصداق ہوتا ہے اور اسکی مثل اہل دنیا نہیں لا سکتے اور سمجھ لو کہ جسکی مثل دُنیا میں ہو وہ ہمارا نشان اور فعل نہیں ہے بلکہ وہ سحر و نتیجہ کسب انسانی ہے چنانچہ اندھے کوڑھی کو قدرت کی پیدا کردہ ادویہ کے ذریعہ سے تو ہر انسان سوانکھا اور تندرست کر سکتا ہے لیکن بغیر کسی غیر محسوس مدد خداوندی کے صرف وہی اچھا کر سکتا ہے جسکو بارگاہ احدیت سے اذن اللہ کی قوت اور تصرف کامل حاصل ہو چنانچہ معجزۂ حضرت وجیہا فی الدنیا والآخرۃ کے متعلق اسی لئے ارشاد ہے واذ تخلق من الطین کھیئۃ الطیر باذنی فتنفخ فیہا فتکون طیراً باذنی۔ الخ۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام نے مردہ کو زندہ کیا تو وہ بھی ہمارے حکم اور اجازت سے اور اندھے اور کوڑھیوں کو (اگر بغیر تصرفات ادویہ) اچھا کیا تو وہ بھی ہمارے ہی ارادہ

وقدرت سے اُن کے کسب کو اسمیں دخل نہ تھا لیکن جبکہ متمردین و معاندین نے معجزہ و سحر کے ایسے بین فرق دکھلائے جانیکے باوجود بھی اپنے وہم و جحود پرست طبیعتوں کی وجہ سے معجزات کا انکار ہی کیا اور انبیاء ماسبق کو جھٹلاتے ہی رہے۔

**مکذبین معجزات انبیاء سابقین پر حق تعالیٰ کیطرف سے ایک آخری اتمام حجت**

توحضرت خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم پر سب سے آخر میں علم سحر کے بالمقابل علم الٰہی کا ایک ایسا بدیہی اور آخری معجزہ قرآن پاک کی صورت میں نازل کیا گیا جسکے بعد ہر اُس شخص کو جسکا اگرچہ ایمان صرف مشاہدات و محسوسات پر ہی ہو اسکو بھی دم مارنے کا موقعہ نہ رہے اور ہر ایک منصف مزاج کو ما ھذا کلام البشر ہی کہتے بن پڑے۔ تشریح اسکی یہ ہے کہ علم سحر کی جسقدر بھی تاثیرات عالم میں پائی جاتی ہیں وہ الفاظ و حروف ہی کے سانچوں میں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ جادوگر جب اپنے منتروں کو پڑھکر اپنے موکلوں کو بلاتا ہے اور کواکب و سیارات وارواح سفلیہ کی تاثیرات سے فائدہ اُٹھاتا ہے تو واسطہ بھی حروف مروجہ ہوتے ہیں جنکی تعداد اٹھائیس یا اس سے کچھ زائد ہے اسلئے حق تعالیٰ شانہ نے انہی اٹھائیس حرفوں سے جن سے دنیا کے تمام انسان ہر قسم کی بولیاں بولکر اُسکی مخلوق میں ایک کو دوسرے سے تمیز دیتے ہیں اور ہر زمانہ کے خطیب اور فصیح فصاحت و بلاغت کے دریا بہاکر کلام کی قوت سے لوگونکو مفتون و مسحور کیا کرتے ہیں اور ساحران انانیت شعار کلمات سحر جپکر لوگونکو اپنا تابع فرمان بناتے ہیں ان سب کے غرور و انانیت کا تاروپود بکھیرنیکے لئے اور اعجاز الٰہی کی مہر دنیا میں لگا دینے کیلئے ایک ایسا قول بلیغ اور کلام نور نازل فرمایا جسکی نور انیت سے آفتاب و مہتاب بھی ماند پڑگئے۔ اور ساحرین کے مکروزور کے چولھے ٹھنڈے ہوگئے۔ فصحائے عرب عاجز و ششدر رہگئے۔ اور ایک اُمی ہاشمی پر علوم الٰہیہ کی اس موسلا دھار بارش نے اس حقیقت کو بے نقاب کردیا کہ خالق بے چون و بیچگون ہی کیلئے ہر قسم کے کمالات سزاوار ہیں اور اس کے موصوف کمالات ہونے کے بعد کسی خلقت کا عیب رکھنے والے وجود کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ کسی وقت اور کسی سلسلہ میں بھی دعوئے کمال و یکتائی کرے اسی لئے جناب باری تعالیٰ عز اسمہ ڈنکے کی چوٹ اعلان و تحدی فرماتے ہیں وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین یعنی اے مدعیان فصاحت اور اے منکرین آیات ربانی اگر اس قرآن معجز نما میں بھی تمکو مثل انبیائے سابقین کے معجزات کے کوئی شک و شبہ ہے تو تم سب ہی ملکر قرآن جیسی ایک سورۃ یا قرآن جیسی ایک آیت بنالاؤ اور جو بندش و ترکیب الفاظ و حروف قرآنی میں ستاروں کے باہمی ربط و ارتباط کی طرح قائم ہے اور اُسکے معانی میں جو انوار و رموز پنہاں ہیں اور اُنکی تاثیرات کا یہ عالم ہے کہ زمین و آسمان کی تعمیر اُن سے وابستہ ہیں اگر تم اپنے دعوی میں سچے ہو تو اسکے بالمقابل تم بھی کوئی

۴۰

ایسا ہی کلام نورانی پیش کردو اور بلسانِ عصر علمِ سحر کی تاثیرات پر فخر و ناز کرنیوالو تسے یہ کلام پُراثر کہہ رہا ہے کہ اے
ساحرانِ انانیت شعار اگر تم اپنے دعویٰ فلاحِ سحر میں صادق ہو تو اپنے اثرات کو مجھ پر غالب کر کے دکھلاؤ لیکن بندہ
عاجز سے قدرت کا مقابلہ چونکہ کسی طرح بھی نہیں ہو سکتا اسلئے علام الغیوب قادر و توانا کی طرف سے یہ پیشینگوئی
بھی فرمادی گئی قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ یعنی
قیامت تک گر انسان اور جن منفرداً اور مجتمعاً بھی یہ چاہیں کہ اس جیسا قرآن بنا لائیں تو ہرگز نہ بنا سکیں گے جیسا کہ جن و انس ملکر بھی
آسمان و زمین بنانا چاہیں یا آسمان کے ستاروں کی موجودہ ترتیب ہی کو بدلنا چاہیں تو ہرگز بدل نہیں سکتے تو تم ہی انصاف سے بتلاؤ
جب وہ قومِ عرب جو فصاحت و بلاغت اور اعجازِ کلام میں امام الاقوام تسلیم کی گئی ہے وہ ہی اس جیسا کلام پُراثر بنانے سے عاجز ہو گئی
اور جادوگر اپنے منتروں اور ساحرانہ کلمات میں اس جیسا اثر نہ دکھلا سکے نہ اپنے اثراتِ سحر کو اثراتِ علمِ الٰہی پر غالب کر سکے
تو اس بدیہی اور مسکت صریح اور محسوس اعجازِ قرآنی کے بعد بھی کیا انبیاء سابقین کے اعجازات و معجزات کو سحر ہی کا
نتیجہ اور اُس کا مرتبہ دیا جا سکتا ہے؟ اور حضرت مصدق انبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کو معاذ اللہ غلط
ٹھیرایا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور بیشک خدا کی عنایت و شہادت سے کسی طرح بھی نہیں۔ خوب سمجھ لیجئے کہ زمین
اپنی جگہ سے ہل سکتی ہے اور یقیناً ایک دن میں ہلنے والی ہے اور آسمان اپنی جگہ سے ٹل سکتا ہے اور یقیناً قیامت کیدن
ٹل کر رہیگا۔ مگر حضرت الصادق المصدوق کی تصدیقِ معجزات انبیاء سابقین یقیناً ولاریب اپنے موقع و
محل سے ایک انچ اور سر مو بھی تجاوز نہیں کر سکتی۔

۴۱

**قرآنِ حکیم کے اعجاز کی اصلی وجہ**

جس طرح گندھک۔ ہڑتال۔ پارہ۔ تانبہ وغیرہ کے ذرات سے سونا اور چاندی بنتا ہے
اور آفتاب کی حرارت اُن کو پکا کر سونے کی شکل میں لے آتی ہے اور مہتاب کی چاندنی چاندی بنا دیا کرتی ہے اور سونے
اور چاندی کے یہ اجزاء سب کو معلوم ہیں لیکن اُن کے اوزان اور مجموعی ترکیب و ترتیب کا علم بجز مخصوص حاملانِ
سرِّ الٰہی کسی کو معلوم نہیں اسی لئے ہر ایک ہوس کیمیا سازی میں کامیاب نہیں۔ اسی طرح قرآنِ حکیم کے الفاظ و حروف
تو ہر ایک کو معلوم ہیں لیکن ان حروفِ آبی ناری خاکی و بادی کو ترکیبِ ملہمہ کے ساتھ ایک خاص مقدار کیساتھ جمع کر دیا اور
اُن میں معانی غیبیہ کو مضمر کر دینا جس سے وہ قلبِ انسانی کی گہرائیوں اور پہنائیوں میں اُترتے چلے جاویں اور
انسان کی روح کو زیورِ کمال سے آراستہ و مزین کر دیں۔ یہ سوائے خداوندِ عالم کے اور کسی کے بس کا کام
نہیں تھا اسی ملہمانہ ترکیبِ نورانی کے متعلق قرآنِ مجید کا دعویٰ ہے کہ اگر قرآنِ کریم کو تم منزل من اللہ نہیں
مانتے بلکہ یہ عقیدہ دلوں میں پوشیدہ رکھتے ہو کہ یہ کلامِ بشر ہے تو اچھا اس جیسی اثر رکھنے والی ایک ہی سورۃ بنا لاؤ

جسکے معانی و مطالب کیفیات و اثرات اور جسکے الفاظ و حروف کی باہمی کشش ایسی ہو جیسی ستاروں کی کشش اور علاقہ ایک دوسرے کے ساتھ ہوتا ہے اور جسکے انوار ارواح و اجسام انسانی پر ایسے ہی غالب اور ناطق ہوں جیسے مذکورہ بالا اشیائے عالم کے اثرات انسان پر حاوی ہوتے ہیں۔ چنانچہ سورہ کوثر جیسی چھوٹی سی سورت کو جب لکھکر خانہ کعبہ کے دروازہ پر لٹکایا گیا اور اعلان کیا گیا کہ کوئی اس جیسا کلام بناکر پیش کرے تو تمام فصحائے عرب باوجود ادعائے فصاحت کے اُس جیسے اعلیٰ وارفع کلام کا مثل پیش کرنے عاجز و ششدر ہو گئے۔ فصاحت و بلاغت میں ظاہر ہے کہ ایک سے ایک بڑھکر تھا لیکن اگر وہ عاجز رہے تو اسی ترکیب الفاظ و حروف اور معانی غیبیہ کے پیش کرنے سے۔ مثال کے طور پر ہم سورہ کوثر ہی کے متعلق وجہ اعجاز کو ظاہر کرتے ہیں

**سورہ کوثر کا اعجاز علمی و عملی اور انسانوں کا عجز۔**

دیکھئے سورہ کوثر کے صرف تین جزو ہیں۔ پہلا جزو انا اعطینٰك الکوثر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خدا نے اپنے نبی خاتم الزماںؐ کو کوثر عطا کی۔ دوسرا جزو فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ اسکے شکریہ میں نماز اور قربانی ادا ہونی چاہیئے۔ تیسرا جزو اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ہے یعنی تیرے دشمن ہی ابتر اور منقطع الذکر ہیں۔ کوثر عالم غیب کی ایک نعمت عظیمہ ہے وہ اس عالم میں عطا کی گئی جسکی لذت اندوزی کی صورت اس جہان میں صلوٰۃ اور نحر ہی ہے کیونکہ اُن میں سے نماز سے روح کو تقویت اور زیور کمال حاصل ہوتا ہے تو نحر سے جسم انسانی کے اندر توانائی و استحسان آتا ہے جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اسکے بالمقابل جو انسان بھی حسد کی راہ سے مقابل آئیگا وہی ابتری کے مرتبہ پر پہونچ جائیگا۔ تو اب فرمائیے کہ اس الہام ربّی اور مضمون عالم غیب کا مثل کوئی مضمون بشر کیسے لاسکتا ہے اور کیا ایسے حکیمانہ مضامین غیبیہ کو مشتمل چھوٹی سی سورۃ بناکر کوئی دکھلا سکتا ہے۔ جسکی صفت یہ ہے کہ جس علم کی رو سے بھی سورۂ ہذا کو جانچو وہ کامل و اکمل ہی نظر آتی ہے۔ ہمنے رسالہ آب کوثر میں ایک جگہ لکھا ہے کہ مثلاً علم الوظائف اور علم العدد کی رو سے اگر سورہ کوثر کی خاصیت دیکھی جائے تو اس کے اثرات تب بھی اعلیٰ اور جلالی ہی نظر آتے ہیں کیونکہ اس سورہ کا حاصل جمع ۸ ہے جو عدد کہ حکیم فیثاغورث کی تحقیق میں سیارہ زحل سے متعلق ہے۔ حکیم موصوف کا بیان ہے کہ ہر ایک حرف اور ہر ایک عدد کا تعلق ایک ایک سیارہ اور ستارہ سے متعلق ہے تو اب حاصل یہ نکلا کہ سورہ ہذا کا یہ عدد باذن اللہ جسکی طرف بھی متوجہ ہوگا اُسکی بربادی و ابتری کے لئے قطعی ہوگا۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ روایات و احادیث معتبرہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنان مخصوص بھی آٹھ ہی تھے جو تباہی و بربادی کے گھاٹ اُترے پس نتیجہ یہ نکلا کہ صلوٰۃ و نحر میں جسقدر مرتبۂ احسان کسی کو حاصل ہوگا تو آخرت میں تو اُس کے لئے اس کا صلہ

۴۳

اعطائے کوثر ہے اور دنیا میں اس کا لازمی و قطعی صلہ فلاح اور بربادئ حساد و ابتریٔ دشمنان ہے چنانچہ جوں جوں حضور علیہ السلام کو صلوٰۃ ونحر میں مرتبۂ احسان حاصل ہوتا گیا ووں ووں حضور کے دشمن مرتبۂ ابتری و بربادی میں کمال حاصل کرتے چلے گئے اور حضور کے صدقہ میں اب بھی جسقدر حضرات مومنین صلوٰۃ ونحر سے اپنی اپنی استعداد و قدرت کے موافق مرتبۂ احسان حاصل کرتے رہیں گے اُسی قدر اُن کے حاسد اور دشمن مرتبۂ ابتری و بربادی حاصل کرتے رہیں گے۔

اب ناظرین ہی اندازہ فرمائیں کہ الفاظ و حروف کی یہ اعلیٰ نورانی ترکیب اور سورۂ کوثر کے پرکیف و پرتاثیر جملے کسی انسان کی طاقت ہے کہ وہ بنا کر دکھلا سکے اور جو بشارت اسمیں مدلل طریق سے حضور علیہ السلام کو دیگئی ہے جس کا مزا اس دنیا میں صلوٰۃ ونحر سے انسان چکھ سکتا ہے اور جسکی صداقت ان شانئک ھو الابتر کی جلی پیشینگوئی سے ہزاروں بار مشاہدہ میں آچکی ہے کوئی اسکا انکار کر سکتا ہے؟ یا سوائے خدا کے کوئی علم غیب کو اس طرح انسانوں پر آشکارا کر سکتا ہے؟ یہی عجز کا اصلی سبب ہے جسپر ہرکس و ناکس کی نگاہ نہیں پہنچتی اور باوجود ہرکس و ناکس کے اظہار اعجاز قرآنی کے سبب کو حقیقت اعجاز قرآنی سے واقفیت نہیں ہوتی اور یہی وہ سبب واحد ہے کہ اس کلام نور کے ہم پلہ و ہم شکل کوئی کلام آجتک نہ بن سکا اور نہ کبھی بن سکیگا۔ پھر سونا اور چاندی تو باذن پروردگار بنا لینا ممکن بھی ہے۔ چنانچہ برسوں خاک چھاننے والے اسکی حقیقت پر کبھی مطلع بھی ہو جاتے ہیں لیکن علوی ارواح لطیفۂ نورانیہ کا اٹھائیس الفاظ و حروف میں اس طرح بند کر دینا کہ اس قرآن پاک میں جملہ کواکب و سیارات کی طرح قسم قسم کے انوار موجود ہیں کسی انسان کے قبضۂ قدرت میں نہیں دیا گیا۔ اسی لئے حفاظتِ ذکر حکیم کو بھی خداوند عالم نے اپنے ہی لئے مخصوص فرمایا یعنی ایسے پاک سینوں میں اس نور کو رکھنا تجویز فرمایا گیا جو ہر طرح قابل اطمینان ہوں اور اگر کوئی بمقتضائے اثرات خبیثہ کوئی تحریف کرے بھی تو خداوند عالم نے جس طرح انتظام کلی میں کسی بشر کو گڑبڑ کرنیکی قدرت نہیں دی اسی طرح وہ اس کلام نورانی میں کوئی گڑبڑ نہ کر سکیں۔ لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید۔

**ظہور معجزات کی ضرورت**

باقی رہی یہ بات کہ اس قسم کے اعجاز و نشانات کے اظہار کی ضرورت ہی کیا تھی سو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ جب ہماری اور تمھاری حالت باوجود اس عجز و بیچارگی کے یہ ہے کہ اگر ہمارا کوئی ملازم جو وضع میں اور قطع میں جسم میں اور روح میں بالکل ہمسے مشابہ اور ہمارے مساوی ہے ایک مرتبہ بھی

آنکھیں آنکھ ڈالکر یا آنکھ ملا کر بات کرے یا ایک شاگرد اپنے اُستاذ سے اپنے کو بڑا اور بہتر کہنے لگے تو ہم جامہ سے باہر ہو جاتے ہیں۔ ہماری انانیت باوجود عجز و بیچارگی میں ملوث ہونے کے اپنا عجز گوارا نہیں کرتی تو وہ کبریا جس کے لئے تکبّر و کبریائی سراسر موزوں ہے اور جو قادرِ مطلق ہر قسم کے عجز و نیاز سے منزہ و مقدس ہے پھر اس کے جامع الکمالات اور یکتا ہونیکے باوجود کسی کا دعویٰ قدرت و یکتائی کیسے قابلِ برداشت ہو سکتا ہے۔

اسی لئے سنّتِ اللہ یہ جاری ہے کہ جب انسان سراپا عیوب و نقصان اپنے دائرہ اور حد سے متجاوز ہو کر کسی قسم کا دعویٰ کمال کیا کرتا ہے تو اُسی کے ہم جنسوں سے اُس کے دعویٰ کمال کو پاش پاش کرا دیا جاتا ہے۔

چنانچہ علم سحر کے متعلق بھی جب یہ باور ہونے لگا اور دعویٰ کیا جانے لگا کہ انسان اس کے ذریعے فلاحِ دارین حاصل کر سکتا ہے اور ساحرانِ انانیت شعار بھی جب انبیاء و بندگانِ خاص کی صف میں شمار کئے جانے لگے اور حق باطل کے ساتھ اس درجہ ملتبس اور مختلط ہونے لگا کہ باطل کو حق اور حق کو باطل سمجھا جانے لگا تو حق سبحانہ و تعالیٰ نے حضرت ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ اور حضرت سلیمان علیہم السّلام کو ایسے معجزاتِ باہرہ کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ جس سے اس حقیقتِ باطلہ کا عملاً رد ہو جائے۔ ۴۴

اور سب سے آخر میں حضرت خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم پر قرآنِ عظیم اور معوذتین کا نزول فرما کر عِلماً اُس پر خطِ عدم کھینچ دیا گیا اور ہمیشہ کے لئے سحر کا سر نیچا کر کے اس کے بخیے الگ الگ کر دئے گئے۔ فقط۔ سبحان ربك رب العزة عما یصفون و سلام علے المرسلین والحمد للہ رب العٰلمین۔ وصلے اللہ تعالیٰ علے خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

خاکسار

**محمد طاہر بن احمد القاسمی کان اللہ لہٗ نبیرہ حجۃ الاسلام**

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بانیٔ دار العلوم دیوبند

# تلخیص مضامین رسالہ ہذا بعد حذف مضامین ضمنیہ

۱۔ سورہ فلق اور سورہ ناس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اسوقت نازل ہوئیں تھیں جسوقت یہود نے اشاعت اسلام کی روز افزوں ترقی کو روکنے کے لئے آنحضرت پر سحر کیا تھا۔ روایات میں منقول ہے کہ لبید بن اعصم نے آپ کے موئے مبارک حاصل کر کے انپر کلمات سحر جپکر گیارہ گرہیں لگائیں، تو حق تعالیٰ شانہ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ سے یہ دونوں سورتیں جو گیارہ آیتوں پر مشتمل ہیں نازل فرمائیں جب آپ ایک آیت کو پڑھکر پھونکتے تھے تو ایک گرہ کھل جاتی تھی یہانتک کہ تمام گرہیں کھل گئیں اور آپ اس طرح شفایاب ہو کر کھڑے ہوئے جس طرح ایک جال میں سے کوئی شخص نکل جاتا ہے۔

۲۔ کفار بر بنائے حسد آپکو ساحر بھی کہتے تھے اور اُن کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ ساحر پر کسی کے سحر کا اثر نہیں ہوتا لیکن باوجود اسکے آپ پر جو سحر کیا گیا اس عمل سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کفار محض طالبان حق کو بدظن کرنے کے لئے آپ کو ساحر کہتے تھے ورنہ دل میں وہ بھی جانتے تھے کہ حضور اس سے پاک ہیں

۳۔ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کا موثر ہو جانا بظاہر خلاف شان نبوت معلوم ہوتا ہے لیکن یہ دُنیا عالم اسباب ہے، یہاں جو بھی رسول و پیغامبر آئے ہیں گو ملکیت میں وہ فرشتوں سے کسی قدر افضل کیوں نہ ہوں مگر تحت بشریت ہونیکی وجہ سے بیشک جامۂ انسانیت میں وہ بھی انسانوں ہی کی طرح رہیں البتہ ملک الناس کی حفاظت و تربیت خاصہ ضرور اُن کے شامل حال رہی ہے اور یہ حفاظت عامۃً و خاصۃً دُنیا کے انتظامات میں بھی راتدن دیکھنے میں آتی ہے اسی لئے سحر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قوائے ملکیہ و عقلیہ پر قطعاً موثر نہ ہو سکا البتہ قوت طبعیۂ تخیلیہ سے کسی درجہ میں مزاحم ہوا جس کا تدارک بامر اللہ پوری طرح ہوا اور اسکے بعد تسلیم سحر قطعاً منافی شان نبوت نہیں بلکہ آپکے لئے یہ سحر باعث اعجاز ہے کیونکہ اسی کی وجہ سے آپ پر یہ آیات بینات نازل ہوئیں۔

۴۔ یہود نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر بر بنائے حسد کیا تھا لیکن انہیں معلوم نہ تھا کہ انجام کے لحاظ سے یہ سحر بھی حضور کی حقانیت کا ایک بے مثال نشان ثابت ہو گا اور آپ کے طفیل میں

اذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

آئینۂ اسلام سالہ

# التعوذ فی الاسلام

۱۳۵۴ھ ۱۹۳۵ع

یعنی

## تشریح مضامین و مطالب سورۂ فلق و سورۂ ناس قرآن حکیم

جس میں

علم الٰہی سے علم سحر کا تقابل دکھلاتے ہوئے شیطان رجیم اور علم سحر کی حقیقت و واقعیت پر شافی و جامع بحث کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ آفاتِ انسانی کی عقلاً و نقلاً پانچ ہی شکلیں ہو سکتی ہیں جن کا واحد علاج تعوذ باللہ اور معوذتین ہی ہے اسی کے ضمن میں متعدد مہماتِ فکریہ و اسرار آلٰہیہ کو سر کر کے قلوب مسلمین میں ایقان و عرفان کی ایک نئی روشنی پیدا کی گئی ہے۔

مؤلفہ

جناب مولانا محمد طاہر صاحب بن حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب بن حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب رحمہما اللہ ناظم کتبخانہ دار العلوم دیوبند

مطبع قاسمی دیوبند ضلع سہارنپور میں مطبوع ہوا

# تلخیص مضامین رسالہ ہذا معہ حذف مضامین ضمنیہ

۱۔ سورہ فلق اور سورہ ناس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اُسوقت نازل ہوئیں تھیں جسوقت یہود نے اشاعت اسلام کی روز افزوں ترقی کو روکنے کے لئے آنحضرتؐ پر سحر کیا تھا۔ روایات میں منقول ہے کہ لبید بن اعصم نے آپکے موئے مبارک حاصل کر کے اُنپر کلمات سحر جپکر گیارہ گرہیں لگائیں، تو حق تعالیٰ شانہ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ سے یہ دونوں سورتیں جو گیارہ آیتوں پر مشتمل ہیں نازل فرمائیں جب آپ ایک آیت کو پڑھکر پھونکتے تھے تو ایک گرہ کھل جاتی تھی یہانتک کہ تمام گرہیں کھل گئیں اور آپ اس طرح شفایاب ہو کر کھڑے ہوئے جس طرح ایک جال میں سے کوئی شخص نکل جاتا ہے۔

۲۔ کفار بر بنائے حسد آپکو ساحر بھی کہتے تھے اور اُن کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ ساحر پر کسی کے سحر کا اثر نہیں ہوتا لیکن باوجود اسکے آپ پر جو سحر کیا گیا اس عمل سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کفار محض طالبان حق کو بدظن کرنے کے لئے آپ کو ساحر کہتے تھے ورنہ دل میں وہ بھی جانتے تھے کہ حضور اس سے پاک ہیں

۳۔ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کا موثر ہو جانا بظاہر خلاف شان نبوت معلوم ہوتا ہے لیکن یہ دُنیا عالم اسباب ہے، یہاں جو بھی رسول و پیغامبر آئے ہیں گو ملکیت میں وہ فرشتوں سے کسی قدر افضل کیوں نہ ہوں مگر تحت بشریت ہونیکی وجہ سے بیشک جامۂ انسانیت میں وہ بھی انسانوں ہی کی طرح رہیں البتہ ملک الناس کی حفاظت و تربیت خاصہ ضرور اُن کے شامل حال رہی ہے اور یہ حفاظت عامۃً وخاصۃً دُنیا کے انتظامات میں بھی راتدن دیکھنے میں آتی ہے اسی لئے سحر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قوائے ملکیہ وعقلیہ پر قطعاً موثر نہ ہوسکا البتہ قوت طبعیہ متخیلہ سے کسی درجہ میں مزاحم ہوا جس کا تدارک بامر اللہ پوری طرح ہوا اور اسکے بعد تسلیم سحر قطعاً منافی شان نبوت نہیں بلکہ آپکے لئے یہ سحر باعث اعجاز ہے کیونکہ اسی کی وجہ سے آپ پر یہ آیات بینات نازل ہوئیں۔

۴۔ یہود نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر بر بنائے حسد کیا تھا لیکن انہیں معلوم نہ تھا کہ انجام کے لحاظ سے یہ سحر بھی حضورؐ کی حقانیت کا ایک بے مثال نشان ثابت ہو گا اور آپ کے طفیل میں

تمام اُمّت تمام شرورِ کائنات سے بچنا سیکھے گی۔ اور اُسی خالق الحب و النویٰ و فالق الاصباح کی پناہ ڈھونڈکر فائز المرام ہوگی جو رات کی تاریکیوں سے نورِ صبح کو چمکانے والا اور باپ کی پیٹھ سے نطفہ کو نکلواکر رحمِ مادر میں پرورش کرنیوالا ہے اور تمام شرور سے اسی طرح بچانے والا ہے جیسے ایک آقا اپنے کسی سچے خادم کو ظالم کے ظلم وستم سے بچایا کرتا ہے۔ اسی واسطے انسان اگر پہلے ہی وسائط دنیویہ سے اپنی نظر کو بلند کرکے اپنے اصلی مولا و آقا کی پناہ ڈھونڈ لیگا تو پھر دُنیا بھر کی بُرائیاں اسکے قریب بھی نہ پھٹک سکینگی اور اگر قوائے بہیمیہ میں شیطنت و شرورِ کائنات تموج پیدا کر بھی دینگی تو منورِ عالم کی لشت پناہی جلد ہی اپنی نورانیت سے اُن کو ساکن کر دیگی۔

ف ۵ چونکہ انسان میں حق تعالیٰ شانہ نے تین مختلف قوتیں ملکیت و سبعیت و بہیمیت ودیعت فرمائی ہیں اور ان میں سے ہر ایک قوت کو اپنے مناسب حوال سے بشاشت و تازگی حاصل ہوتی ہے اور خلافِ طبع امور سے رنج و الم حاصل ہوتا ہے اور انسان پر عالمِ اجسام و عالمِ ارواح کی پانچ آفتیں اسی طرح حملہ آور ہوتی ہیں جیسے کہ عالمِ نباتات پر پانچ آفتیں آتی ہیں اسلئے انسان توجہ و عنایت خداوندی کا محتاج ہے جسنے ان قوائے ثلثہ کی ایک طرف اگر قرآن و نورِ نبوت سے تربیت فرمائی تو معوذتین سے آفاتِ خمسہ شرِّ ما خلق، شرِّ غاسق اذا وقب، شرِّ النفٰثٰت فی العقد، شرِّ حاسد اذا حسد، شرِّ الوسواس الخناس، سے اپنی پناہ میں لیکر ان سے بچایا۔ الغرض تمام شرورِ ظاہری و باطنی میں شرِّ ما خلق کو تو بمنزلہ تخمِ شر کے سمجھیے اور شرِّ ما خلق سے استعاذہ کو کل شرورِ کائنات سے استعاذہ قرار دیجیے اور بقیہ شرورِ اربعہ کو تمام شرورِ ظاہری و باطنی کا خلیفہ و نائب سمجھیے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو تمام امت کی بھلائیوں اور نیکیوں کے لئے بمنزلہ تخمِ سعادت و خیر کے جانئے اور آپ کے خلفاء اربعہ کو بمنزلہ شجرِ نبوت کے برگ و بار کے سمجھیے اور شرِّ اعظم کا مقابل تو خیرِ اعظم کو قرار دیجیے اور شرورِ اربعہ کا مقابل خلفاءِ اربعہ کو قرار دیجیے غرض شجرِ نبوت اگر بھلائیوں کے پھل دُنیا میں لاتا ہے تو شجرِ شیطنت بُرائیوں کے پھل دُنیا میں نمودار کرتا ہے اور قیامت تک عالمِ ارواح اور عالمِ اجسام میں یہی ظلمت و نور کا سلسلہ جاری رہیگا






کیفیاتِ نبوتِ محمدیؐ اور آپؐ کے مظاہر اربعہ یعنی خلفائے راشدین مبشر بالجنۃ




لہٰذا اگر حضور علیہ السّلام خیر اعظم ہونے کی وجہ سے شر اعظم کو مغلوب کرنے کے لئے نازل فرمائے گئے تو آپ کے خلفاء اربعہ شرورِ اربعہ کے لئے دافع تھے اور تاقیامت حضورؐ کے جانشینوں کے جانشین یعنی مجددین وصلحائے اُمت اس فریضہ کو انجام دیتے رہینگے۔

# آفاتِ انسانی

(۱) شرما خلق } جس طرح کو درخت کے لئے کچھ سبزہ خوار جانور ہوتے ہیں کہ جب اُن کا قابو چل جاتا ہے تو درخت کا ستیاناس کئے بغیر نہیں چھوڑتے اسی طرح تمام سباع وبہائم انسان کے درپے آزار ہیں اگر پالیں تو ہلاک کئے بغیر نہ رہیں جب تک ان سے انسان نہ بچیگا اپنے مقصدِ خلقت کی تکمیل نکر سکیگا۔

(۲) شر غاسق اذا وقب } جیسے ہر درخت کے لئے عناصر اربعہ کی امداد لازم ہے اور مویدات ستّہ کا انقطاع درخت کے حق میں پیغام موت ہے اسی طرح اگر انسان کو ظاہری یا باطنی حسّی ومعنوی تاریکیاں گھیر لیں مثلاً فقر وفاقہ وتنگدستی، افلاس یا ضلالت وگمراہی وغیرہ تو اُسوقت میں بھی انسان اس شرِّ غاسق کی وجہ سے کامیاب نہ ہوسکیگا جب تک نور ربوبیت حاصل نہ کریگا۔

(۳) شر النفثٰت فی العقد } جس طرح درخت کے لئے کچھ ناگہانی آفات ہیں جو اس نشو وارتقاپر اچانک چھاپہ مارتی ہیں اسی طرح انسان کے لئے بھی نفوس خبیثہ کا شر امراض، وبائیہ سحر واعمالِ سفلیہ طغیانی آب وآتشزدگی وغیرہ ایسی آفات ہیں جو اسکے فہم وادراک کو معطل اور کبھی خود اُسکو ہلاکت میں ڈالدیتی ہیں اور سحر وغیرہ میں زیادہ تر عورتیں مردوں کو پھانسنے کا سبب بنتی ہیں اور خود عورتیں ہی انسان کیلئے

ایک مستقل آفت ہیں اگر بدون رضامندی الٰہی اُن سے تعلق پیدا کیا جائے۔

۹۔ شرِ حاسد اذا حسد } جیسے ہر درخت کے برگ و بار کاٹ ڈالنے والا یا سرے سے اُسکو جڑ ہی سے بلا فائدہ اُکھاڑ کر پھینکنے والا شجر و باغبان دونوں کا حاسد شمار کیا جاتا ہے اسی طرح وہ انسان جس کے حاسد اور دشمن اسکے شجرِ مقاصدِ دینی و دنیوی کو کاٹ ڈالیں اور اسکو عاجز و بدست و پا کئے رہیں چلتے ہوئے کام میں روڑے اٹکائیں وہ بھی اپنے مقصدِ خلقت کو اُسوقت تک مکمل نہیں کر سکیگا جب تک خدائی پناہ اُسے نہ ملجائیگی۔ جسقدر بھی عالم میں شر پائے جاتے ہیں حسد ان سب میں بڑھکر ہے اور یہ ایک ایسی آگ ہے جو دن رات حاسد کو جُھلائے رکھتی ہے اور محسود کو بھی پریشان کئے رہتی ہے۔

۱۰۔ شر الوسواس الخناس } جس طرح درخت کے سویدائے قلب میں دیمک اور گھُن کا لگ جانا اُس کے نشو و ارتقا کے لئے سمِ قاتل ہے اسی طرح انسان کے جوہرِ انسانیت کو گھُن کی طرح اندر ہی اندر چاٹنے والا دُشمن (شیطان) بھی انسان کے اخلاق و ملکاتِ فاضلہ کو ایسے ہی طرح مٹاتا رہتا ہے

## تعوذ آفاتِ خمسہ اور اُسکا نتیجہ

چونکہ یہ تمام حملے شیطان کی طرف سے کئے جاتے ہیں جو نہ ہمیں نظر آتا ہے نہ ہم اُس کا کچھ بنا بگاڑ سکتے ہیں اسلئے بجز آغوشِ رحمت میں بندہ کے پناہ لینے کے کوئی چارہ نہیں جیسے درخت کو اپنی پانچ آفتوں میں آغوشِ باغبان کے بغیر مفر نہیں۔ درخت اگر آفاتِ خمسہ سے بچا رہے اور نشو و ارتقا کے منازل طے کرلے تو ایک وقت اسپر ایسا آتا ہے جبکہ اُسکی بہار کو باغبان فروخت کر کے غنا کی دولت حاصل کرتا ہے اور یہ بہار انسان کے حق میں خیر کثیر کا موجب بنتی ہے اسی طرح جو عبادِ مخلصین آغوشِ رحمت میں پہنچکر آفاتِ خمسۂ شیطانی سے بچ نکلتے ہیں وہ بھی اپنے شجرِ ایمان و وجود کو کمال پر پہونچا کر عالم کے لئے باعثِ سرفرازی و باعثِ برکت بنتے ہیں۔

بہرحال شرورِ کائنات کا قدرِ مشترک ان پانچوں آفتوں میں وہی مادۂ شیطانی ہے جو کبھی "ما خلق" کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور کبھی "شرِ غاسق" کی ہیئت میں کبھی نفثٰت فی العقد کی شکل میں انسان کے لئے ضرر رساں ہوتا ہے تو کبھی "حاسد اذا حسد" کے روپ میں۔ کبھی قلب میں وسواس ڈالکر انسان کو گھُن کی طرح تباہ کرتا ہے تو کبھی انانیت پیدا کر کے انسان کو خسران

وذلت کے گڑھے میں گراتا ہے سو چونکہ انسان کا کمال اسکی روحانیت کے کمال پر ہے اسلئے چاہیئے کہ انسان ملکیت وبہیمیت وسبعیت کے ہر ایک نفع وضرر رنج وراحت میں برابر درواز الٰہی کو کھٹکھٹاتا رہے جلبِ منفعت کی صورت ہو یا دفعِ مضرت کی ہر صورت میں انسان بہائم سے ممتاز رہے اور اپنی ملکی قوت کو اوجِ کمال پر پہونچاتا رہے۔

۱۱ استعاذہ امت اور استعاذہ محمدی میں بھی وہی نسبت ہے جو زمین کو آسمان سے ہے بلکہ کوئی نسبت نہیں۔ امت کا استعاذہ تو اپنے اخلاق کے نقص اور اعمال کی خرابیوں پر ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا استعاذہ باوجود معصوم العمل اور مکملِ اخلاق ہونیکے زعم تقصیرات محبتِ الٰہی پر ہوتا ہے اور اسکی بعینہ ایسی ہی مثال ہے جیسے ایک عاشق باوجودیکہ ہر آن اپنے محبوب کی دلداری ہی میں لگا رہتا ہے مگر پھر بھی سچا عاشق شدتِ تعلق کی بنا پر اپنے محبوب سے یہی کہا کرتا ہے کہ مجھسے کوئی حقِ محبت ادا نہو سکا میں تمھارا فی الواقع بہت قصوروار ہوں للہ میری تقصیرات پر خیال نکرنا اچھا بس ایک مرتبہ اپنی زبان سے یہ کہدو کہ میں نے تمھاری اگلی پچھلی ساری خطائیں معاف کردیں اسپر محبوب کہا کرتا ہے کہ واقع میں تو کوئی تمسے قصور ہوا نہیں لیکن جب تمھارا اصرار ہی ہے تو میں کہتا ہوں کہ میں نے تمھاری ساری خطائیں معاف کردیں اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں ہمیشہ تم سے راضی رہا کرونگا۔ یہی حال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تقصیراتِ محبت کا اپنے محبوبِ حقیقی کی ساتھ تھا کہ حضور اپنی تقصیراتِ محبت کی عفو کے لئے استغفار و استعاذہ فرماتے تھے جسپر عفوِ تقصیراتِ محبت کی بشارت سُنانے کیلئے آیتِ انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تأخر نازل ہوئی۔ غرض انبیاء علیہم السلام چونکہ نوعِ انسانی کے فردِ کامل ہوتے ہیں اور بوجہ تربیتِ پروردگار معصوم العمل بھی اور امت کے لحاظ سے انبیاء بمنزلہ نوعِ خیر کے ہیں اسلئے ان کا استعاذہ شرِ نوعی اور شرِ ما خلق سے ہوتا ہے اور انبیاء امت کے شرورِ مقدرہ اور ذنوبِ مطلقہ سے استعاذہ فرمایا کرتے ہیں جیسے مقربانِ شاہی کی تقصیرات جو کچھ بھی ہوتی ہیں وہ مرتبہ وتقربِ شاہی کے اعتبار سے ہوتی ہیں نہ کہ عام اخلاقی مجرموں کے طرح پر مگر صورتِ ذنب اور لفظِ خطا میں دونوں شریک ہوتے ہیں اسی طرح امت کے ذنوب اور ان کے استعاذہ

اور انبیاء کی تقصیرات عبودیت اور اُن کے استغفار کو سمجھیئے چونکہ ہر نبی اپنی امت کے گناہوں سے مغفرت طلب کرنے میں وکیل کی حیثیت رکھتا ہے اور تمام بھلائیوں کے پہونچانے میں واسطہ ہے۔ اسلئے ان کا استغفار و استعاذہ امت کے گناہوں پر ہوتا ہی نہ کہ خود اپنے اعمال پر۔ لہذا جب استعاذۂ نبوی اعوذ برب الفلق الخ سے مراد ہوگا تو مطلب یہ ہوگا کہ میں پناہ مانگتا ہوں نوع انسانی کے تمام شرور مقدرہ اور ذنوب مطلقہ سے اور پناہ مانگتا ہوں نوع انسانی کے شر غاسق اور شر النفثت فی العقد سے اور پناہ طلب کرتا ہوں نوع لبشریت کے اس ازلی حاسد خناس الوسواس سے جو عالم اجسام میں بھی مبتلائے محن کرتا ہے اور عالم باطن میں بھی وسوسے ڈالکر افراد انسانی کی ترقی ملکیت کو فنا کر دیتا ہے۔

ف ۱۲ خلاصہ یہ ہے کہ سورہ فلق میں انسان کو ان چار آفتوں سے پناہ رب میں لیا گیا ہے جو عالم اجسام میں چار شکلوں سے اسکو ضرر دیتی ہیں اور سورۂ ناس میں اس پانچویں شر عظیم سے انسان کو تعوذ سکھلایا گیا ہے جو عالم ارواح میں اس کے لئے مانع ترقی ملکیت ہی چونکہ روح جسم میں روح جسم سے افضل ہے اسلئے روحی عالم بھی جسمی عالم سے فایق ہے یہی وجہ ہے کہ ضرر جسمانی سے تعوذ کے لئے تو صرف اسمائے حسنیٰ میں سے ایک اسم ہے اور رب الفلق کی تجلی انسان کے لئے کافی سمجھی گئی اور روحانی ضرر سے بچنے کے لئے اسماء حسنیٰ میں سے تین اسم رب الناس۔ ملک الناس اِلٰہ الناس کی تجلیات ثلاثہ انسان کو مرحمت فرمائی گئیں +

ف ۱۳ چونکہ معوذتین کے نزول میں سحر کو خاص طور پر دخل ہے اسلئے اُسکی ماہیت وحقیقت کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اُسکا خلاصہ بھی پیش کرنا ضروری ہے بالخصوص ایسی حالت میں کہ ایک گروہ قدیم ہی سے سحر کا منکر چلا آتا ہے۔ سو بطور تمہید عرض ہی کہ :-

ف ۱۴ چونکہ اس عالم میں خیر و شر کا وجود توام ہے اسلئے باعتبار شہادت عقل و نقل خیر و شر کے مظاہر بھی تین ہی قسم کے ہوں گے اور اُن کے علوم بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوں گے یعنی فرشتوں کا علم خیر محض ہوگا تو جنات و شیاطین کے علوم میں شر ہوگا۔ اور انسان کے علوم میں دونوں کا ظہور ہوگا۔ اور جب یہ تسلیم ہوگیا تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ ہر سہ مخلوق کے مطالب و معانی اور اُن کے کلام کی ترکیبیں بھی نورانی و ظلمانی دونوں قسم کی جدا جدا ہونگی۔ پس جیسے

دن کی ظلمات ضروری ہے اور رات کے لئے دن اسی طرح علومِ الٰہی کے مقابلہ میں علومِ سحر کو بھی ماننا پڑیگا جسکے ہوشربا کرشموں سے انسان کو اس دار العمل میں خدا کی جانب سے آزمایا گیا ہے اور جیسے خداوند عالم شر کا بھی خالق مانا جاتا ہے اور خیر کا بھی اسی طرح یہ بھی ماننا پڑیگا کہ خداوندِ عالم کی طرف سے الفاظ و حروف کے سانچوں میں دو قسم کے علم پیدا کئے گئے ہیں ایک علم نافع جس سے عالم کی فلاح و بہبود وابستہ ہے اور دوسرا علم مضر جس سے عالم کی اجزار کی تحلیل و تفریق ہوتی ہے (والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ) پھر چونکہ یہ بھی ایک حقیقتِ مسلّمہ ہے کہ اُن میں سے جس علم سے بھی انسان کا واسطہ ہوگا ویسے ہی عمل میں آثار رونما ہونگے۔ لہٰذا جب انسان کبرائے شیاطین کے اسماء اور ظلمانی منتر جپکر ظلمانی مخلوق سے تعلق قائم کریگا تو اسی قسم کے تصرفات اُسکو حاصل ہونگے۔ اور جملہ ایسی ناپاک قوتیں اُسکو حاصل ہوجاوینگی جنسے وہ اپنے ابنائے جنس کیلئے ہر قسم کا نامحمود تصرف کرسکے اور جب انسان کلامِ رب العلمین اور نورانی مخلوق کے علوم اور مضامین کو دل میں راسخ کرکے ذکر اللہ و ذکرِ رسول سے اپنی زبان کو پُر حلاوت بنائیگا تو اللہ و رسول کا نورِ نظر بن جائیگا اور جنودِ رب کی جملہ طاقتیں اُسکے اشاروں پر کام کرینگی ؎

| | |
|---|---|
| یکے دیدم از عرصۂ رود بار | کہ پیش آمدم بر پلنگے سوار |
| چناں ہول از اں حال بر من نشست | کہ ترسیدنم پائے رفتن ببست |
| تبسم کناں دست بر لب گرفت | کہ سعدی مدار انچہ دیدی شگفت |
| تو ہم گردن از حکمِ داور مپیچ | کہ گردن نہ پیچد زحکمِ تو ہیچ |
| چو خسرو بفرمانِ داور بود | خدایش نگہبان و یاور بود |
| محالست چوں دوست دارد ترا | کہ در دستِ دشمن گذارد ترا |
| رہ اینست رُو از طریقت متاب | بنہ گام و کامی کہ خواہی بیاب |
| نصیحت کسے سودمند آیدش | کہ گفتارِ سعدی پسند آیدش |

غرض از روئے علمِ سحر لباسِ بشریت کی تحلیل و تبدیل، وتسخیرِ عناصر، واستمداد ارواح سفلیہ و علویہ کا دعویٰ کوئی من گھڑت دعویٰ نہیں ہے بلکہ یہ ایک امرِ واقعہ ہے۔

۱۵ و

مسمریزم کے کرشمے استحضارِ ارواح کی موجودہ حیرت انگیز وقائع، کلدانیوں کے ہوشربا طلسمات

یہ سب فرضی قصے نہیں ہیں بلکہ انسان کا اپنی روحانی قوتوں پر کامل قابو پالینا اور عالم کی جملہ مادی و روحانی قوتوں میں دسترس پیدا کر لینا کواکب و سیارات کی تاثیرات اور ہمزاد و موکلین کی قوتوں کا بہم پہونچا لینا ایک واقعی حقیقت ہے۔ اور ان سب کا خلاصہ یہی ہے کہ انسان اپنی قوتِ متخیلہ اور قوتِ نفسانیہ کو غیر مرئی مخلوق کے سپرد کر دے۔

الغرض علم الٰہی براہ راست جناب الٰہی سے توسل سکھلاتا ہے اور اسی کو نافع وضار بتلاتا ہے اور یہ علم سحر مخلوق کی جبہہ سائی کراتا ہے۔

# اقسامِ سحر

ف۱۶ جیسے شرک کی باعتبار اُسکے خواص کے چند قسمیں ہیں اسی طرح سحر کی بھی چند قسمیں ہیں اوّل سحر علوی جسمیں کواکب و سیارات کی قوت سے استمداد کر کے انسان قوت و قدرت حاصل کرتا ہے۔ اور عالم میں ہوشربا کرشمے اور محیر العقول طلسمات بنا کر اپنے ابنائے جنس کو اپنا مطیع و منقاد بناتا ہے جسکو باطل کرنیکے لئے حضرت ابراہیم ؑ مبعوث فرمائے گئے۔ دوم سحر سفلی جسمیں انسان جنات و شیاطین کی ارواح کو مسخر کر کے اُن کی قدرت وطاقت سے عالم میں اپنے کو ذی قدرت کہلواتا ہے جسکے باطل کرنے کے لئے حضرت سلیمان ؑ کو نبی بنایا گیا اور علم منطق الطیر عطا کیا گیا سوم سحر قلبی جسمیں خود انسان اپنے حواس خمسہ اور درمیان کی قوتوں کو مجتمع کرتے ہوئے یکسوئی میں کمال پیدا کرے اور اپنی قوتِ متخیلہ کو متشکل کر کے باہر لاسکے ان تمام قسموں کے رد کے لئے:۔

ف۱۷ آخر میں کلامِ الٰہی نازل کیا گیا۔ جسنے سحر کی ہر ایک قسم کے بخیے الگ الگ کر دیئے۔

پس جبکہ علم سحر کا مقابلہ علم الٰہی سے ٹھیرا تو اب معجزہ اور سحر کے باہمی فرق کو بھی سنئے بلاشبہ سحر سے بھی افعال عجیبہ کا صدور ہوتا ہے اور معجزہ سے بھی حوالِ محیر العقول کا ظہور ہوتا ہے لیکن سحر میں بندہ کے کسب کو دخل ہوتا ہے اور معجزہ کسی علم و فن کے ماتحت نہیں ہوتا معجزہ کہتے ہی اسکو ہیں جسکا دنیا کے پاس کوئی جواب نہو اسی لئے جس چیز کا جواب دنیا کے پاس ہوگا وہ معجزہ نہوگا

ف۱۸ علم سحر چونکہ اپنی غیر معمولی مشقتوں اور غیر مستحسن صعوبتوں کیوجہ سے قلبی اور روحانی قوتوں کو غیر طبعی طور پر برانگیختہ کرتا ہے اور انسان کی انانیت میں کمال پیدا کراتا ہے اسلئے اس قسم کے علوم و مجاہدات سے ثمرات بھی غیر مستحسن ہی ظاہر ہوتے ہیں اور علم الٰہی بجائے انانیت کی راہ سے غلبہ عالم دلانیکے عجز کے راستہ سے انسان کو خدا تک پہونچاتا ہے اور سفلی و علوی مخلوق پر غلبہ دلاتا ہے۔ علمِ الٰہی بتدریج انسان کو عالم شہادت اور عالم غیب کی نعمتوں اور طاقتوں سے بہرہ ور کرتا ہے اور علم سحر انسان کو جنات و شیاطین کی راہ پر لیجاتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# تشریح مضامین سورہ ناس حصہ دوم

المسمّٰی بہ

# نور الالٰہ

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ مَلِکِ النَّاسِ ۙ اِلٰہِ النَّاسِ ۙ مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ ۬ۙ الۡخَنَّاسِ ۪ۙ الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ ۙ مِنَ الۡجِنَّۃِ وَ النَّاسِ ۝

**ترجمہ** تو کہہ پناہ میں آیا لوگوں کے رب کی، لوگوں کے بادشاہ کی، لوگوں کے معبود کی، بدی سے اُس کی جو پھسلاوے اور چھپ جاوے، وہ جو خیال ڈالتا ہے لوگوں کے دل میں جنوں میں اور آدمیوں میں۔

الحمدُ للہِ وَسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی۔ **اما بعد** سورہ فلق میں انسان کو اُن چار آفتوں اور شیطانی مضرتوں سے پناہ رب میں لیا گیا تھا جو عالم اجسام میں انسان کے لئے ضرر رساں تھیں اور جو ظلمت و شیطنت انسان کو عالم اجسام میں مطمئن نہ رہنے دیتی تھی۔ چنانچہ ناظرین کرام پڑھ چکے ہیں کہ ظلمت و شر کا ظہور عالم اجسام میں کبھی "ما خلق" کی صورت میں ہوتا ہے اور کبھی غاسق اذا وقب" کی ہیئت میں۔ کبھی شر شیطان "نفثٰت فی العقد" کی شکل میں اثر انداز ہوتا ہے اور کبھی حاسد اذا حسد" کے لباس میں۔ الغرض عالم اجسام میں شیطان کی ایذا رسانی اصولاً انہی چار شکلوں سے ہوتی ہے۔ اب سورہ ناس میں پروردگار انسان نے شیطان کے اس ضرر شدید اور شر عظیم سے انسان کو خبردار کر کے اپنی پناہ میں لیا ہے جو عالم ارواح میں براہ راست اُسکے جوہر انسانیت پر شیطان کی طرف سے اثر انداز ہوتا تھا اور اُسکی ملکیت کو تباہ و تاراج کرنے کی سعی کرتا تھا۔ اور تدابیر جسم میں فساد ڈالکر شیطان ہر دو عالموں میں روح انسانی کے لئے خسران و ناکامی کے اسباب مہیا کرتا تھا

**ہر دشمن کے موافق اُسکا مقابلہ کیا جاتا ہے**

یہ ایک اقتضائے فطرت ہے کہ جسقدر بڑا دشمن ہوتا ہے اُسی قدر اُس کے مقابلہ میں تیاری کیجاتی ہے۔ سانپ اور بچھو انسان کے دشمن ہیں تو اُن کے مارنے کے لئے لاٹھی اور جوتہ کافی ہوتا ہے لیکن اگر کوئی دشمن تیر و تفنگ سے مقابلہ میں آئے تو اُسکا مقابلہ توپ اور ہوائی جہاز سے کیا جاتا ہے۔ اسی لئے عالم اجسام میں جب شیطان انسان کے مقابلہ میں حیوانوں اور انسانوں کا بھیس بھر کر آیا تو اُس کے پچھاڑنے کے لئے انسان کے پرورش کرنیوالے خدا نے صرف رَبّ الفلق کا نورانی ہتیار مرحمت فرمایا یعنی شیطان کو انسان نے اس کا الٹی میٹم دیدیا کہ اگر تو نے اسکے بعد اپنے شرور و مکائد سے مجھپر حملہ کیا تو یاد رکھ میرا خدا وہ ہے جو رات کی تاریکیوں سے صبح کا نور ظاہر کرنیوالا اور شرورِ کائنات کی اندھیریوں میں سے حق و رسالت کا آفتاب و مہتاب چمکانیوالا ہے اور شیطنت کے رستوں کو مسدود فرما کر انقلاب ماہیت کر دینے والا ہے

**عالم ارواح میں شیطان کا حملہ اور اُس کا تدارک**

اور جب شیطان عالم ارواح میں براہ راست انسان کے جوہر ملکیت و انسانیت کو معدوم کرنے کے لئے اسپر حملہ آور ہوا اور بفحوائے حدیث ان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم - جبکہ وہ جسم انسانی میں داخل ہو کر اُس کے رگ و پے میں خون کی طرح دوڑنے لگا تو اُس پروردگار عالم نے جسنے انسان کو کرامتِ عقل کا تاج پہنا کر اور خلاصۂ کائنات بنا کر خلیفۃ الارض بنایا ہے اپنی ربوبیت و ملکیت و الوہیت کی تجلیاتِ ثلٰثہ کا کبھی غروب نہ ہونے والا آفتاب و مہتابِ ارواح انسانی پر طلوع فرمایا اور اپنی صفاتِ نورانیہ میں سے انسان کو ایسے تین نور مرحمت فرمائے جنکے توسل اور توسط کے بعد شیطنت کا یہ مخفی اور کاری حملہ انسان کے لئے مضرت رساں نہ ہو۔

**آفتاب عالم اجسام و آفتاب عالم ارواح**

کائنات عالم کو منور کرنے والے آفتاب کی ضیا ریاشی تو اس طرح پر ہے کہ وہ طلوع ہو کر بڑھتا اور نصف النہار پر آ کر زوال پذیر بھی ہو جاتا ہے اور مغرب کے وقت تک ہماری نظروں سے غائب ہو کر جو اپنی نورانیت لاتا ہے وہ اپنے ہی ساتھ لیجاتا ہے لیکن عالم ارواح میں اِن تجلیات ثلٰثہ کا آفتاب ضیا ریاش اور اُسکے انوار و برکات تو کسی وقت اور کسی آن بھی غروب نہیں ہوتے۔ بلکہ ہر آن نئی شان اور نئی دھج سے انسان کی تربیت و حفاظت، بقا و ارتقا میں سرگرم عمل رہتے ہیں اور شیطنت کی تاریکیوں سے انسان کو ہٹا کر صراط نور پر چلانے کیلئے ہر دم

مستعد ہیں اور قلب انسانی میں اِن تجلیاتِ ثلثہ کی جلوہ پاشی جہت ومکان سے منزہ ہونے کے باوجود بعینہ وہی شکل رکھتی ہے جیسے آفتاب کا نور تمام عالم کو محیط ہونیکے باوجود آئینہ میں آجائے جیسے آفتاب عالمتاب اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتا مگر آئینہ میں جلوہ افروز ہو جاتا ہے اور یوں کہہ سکتے ہیں کہ آفتاب آئینہ میں نہ سما سکنے کے باوجود آئینہ میں ہے ایسے ہی ان صفاتِ ثلثہ کی جلوہ افروزی باوجود جہت ومکان سے منزہ ہونیکے قلبِ انسانی میں قرار پکڑ لیتی ہے یہیں سے خداوندِ عالم کا شہرگ سے بھی زیادہ ہم سے قریب ہونا بھی بالبداہتہ روشن ہو گیا کیونکہ جس طرح انسان مطلق ہر انسانِ مقید میں پایا جاتا ہے یہی حال موجودِ اصلی کا موجوداتِ عالم کے ساتھ ہے لیکن اس قربت وجلوہ افروزی کے ساتھ بھی اگر کوئی اندھی روح اپنے ارادہ واختیار سے ان تجلیاتِ ثلثہ کے فیوض وبرکات سے مستفید ہونا چاہے اور شیطنت کے جال سے نکلنے کی آرزو ہی نہ کرے بلکہ اُس کے دامِ تزویر میں پھنس جانے ہی کو اپنی کامیابی اور ترقی سمجھے تو اس میں ان تجلیاتِ ربانیہ کا کیا قصور ہو سکتا ہے۔ جیسے آفتاب عالمتاب اِس عالم میں روزانہ تجلّی ریز ہوتا ہے اور اکتسابِ فیض کے لئے ہر ایک کو صلائے عام دیتا ہے مگر اسپر بھی جو اس کے انوار وتجلیات سے متمتع ومستفید نہ ہو اور تاریکی ہی میں رہنا پسند کرے تو آفتاب کا اسمیں کچھ قصور نہیں بلکہ اسی کوتاہ نظر کا قصور ہے اسی طرح جو کوتاہ عقل ربوبیت ٗ ملکیت ٗ والوہیت ٗ کے انوار وتجلیات سے اکتسابِ نور ہی نہ کرے تو اس میں اُن کا کوئی قصور نہ ہوگا بلکہ عقلِ انسانی کے مختار ومجاز ہونے کی وجہ سے سراسر قصور اسی کا سمجھا جاویگا۔ اور یہی انوار وتجلیات وصفاتِ ربانی یومِ حساب میں اسپر حجت کردی جاویگی ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

**آئینہ قلب میں جلوۂ خداوندی کب ضیاء ریز ہوتا ہے**

جسطرح آئینہ کا رُخ جب آفتاب عالمتاب کے ٹھیک مقابلہ پر آجاتا ہے تو آئینہ میں پورا عکسِ آفتاب منعکس ہو جاتا ہے اور جب انسان کتنی ہی اسکی کوشش کیوں نہ کرے کہ عکسِ آفتاب آئینہ میں نہ آئے یا تھوڑی بہت تاریکی کو آئینہ قبول کرلے مگر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح انسان جب اپنے آئینۂ قلب کو خدا کی طرف کرلیگا اور اپنی روحانیت کا ملکوتی رُخ تجلیاتِ الٰہیہ کیطرف کر کے جہتِ عبدیت کو معبودِ حقیقی کے ساتھ صحیح کرلیگا تو ناممکن ہے کہ اسکے آئینۂ قلب میں شیطنت کی تاریکی دخل پا سکے اور تواضع وبندگی کے قالب میں رفعت وکرامت کا آفتاب جلوہ گر نہ ہو کما قال الرسول علیہ السّلام من تواضع للہ رفعہ اللہ (الحدیث)

اسی مضمون کی طرف قرآن عزیز میں یوں اشارہ فرمایا گیا ہے۔

انی وجہت وجھی للذی فطر السموات و الارض حنیفا وما انا من المشرکین۔ | میں نے متوجہ کر لیا اپنے چہرہ کو اُسی کی طرف جسنے بنائے آسمان اور زمین سب سے یکسو ہو کر اور میں نہیں ہوں شرک کرنیوالا

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

فاقم وجھك للدین حنیفا فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذلك الدین القیم۔ | سو تو سیدھا رکھ اپنا منہ دین پر ایک طرف کا ہو کر وہی تراش اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو بدلنا نہیں اللہ کے بنائے ہوئے کو۔

**سعی شیطان** شیطان کی سعی ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ انسان کے اس ملکوتی جہت کو جسکو خداوند عالم نے اپنی صفات ثلاثہ کی طرف رجوع کرنا سکھلایا ہے اِن تجلیات ثلاثہ کے انوار سے مکتسب نہونے دے بلکہ انسان کے علم وارادہ افعال واعمال کا رُخ مسبّب حقیقی سے ہٹا کر عالم اسباب کی طرف مائل کردے تاکہ بہیمیت کا غلبہ ہو کر ملکیت فنا ہو جائے۔ اور ان اسباب کے چکّروں میں پھنسکر مسبّب عالم سے انسان غافل ہو جائے جس طرح وہ کاشتکار اور کسان جو گنگا کی نہر سے سیکڑوں میل کے فاصلہ پر رہنے کے باوجود اپنی کھیتی باڑی کو سرسبز وشاداب کرنیکی آرزو رکھتا ہے تو اُس کے لئے یہی صورت ہے کہ وہ اپنی بستی کے آس پاس گنگا کی کسی شاخ سے ایک چھوٹی سی نالی کاٹ کر اپنے کھیت میں ملا دے۔ تو سیکڑوں میل کی بُعدِ مسافت، اکتسابِ فیض، وبرکتِ آب کے لئے ہرگز مانع نہیں ہو سکتی۔ اور اس کے حاسد ودشمن چاہے کتنی ہی سعی اسکی کیوں نکریں کہ اس کسان کے کھیت میں خشکی سے ویرانی آجائے مگر نہیں آسکتی۔ اسی طرح جو عباد مخلصین چشمہ ہائے علوم نبوت والوہیت سے اپنے چمنستان قلبی میں کسب واکتساب کی نالیاں کاٹ کر لائے ہیں اور جنہوں نے اپنے دلوں کی زمین کو مقدس حوض کوثر سے سینچ لیا ہے اُن کے قلوب میں بھی شیطنت کی ویرانی اور جہالت وظلمت کی خشکی ہرگز دخل نہیں پا سکتی البتہ بندہ کا کام یہ ضرور ہے کہ عمل صالح وکسب محمود کو ہاتھ سے نہ چھوڑے اور جو انسان اپنے قوائے ملکیہ وبہیمیہ سے کام ہی نہ لے اُسکی مثال اور حالت تو بعینہٖ اُس کاشتکار کی سی ہے جس کے گھر میں غلّہ بونے کا سامان بھی رکھا ہوا ہے اور قدرت کی فیاضیوں سے پانی اور زمین بھی اُس کے پاس موجود ہے مگر نہ وہ زمین کو جوتتا ہے نہ اُسے پانی دیتا ہے نہ دانہ زمین میں ڈالتا ہے ہاں مگر قدرت سے

امیدوار اسی کا ہے کہ میرا دابن مرادبھی اُنہیں کاشتکاروں کی طرح بھرجائے جنہوں نے سخت سی سخت لُوہ کے اندر تپتی ہوئی زمینوں میں قدرت کی فیاضیوں پر اعتماد کرتے ہوئے دانہ کوسپردِ خاک کیا تھا اور ہر قسم کے تعب ومشقت سے جان نہ چرائی تھی تو یہ اعتماد اس کسان کے لئے موجب نقصان ہے اور سراسر اسکی نادانی ہے اور ناممکن ہی کہ قدرت کی فیاضی اسکے گھر میں غلہ کا ڈھیر لگائے اسی طرح جو انسان اپنی قوتِ ملکیہ کو اوج ترقی پر پہونچا کر کمالِ انسانیت حاصل کرنا چاہتے ہیں اُن کے لئے ضرورت ہی کہ تعلیماتِ ربّانی وہدایاتِ آسمانی کے مطابق اوّلاً اپنے دل کی زمین میں کلمۂ طیّبہ کا تخم سعید ڈالیں اور پھر زندگی کی اس کھیتی کو توحید ورسالت کی اعانت سے آلائشات شیطانی سے پاک وصاف بنائیں اور مجوزہ اعمالِ حسنہ کی مشقت اور مواظبت ومداومت سے شجر ایمان کو بڑھائیں اور پھیلائیں اور دل کی زمین کی پیداوار کو رحمتِ حق کی بارش سے اُگائیں اور پکائیں۔

قد افلح المؤمنون الذین ھم فی صلوٰتھم خاشعون والذین ھم عن اللغو معرضون والذین ھم للزکوٰۃ فاعلون والذین ھم لفروجھم حافظون۔

کام نکال لیا ایمان والوں نے جو اپنی نماز میں جھکنے والے ہیں اور جو نکمّی بات سے اعراض کرنیوالے ہیں اور جو زکوٰۃ دینے والے ہیں اور جو اپنی شہوت کی جگہ کو تھامنے والے ہیں۔

الغرض اسکی ضرورت تھی کہ جس طرح عالمِ اجسام میں شیطان کے راستے مسدود کئے گئے تھے اسی طرح جب وہ مجاری دم میں گھُسے اور عالمِ ارواح میں قلب انسانی پر اُس کا گذر ہو تو اس کے لئے بھی حق تعالیٰ کی طرف کوئی بندش بتلائی جاوے۔

**شیطان وملک کا گذر قلبِ انسانی پر اور اس کا اثبات عقلی**

بظاہر حدیث ان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم کا یہ مضمون کہ شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح دوڑتا ہے "خلافِ فطرت" معلوم ہوتا ہے لیکن عقلِ سلیم اسپر شاہد ہے کہ روح انسانی کا مادّی لباس جس طرح کثیف اور وزنی ہے اسی طرح شیطان وملک کا مادۂ خلقی لطیف اور سریع النفوذ بھی ہی اور وہ ہر شکل وصورت کے قبول کرنے کی اہلیت وصلاحیت رکھتے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ نور ونار دونوں مادّے جسمانی شکل وصورت سے بے نیاز ہیں نورِ آفتاب کو نورِ آفتاب تو ہم کہتے ہیں لیکن نہیں بتلا سکتے کہ اُسکی شکل وصورت

کیا ہے۔ اسی طرح نار کو ہم نار کہتے ہیں مگر نہیں کہہ سکتے کہ اسکی صورت کیا ہے۔ سو جس طرح نورِ آفتاب کو اسکی انتہائی لطافت کی وجہ سے زمین قبول کرنے پر مجبور ہے اور اپنی کثافت و ثقلِ ذاتی کی بنا پر فیضِ آفتاب و مہتاب کو خواہی نخواہی لینے پر مجبور و مجبول ہے۔ اسی طرح چونکہ شیطان و ملک کا مادۂ خلقت بھی زمین سے لطیف ہے اسلئے ان کا اجسامِ انسانی میں داخل ہونا اور انسان کا شیطان و ملک کو اپنے جسم میں داخل ہونے سے نہ روک سکنا بھی بالبداہت ظاہر ہے۔ رہا شیطان و ملک کے وجود کا مسئلہ سو یہ ایک کھلی ہوئی چیز ہے جس طرح مدبّر الامر کے حکم محکم کا تعلق جب عنصرِ خاکی سے ہوا تو اس سے حیوان و انسان شجر و حجر وغیرہ پیدا ہوئے اسی طرح جب اس کے امر کا تعلق نور و نار سے ہوا تو ان سے شیطان و ملک پیدا ہوئے لیکن اگر وہ غیر مرئی ہیں تو اس سے انکارِ وجود لازم نہیں آتا ورنہ تو پھر روح کے وجود سے بھی انکار کرنا پڑیگا اور یہ ہمارا استدلال عقلی بحمد اللہ اختراع محض ہی نہیں ہے بلکہ احادیثِ صحیحہ و تفاسیرِ معتبرہ میں اسکی اصل بھی موجود ہے چنانچہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں ہے۔ ان الشیطان لمۃ الخ۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ابن آدم کے دل پر شیطان کا بھی گذر ہوتا ہے اور ملک کا بھی۔ شیطان کے گذرنے سے شر پر آمادگی ہوتی ہے اور حق کی تکذیب انسان کرتا ہے اور فرشتوں کے گذرنے سے انسان کو نیک کام کی توفیق ہوتی ہے اور انسان حق کی تصدیق کرتا ہے لہٰذا جسکو نیکی کی توفیق میسّر آدے اُسکو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ اور جس کے دل میں شیطان کی طرف سے بدی کی تحریک ہو اُس کو خدا سے پناہ مانگنی چاہیئے۔ الغرض فرشتے اور شیاطین جسم غیر محسوس رکھتے ہیں اسلئے ان کا مجاری دم میں مداخلت کرنا کچھ مشکل نہیں یہی وجہ ہے کہ انسان کے دل پر دریا کی طرح خیر و شر کی موجیں اُٹھا کرتی ہیں اور اسکی بعینہٖ ایسی ہی صورت ہوتی ہے جیسے کسی تالاب میں کوئی پتھر یا ڈھیلا پھینکدیا جائے تو پانی لہریں لینے لگتا ہے اور موجیں سطحِ آب پر ہر مرتبہ ایک نیا لباس پہن لیتی ہیں۔ اسی طرح جب انسان کے دریائے قلب میں فرشتے اور شیطان غوطہ زن ہوتے ہیں تو اسکے قوائے ملکی و بہیمی میں بھی ایک قسم کا تموّج پیدا ہو جاتا ہے۔ اور خیر و شر کی یہ لہریں انسان کے اعمال و افعال میں دکھلائی دینے لگتی ہیں۔

**شیطان کا وجود اور اُس کا اثباتِ عقلی**

جیسے دریا میں حرکت خود بخود پیدا نہیں ہوسکتی جب تک کہ کوئی محرک اس میں تموّج نہ پیدا کرے اور دریا کی سطح پر لہریں اُسوقت تک نمودار نہیں ہوسکتیں جبتک

دریا کی تہ میں کوئی غوطہ نہ لگائے اسی لئے موتی بھی باہر جب ہی آتا ہے جبکہ ماہیانِ دریائی دریا میں اُچھال پیدا کرتی ہیں اور بچّہ بھی مادرِ رحم سے جب ہی باہر آتا ہے جب اُسکے پیدا کرنیوالے کی طرف سے اُس کیلئے حکمِ اخراج صادر ہو جاتا ہے۔ غرض ہر مخفی وجود جب ہی مرئی ہو سکتا ہے جبکہ حضرت ظاہر جل مجدہٗ کا حکم ظہور اس سے متصل ہو جائے اسی طرح انسان کے قوائے ملکیہ و بہیمیہ میں بھی تلاطم و تموّج اُسی وقت تسلیم کیا جا سکتا ہے جبکہ ایک ایسی مخلوق کا وجود مانا جائے جو غیر مرئی و غیر محسوس ہو اور قلبِ انسانی اسکی تائید و تحریک کی اہلیت رکھتا ہو چنانچہ ایسے ہی غیر مرئی و غیر محسوس ناری مخلوق کو شریعتِ اسلامی جن و شیطان کہتی ہے اور نوری مخلوق کو ملک سے تعبیر فرماتی ہے۔ جس طرح کارخانۂ وجود کا موجود ہو جانا بدون کسی قادرِ مطلق کے تسلیم کے ممکن نہیں اور عناصرِ اربعہ کی قوتوں کا خود بخود ہر شکل و صورت کو قبول کر لینا اور اُسکو تسلیم کر لینا صرف اُنہی کا کام ہے جنکی عقلیں مسخ ہو چکی ہیں۔ اسی طرح شیاطین اور ملائکہ کے وجود سے بھی انکار کرنا اور صرف نفسانی قوّت کو شیطان سے تعبیر کر دینا اُنہی کوتاہ نظروں اور نیچریت کی بیماری میں گرفتار ہونے والوں کا کام ہو سکتا ہے جنکی نظر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کلام بلاغت نظام تک نہیں پہونچی اور مخبرِ صادق کے مشاہداتِ غیب کا جنہیں اقرار نہیں ہے۔

**منکرینِ وجودِ شیطانی اور اُن کی غلط فہمی**

گو جناب سرسیّد اور اُن کے ہم نوا باوجود براہینِ سماویہ و دلائلِ واضحہ کے پھر بھی اس کے قائل ہیں کہ شیطان و ملک کا وجود مستقل شکل و صورت میں نہیں بلکہ صرف نفس کی قوت کا نام شیطان ہے اور اُن کے دلائل کا حاصل یہ ہے کہ جو چیز آنکھ سے دکھائی نہ دے اور کان سے سنائی نہ دے اور زبان سے چکھی نہ جائے ناک سے سونگھی نہ جائے ہاتھوں سے چھوئی نہ جائے اُس کا وجود ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن کوئی ان مادّہ پرستی میں سرشار ہونے والوں سے پوچھے کہ آخر پھر تم اپنی روح کے کس طرح قائل ہو۔ چاہیئے کہ اپنے وجود اور اپنی روح سے بھی انکار کر دو کیونکہ آجتک حواسِ خمسۂ ظاہری نے کسی انسان کی روح کو بھی نہیں دیکھا اور نہ دیکھنے کے باوجود کسی نے انکار کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ حواسِ خمسۂ ظاہری صرف اُنہی اشیاء کو محسوس و ادراک کر سکتے ہیں جو ذی جسم ہوں اور مادّہ و روح دونوں سے مرکب ہوں تنہا روح کو یہ حواسِ خمسۂ ظاہری ہرگز ادراک نہیں کر سکتے وجہ اسکی یہ ہے کہ یہ حواسِ ظاہری فی الحقیقت دیکھنے والے

اور سُننے والے، چکھنے والے اور سونگھنے والے نہیں بلکہ وہ قلب مدرک ہی جو ان حواس خمسہ سے سب عالم کی اشیاء کو دیکھتا اور سُنتا ہے۔ اگر اُس کی حس جاتی رہے یا انسان کا دل مرجائے تو پھر یہ حواس خمسہ کوئی فعل بھی صحیح طور پر بجا نہیں لا سکتے اور روح بھی بدون حواس خمسہ کے اس عالم میں نہیں رہ سکتی۔ غرض یہ ہے کہ حواس خمسہ، مجردات کا تنہا ادراک نہیں کرسکتے۔ جب بھی ادراک کرتے ہیں تو مرکب وجود ہی کا ادراک کرسکتے ہیں لیکن جیسے ہر مرکب اپنے وجود سے مفرد کا پتہ دیتا ہی اور ہر مجموعہ اپنے وجود سے اپنے اجزاء پر شاہد ہے اور نسل بنی آدم میں دو سے تیسرے کی پیدائش بتلا رہی ہے کہ یہ تیسرا جب ہی معرض وجود میں آیا جبکہ ایک مخلوق کی پشت میں رہا اور ایک کے جنین میں۔ اسی طرح خیر و شر کا یہ مجموعہ اور خیر و شر کی یہ نوع مرکب بھی بتلا رہی ہے کہ انسان کی نوع اگر فرشتوں کی مخلوق سے نکلی ہے تو اُسنے شیطان و جن کی جنین میں بھی جنم لیا ہے اور ان دونوں ملکی و بہیمی مخلوقات کا جدا جدا وجود یقینی اور ضروری ہے جس طرح ایک تخت اپنے مجموعہ سے اسپر شاہد ہے کہ اسمیں لکڑی بھی ہے اور لوہا بھی اور اُن کے جُدا جدا ذخیرے اور کانیں عالم میں بالیقین موجود ہیں یہ ناممکن ہے کہ تخت بدون لکڑی اور لوہے کے ذخیرہ کے معرض وجود میں آجائے۔ اسی طرح خیر و شر سے مرکب یہ انسانی مخلوق بتلا رہی ہے کہ جُدا جُدا دو قسم کی ناری و نوری مخلوق بھی عالم میں پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ وہ ہمکو مثل خداوند عالم کے دکھلائی نہ دیں یا جیسے ہر بیٹے کا باپ اور اُس کی ماں مرجانے کے بعد لوگوں کو نظر نہ آئیں۔

| ارواح اجل یافتہ بھی انسان کے خیر و شر میں ممد و معاون ہوتی ہیں |
|---|

علاوہ ازیں جو ارواح جن و انس اجل مقررہ پر پہونچکر موت کا ذائقہ چکھ چکی ہیں اور اپنا لباس تعلقی عطا کنندۂ اصلی کو واپس دے چکی ہیں اور اعمال خیر و شر کا رنگ انپر ایسی ہی طرح چڑھ چکا ہے۔ جیسے ایک کپڑے پر ایک رنگ پختہ طور پر دیدیا جائے تو کبھی حق تعالیٰ ایسی ارواح سعیدہ و خبیثہ کو عالم کی تدبیر کے لئے یا اُن کو عالم سفلی میں محبوس و معذب فرمانے کے لئے عالم سفلی میں رکھتے ہیں جو اپنے اثرات ناری و نوری سے انسان پر مسلط ہو کر الٰہی طرح انسان کے قوائے ملکیہ و بہیمیہ میں تلاطم و تموج پیدا کردیتی ہیں جیسے قدرتی بجلی مصنوعی بجلی پر گر کر اُس میں ایک غیر معمولی تیزی و قوت اور چمک پیدا کردیتی ہے۔ بہرحال جبکہ یہ امر محقق و منقح ہو چکا کہ شیطان و ملک کا وجود ہے اور وہ

جسم انسانی میں داخل ہو کر روح پر اپنے اثرات ایسی ہی طرح طاری کر دیتے ہیں جیسے ایک مقرر اپنے کلام کے اثرات سے قلب انسانی کو متاثر کرتا رہتا ہے اور شیطان انسان کے علم و ارادہ، افعال و اعمال کا رخ عالم لاہوت سے عالم ناسوت کی طرف پھیرتا رہتا ہے اور اکتساب تجلیات ثلاثۂ خداوندی کی نعمات ابدی سے انسان کو محروم کر دیتا ہے اور انسان ازخود اُن کے روکنے کی طاقت و قدرت بھی نہیں رکھتا تو ظاہر ہے کہ اسکا مقابلہ وہی کر سکیگا جو اس سے بھی بڑھکر لطیف اور قوی ہو۔

نار کا مقابلہ نور ہی کر سکتا ہے

سو ہر ایک کو معلوم ہے کہ نار کا مقابلہ اگر کوئی چیز کر سکتی ہے تو وہ نور ہی کر سکتا ہے ایک ہنڈا کتنی ہی تیز روشنی والا کیوں نہ ہو جہاں شب کو اُسکی روشنی کی ہر شخص آرزو کرتا ہے اور اُس کی ضرورت ہر فرد بشر کو محسوس ہے وہیں اُس چمکنے والے ہنڈے کا نور آفتاب میں بیکار ہو جانا بھی ہر ایک پر بخوبی عیاں اور روشن ہے اور آفتاب عالمتاب کے نور کو کم کرنے کے لئے لاکھوں اور کروڑوں ہنڈے بھی کیوں نہ روشن کر دئے جائیں یا دن میں بجلی کی روشنی کتنی ہی زبردست مقدار میں کیوں نہ استعمال کیجائے مگر ناممکن ہے کہ نار نور پر غالب آ سکے۔ ٹھیک اسی طرح سمجھ لو کہ شیطان کسی قدر بھی انسان پر قبضہ کیوں نہ جمائے مگر ناممکن ہے کہ حب اللہ و رسول اور اُس کی نورانی مخلوق کے انوار و تجلیات کا انسان پر ورود ہو اور بندۂ عاصی اکتساب نور کا ارادہ کر لے تو شیطان کا کوئی داؤ پیچ چل سکے۔

شیطان کی جبلت ہی میں فساد نظم رکھا ہوا ہے

چونکہ شیطان کی جبلت و فطرت میں فساد نظم کا اقتضاء صانع بیچون و بیچگون نے رکھدیا ہے اور اسکی خلقت اور ساخت نار سے ہوئی ہے اسلئے اس کا مادۂ ناری بھی اکثر عالم کے کاروبار میں فساد کا سبب ہوتا ہے دیکھئے ایک عمارت اینٹ پتھر لکڑی چونہ لوہے مٹی وغیرہ کے مجموعہ سے لاکھوں روپیہ میں برسوں کی محنت و کاوش سے تیار کی جاتی ہے اور طرح طرح کی صعوبتوں اور مشقتوں سے اُسکو مکمل کیا جاتا ہے مگر جب آگ کا قابو اُسپر چل جاتا ہے تو ایک پیسہ کی دیا سلائی سے یہ برسوں کی محنت ایک دم میں غارت ہو جاتی ہے اسی طرح شیطان کا قابو بھی جب انسان پر چل جاتا ہے اور شیطنت کا حربہ جب بھی کسی کے خرمن دین و ایمان پر کاری ہو جاتا ہے تو برسوں کے حسنات و برکات دم کے دم میں اکارت ہو جاتے ہیں اور انسان ذلت و خسران کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔

**شیطنت کی سزا ناری ہونی چاہیئے**

غالباً یہی سبب ہے، کہ شیطان کے دامِ تزویر میں پھنس جانے والوں کی سزا بھی نار اسی لئے تجویز کی گئی ہے کہ جس چیز سے انہوں نے دُنیا میں لگاؤ پیدا کیا تھا آخرت میں بھی وہی اسی قسم کی جزائے مماثل اُن کے سامنے آجائیگی۔ کما قال تعالیٰ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا۔ لیکن اسی مادۂ ناری پر جب انسان دسترس اور قابو پالیتا ہے تو پھر اسکے لئے اس سے بڑھکر مفید شے بھی کوئی نہیں ہے۔

**قوتِ نفسانیہ پر قابو پانے ہی سے انسان کامل ہوسکتا ہے**

چنانچہ وہ آگ جو کروڑوں روپیہ کی عمارتوں کو ایک منٹ میں خاک کا ایک ڈھیر بنا دیتی ہے جب اس آگ کو انسان اپنے قابو میں کر لیتا ہے تو دیکھ لیجیے کہ ایک اسٹیمر ہزاروں ٹن وزن دم کے دم میں مشرق سے مغرب میں اور مغرب سے مشرق میں پہونچا دیتا ہے۔ یہی حال شیطان اور نفسانی قوت کا بھی ہے کہ وہ جسقدر انسان کے حق میں مضر ہے اُسی قدر مفید بھی ہے وہ شیطان جو انسان کی بہیمی تاریکی میں اضافہ کرکے اسے اپنا جیسا کر لیتا ہے اور اسفل السافلین کی گہرائیوں میں اُتار دیتا ہے جب انسان اُسپر قابو اور غلبہ پالیتا ہے تو ملک السمٰوات والارض کے اسرار و عجائب دیکھ لیتا ہے اور اسرارِ تکوینی و آثارِ ملکوتی اُسپر منکشف ہوجاتے ہیں کما اشار بہ تعالیٰ شانہ وکذلک نری ابراھیم ملکوت السمٰوات و الارض ولیکون من الموقنین ①۔

**تسخیرِ عناصرِ اربعہ اور اُسکے نتائج**

جیسے بجلی کی طاقت پر قابو پالینے سے انسان نے پانی اور ہوا کو مسخر کر لیا ہے اب سمندر کی طوفان خیز موجوں سے انسان ڈرتا ہے نہ ہوا کے جھکڑ اسے کوئی گزند پہونچا سکتے ہیں اسی طرح نفسانی قوت پر جن اعلیٰ ملکی طاقت رکھنے والے اور ملاءِ اعلیٰ تک پرواز کرنیوالے مقدس انبیاء نے قبضہ پالیا ہے اور اس ناری کیفیت کو اپنی ملکیتِ اعلیٰ کا خادم بناکر حضرت احدیت کے چشمۂ قدرت و کمال، جلال و جمال سے توسل کر لیا ہے۔

**اثباتِ معراجِ نبوی و رفعِ مسیح ناصری بجسدِ عنصری**

اُن میں برقی قوت سے بھی زیادہ وہ نورانی طاقت پیدا ہوجاتی ہے کہ باذن اللہ اُن کے لئے آسمان و زمین کی سیر اسی جسدِ عنصری کے ساتھ آسان ہوجاتی ہے اور آسمانوں کی سیر میں یہ ارواحِ طیبہ اپنے جسدِ عنصری کو ساتھ رکھنے میں کوئی تعب اور دقت محسوس نہیں کرتیں اور قوتِ ناری اور قوتِ نوری اور ملکۂ خیر و شر کا یہی وہ کمال و اعتدال اور

توازن اصلی ہے کہ جن کے باہم ممزوج ہو جانے کے بعد لباس خاکی افاضۂ تجلیات ربانی کے لئے مزاحم ومقابل نہیں رہتا اور نورِ ملکیت' غالب ومستولی ہو کر اس طرح اُن کے قبضہ میں آ جاتا ہے جسطرح بجلی پر انسان قبضہ پا لینے سے بٹن کے دباتے ہی بجلی سے چاہیں تو پروازی کیفیت حاصل کر لیتے ہیں اور جب چاہیں عالم کے کاروبار میں مدد لیتے ہیں۔ اسی طرح انبیاء علیہم السّلام جب چاہتے ہیں تو صفات الٰہیہ کی غیر محدود شانوں میں مستغرق ہو جاتے ہیں اور جب چاہتے ہیں ملاء اعلیٰ کی سیر کر لیتے ہیں جب بعض اشیاء وادویات کے باہم مل جانیکا یہ اثر ہے کہ ان سے مہیب سے مہیب آوازیں پیدا ہو جائیں۔ بم کے گولے ہزاروں جانیں تلف کر دیں تانبے پر یا کسی اور کہربائی دھات پر کیمیائی دوائیں استعمال کر دی جائیں تو تانبا خالص سونا بنجائے اور کارخانۂ عالم میں اسکی قدر وقیمت بڑھ جائے۔ اور کوئی شخص یہ تمیز نہ کر سکے کہ خالص اور قدرتی سونے میں اور اس مصنوعی سونے میں کیا فرق ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ جن اجزاء کو ملا کر قدرت نے سونا بنایا تھا انسان نے بھی خدا تعالیٰ کی بتلائی ہوئی الہامی ترکیب کے موافق ویسا ہی سونا بنا دیا ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السّلام نے بھی مدبر الامر کی بتلائی ہوئی ترکیب کے موافق نفسانی قوت پر ملکیت کو غالب وحاوی کر کے کچھ اس طرح اس سے کام لیا ہے کہ وہ نفسانیت وبہیمیت' نفسانیت وبہیمیت نہ رہی بلکہ مثل تانبے کے ملکیت ہی میں ضم ہو کر اسکی کمالِ قوت کا سبب بن گئی۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السّلام میں جو خیر ونور ہے وہ ملائکہ کے خیر ونور سے کہیں بڑھکر ہے کیونکہ ملائکہ کے خیر میں ترقی واضافہ کی کوئی شکل نہیں وہ جتنے پیمانہ پر ہے بس اتنے ہی پیمانہ پر رہیگی۔ لا یعصون اللّٰہ ما امرھم ویفعلون مایؤمرون اور انبیاء علیہم السّلام کی ملکیت وخیر میں اضافہ وارتقاء ہے کیونکہ جس طرح انجن میں آگ پانی کو کھولا کر اسٹیم پیدا کرتی ہے اور یہ آگ نہ صرف انجن کے حق میں رحمت ہے بلکہ تمام مسافروں کے حق میں بھی باعث برکت ہے۔ اور چولھے کی آگ اسقدر قوی نہیں بس وہ ایک خاص صورت میں جلتی رہتی ہے اسی طرح انبیاء علیہم السّلام کی ملکیت میں یہ نفسانی وبہیمی مغلوبیت اُسکے کمال واشتدادِ نورانیت کا باعث ہوتی ہے اسی لئے انبیاء علیہم السلام کے لئے باذن اللّٰہ کرۂ ارضی سے کرۂ سماوی پر جانا آنا اور وہاں قیام کرنا ایسا ہی سہل ہو گیا تھا جیسا کہ برقی طاقت پر تھوڑا سا قابو حاصل ہو جانے سے ہمیں اور تمہیں ہوائی جہاز کے ذریعہ سے

ہوا میں اُڑنا اور ٹھیرنا آسان ہو گیا ہے ۔ علاوہ ازیں اگر غذائے جسمانی کی طاقت سی ہمیں او نچی زینہ پر چڑھ جانا آسان ہی اور قوت بہیمیہ نے باسانی ہمیں بڑے سے بڑے پیچدار زینہ پر لیجا کر سطح زمین دکھلا دی ہے یہ طاقت نہ ہو تو ایک سیڑھی پر بھی قدم نہ رکھا جائے ایسے ہی انبیاء علیہم السّلام کی قوتِ ملکیہ کو کلام و امر خداوندی کی روحانی طاقت و لطف یہ نے اسدرجہ پر پہنچا دیا تھا کہ وہ باذن اللہ کرۂ سماوی پر چڑھ جائیں اور اُن کی قوتِ بشریہ مانع رفع الی السماء نہ ہو۔

اس اشارہ سے گمان غالب یہ ہے کہ ناظرینِ کرام کو مسئلۂ رفع مسیح بجسدِ عنصری اور معراج نبوی صلے اللہ علیہ وسلم میں انشاء اللہ تردد و کھٹکا باقی نہ رہیگا۔

**شیطان کا تمثل جسمانی و روحانی**

الغرض شیطان ہر شکل و صورت سے بدنِ انسانی میں داخل ہوتا ہے اور عالمِ اجسام سے عالمِ ارواح میں اور عالمِ ارواح سے عالمِ اجسام میں جب چاہے جس قالب اور جس صورت سے چاہے انسان کو گھیر کر اپنی ذات سی ملکیتِ انسانی کو تیرہ و تاریک اور عیب دار بنا دیتا ہے ۔ لوح محفوظ عرش و کرسی اور علیین سے جو تعلقات ارواحِ انسانی کے قائم و وابستہ ہیں شیطان کے درمیان میں حائل ہو جانے سے وہ تعلق بعینہٖ ایسی ہی طرح منقطع ہو جاتا ہے جیسے آفتاب و مہتاب پر ابر آجائے بس انہی تعلقات کے انقطاع کا نام ضلالت و گمراہی ہے ۔ اور بندہ اور خدا کے درمیان شیطان کے حائل ہو جانے کا نام ہی شرک ہی کیونکہ جب شیطنت انسانیت پر چھا جاتی ہے تو اسکی تمامتر توجہ عالمِ اجسام ہی میں مصروف ہو جاتی ہے ۔

**شیطان کی دھوکہ دہی کی ایک مثال**

جس طرح وہ انجن جو کلکتہ کی طرف اپنی بیسیوں گاڑیوں کے مسافروں کو فراٹے بھرتا ہوا لیجا رہا تھا لیکن ایک معمولی سے کانٹا بدلنے والے نوکر کی شرارت سے انجن کی لائن کا رُخ بدل گیا اور بجائے کلکتہ پہونچنے کے وہ انجن مسافروں کو لیکر لاہور پہونچ گیا تو جو کچھ شرارت و غفلت باور کیجائیگی وہ ڈرائیور اور کانٹے والے ہی کی کیجا سکتی ہی لائن کا کچھ قصور نہ ہو گا اسی طرح شیطان انسان کی عمر عزیز کی جملہ ترقیات کی لائن کا رُخ عالمِ بالا سے پھیر کر عالمِ فانی کی طرف کر دیتا ہی اور اس طرح اسکو فنا کر دیتا ہی بس یہی روح کی موت کہلاتی ہے ۔ کیونکہ جب اس کا تعلق اسکے اصل مرکز سے منقطع ہو جائیگا تو نا ممکن ہی کہ اسکی حیات باقی رہ سکے ۔ جیسے وہ درخت جس کی جڑ پر کلہاڑا بجایا جائے اور اُس کا تعلق زمین سے منقطع کر دیا جائے تو درخت کے حق میں یہ موت ہے

اور زمین کی جملہ قوتیں باوجود اس درخت کے متصل ہونے کے محض اس انقطاعِ رشتہ کی وجہ سے کوئی نفع اُسکو نہیں پہونچا سکیتں اور اس کلہاڑا بجنے کے تھوڑی ہی دیر بعد یہ نظر آنے لگتا ہے کہ درخت کی وہ سرسبز وشاداب ڈالیاں جو ابھی ابھی ہوا کے جھوکوں میں جھوم جھوم کر نظروں کو اپنی طرف جھکائے دے رہی تھیں اور وہ آفتاب کی نورانی شعاعیں جو اس کلہاڑا بجنے سے پیشتر اسپر تجلی ریز تھیں اس انقطاعِ تعلق کے بعد درخت کے جملہ برگ وبار کملا جاتے ہیں اور وہ درخت جو سیکڑوں آدمیوں کو ابھی اپنے سایہ میں سُلائے ہوئے تھا یکایک سوکھ کر زمین پر گرپڑتا ہے اسی طرح وہ انسان جنکی ارواحِ سعیدہ تدبیرِ جسم میں مصروف تھیں اور فیضانِ تجلّیاتِ ربّانی سے فرحاں وشاداں ترقی ملکیت میں مصروف تھیں کہ یکایک شیطان کی تاریکیوں نے چاروں طرف سے آن گھیرا اور اُن کے تعلّقاتِ خدا ورسول میں رخنہ ڈال دیا یہ انقطاع اُن کے حق میں باعثِ پژمردگی ہوگا اور اگر روحِ انسانی اپنے خالق ومولیٰ کی طرف انابت وتضرع نہ اختیار کریگی تو ہمیشگی کی موت اسپر آجائیگی - خداوندِ عالم نے انسان کے لئے توبہ واستغفار اسلیئے رکھا ہے کہ جب اسکا رشتہ اپنے مالک ومولیٰ سے کمزور پڑنے لگے اور شیطان کے غلبہ وتسلّط سے انسان کی حیاتِ ابدی خطرہ میں آجائے تو بندہ اپنی نفسانی شرارتوں پر دل سے نادم ہوکر پھر اپنا علاقہ درست کرے۔

**مسلم عاصی اور کافر ومشرک کے معاصی کا فرق**

یہی فرق مسلم عاصی اور کافر ومشرک کے گناہوں میں ہے کہ شیطان تو ہر ایک کے خانۂ دل کو ٹٹولتا ہی وساوس وخطرات سے ہر ایک کے قلب کو سیاہ کرتا ہے مگر جنکی روح عالمِ اجسام کی آلائشوں سے بالکلیہ ملوّث نہیں ہوئی اور توحید ورسالت کا کوئی نقطہ نورانی بھی ان میں موجود ہے گناہ واثم کی مزاولت اور ممارثت سے جنکے دل پورے سیاہ نہیں ہو چکے ہیں جب بھی رحمتِ حق کی بارش کا کوئی چھینٹا انپر پڑجاتا ہے اور جب بھی کسی سعید روح کا گذر اُن کے قلب پر ہو جاتا ہے تو وہ پکار اُٹھتے ہیں کہ اے لعین وبدکار دشمن پروردگار یہ تیرا حملۂ شر گو بظاہر بڑے آن وبان قوت وشوکت کیساتھ ہے اور تیرے یہ باطلانہ اقدامات گو بڑے استحکامات کرکے آئے ہیں مگر یاد رکھ کہ حول وقوت جو کچھ بھی ہے وہ اللہ جلّ شانہ وعم نوالہ ہی کے لئے ہے اور باگ ڈور صرف اسی کے ہاتھ میں ہے جسنے ہدایت وسعادت کی منادی عالم میں کرائی ہے اور باطل کو حق سے مغلوب ہونے ہی کے لئے پیدا فرمایا ہے - اما الزبد فیذھب جفاء ا

واما ماینفع الناس فیمکث فی الارض ۔ جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔ بس اتنا کہتے ہی انسان پر سے تمام تاریکیوں کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور شیطنت کے تمام منصوبے بکھر جاتے ہیں۔

انسان اگر اس مفسد نظم عالم کے مکائد و وساوس سے بچنا چاہتا ہے اور اس دشمن انسانیت کے داخلہ کو عالم ارواح میں بند کرانا چاہتا ہے تو اس کی صورت صرف یہی ہے کہ وہ کارساز عالم کی پناہ لے اور اسکی مجوزہ صفات ربوبیت و ملکیت والوہیت کی پناہ لیکر شیطان کو مقہور و مغلوب کرے۔

**شیطان کس حالت میں انسان پر حملہ کرتا ہے**

یہ قاعدہ ہے کہ چور اور ڈاکو ہمیشہ اُس حالت میں نقب لگاتے ہیں کہ جب انسان غافل ہوتا ہے یا اندھیری بڑھجاتی ہے یہی وجہ ہے کہ دن میں چوریاں کم ہوتی ہیں۔ اسی طرح شیطان بھی جب یہ دیکھتا ہے کہ انسان کی بہیمیت کی راہیں کھل گئی ہیں اور اس کا تعلق اپنے مالک حقیقی سے کمزور ہو گیا ہے تو جھٹ سے حملہ کر دیتا ہے لیکن جب دیکھتا ہی کہ ازلی وابدی سرکار کی فوج اور حفاظتی دستے مدد کو آپہنچے ہیں اور انسان نے سرکار احدیت میں ہاتھ جوڑ کر اقرار کر لیا ہے کہ حول وقوت جسقدر بھی ہے وہ صرف اللہ ہی کے لئے ہے اور وہی سب کا ملجا و ماوا ہے تو یہ روحانی لٹیرے یہ دیکھکر کہ رب الناس کی محبت کے پیادے آپہونچے ۔ ملک الناس کے نورانی لشکر اور اُن کے پہرے آموجود ہوئے الٰہ الناس کے رسول کریم اور روح الامین نمودار ہو گئے تو یہ شیطانی اثرات پراگندہ و منتشر ہبا ًمنثورا ہو جاتے ہیں اور دل کی زمین خدائی لشکر کے لئے خالی رہجاتی ہی۔

**شیطان کے داخلۂ قلب کے تین دروازے**

الغرض قلب انسانی میں شیطان کے داخلہ کی تین ہی صورتیں ہوتی ہیں۔

(۱) کبھی وہ شہوت کی راہ سے دخل پا لیتا ہے۔

(۲) اور کبھی قہر و غضب کی راہ سے۔

(۳) کبھی شرک و ہوا، حرص و طمع کی راہ سے انسان کے قلب کو مسخر کرتا ہے۔

خداوند عالم نے ان تینوں راستوں کو شیطان پر بند کر کے انسان کو راہ مستقیم دکھلائی۔

**رب الناس**

اور رب الناس سے اشارہ فرمایا کہ شیطان جب شہوت کی راہ سے قلب میں دخل

پائے تو انسان اُس کی پناہ لے جو تمام انسانوں کی قوتوں کی نگرانی وحفاظت کرنیوالا اور سب کا پالنے والا ہے اور اُس کی قوتِ بہیمیہ کو جادۂ اعتدال پر لگانے والا ہے یوں تو خداوندِ عالم تمام مخلوقات ہی کا پالنے والا ہے اور اسکی پرورش تمام عالمین کو محیط ہے لیکن جو تربیت کاملہ انسان پر فائز ہے وہ کسی دوسری مخلوق پر نہیں ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ اس حقیقت جامعہ سے بڑھکر کوئی حقیقت بھی نہیں ہے۔ دیکھئے نطفۂ انسانی بظاہر ایک نکمّی سی شے ہے مگر خالق کائنات نے عقل وکرامت ولایت وشرافت، کے کیسے لعل وجواہر اسمیں لگائے اور مرد وعورت کے جوڑے بناکر کس طرح ایک کو دوسرے کے لئے کار آمد بنایا اور توالد وتناسل کے بادلوں سے مادر رحم میں کس طرح انسانیت کے موتی برسائے اور کیسی لطیف ومکمل تدبیر سے انکی نسلوں کو پھیلایا اور بڑھایا اور ایک دوسرے کے دل میں ایک دوسرے کی محبّت وخواہش پیدا کردی اور ایک ایسا مادّہ پیدا فرمایا جو عمر کے وسط میں جوش کھاکر اپنے ابنائے جنس کے بڑھانے کی آرزو کرتا ہے۔

**نظم توالد وتناسل کی پُر امن راہ اور شیطان کی دراندازی**

سو جوانی کے اس مادۂ شہوت کے غلط استعمال سے شیطان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان کے نظم توالد وتناسل کو برباد کر دیا جائے اور جو پُر امن راہ توالد وتناسل کی حق تعالیٰ نے مرد وعورت کے درمیان بذریعہ رسول وانبیاء قائم فرمائی ہے یہ باقی نہ رہے اور قوتِ بہیمی کے صرف کرنے میں انسان مطلق العنان ہو جائے لیکن خداوندِ عالم ہی چونکہ اس بہارِ شباب کا لانیوالا ہے اور وہی لطیف غذائیں بخشکر اس مادّہ کا پیدا کرنے والا ہے اور بندہ اس کے آمد وصرف میں خدا کے تئیں جوابدہ ہے اسلئے عقلاً یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا اور نظم ربوبیتِ پروردگار کے سراسر خلاف تھا کہ بندہ اس جوانی کی بہار کو (جسے قدرت نے ماں باپ کے دل میں جوشِ محبت ڈالکر پرورش کرایا ہے اور اپنی سالہا سال کی نگہداشت اور نیرنگیوں سے انسان پر جو بہارِ شباب قدرت لائی ہے) جسکے ہاتھ چاہے فروخت کردے اور مالک کو یا اُس کے پیغامبروں کو خبر بھی نہ کرے ظاہر ہے کہ وہ غلام کسی طرح بھی امانتدار کہلانے کا مستحق نہیں جو مالک کے بدون اجازت واذن کے اسکے مال ودولت، عزّت وآبرو، کو جہاں چاہے صرف کرڈالے بلاشبہ بندہ کی عقل پر چونکہ شیطان کا قابو چل جاتا ہے اور وہ دن رات انسان کو بُرے سے بُرا مشورہ اور کھوٹی سے کھوٹی صلاح دیتا رہتا ہی اسلئے قوی اندیشہ تھا کہ

جب انسان کا رشتہ خدا سے کمزور پڑ جائے تو شیطان قوتِ بہیمیہ کا غلط استعمال کرا دے اور انسان کو جانوروں کی مشابہ کر دے اسلئے شفقت و ربوبیت کا اقتضاء یہ ہے کہ ایسی حالت میں جبکہ انسان جوانی کے ہاتھوں لاچار ہے اور لڑکپن کی شرارتوں سے دل اسکا مچل گیا ہے اور انسان اپنے ظاہری و باطنی نظم میں فساد ڈالنے پر تلا ہوا ہے اور بہائم کی مشابہت اختیار کر لینے پر شیطان نے اسے بہکا پھسلا کر راضی کر لیا ہے بندہ اپنی قوتِ بہیمیہ کو محفوظ رکھنے کے لئے رب الناس کی پناہ ڈھونڈے اور اُسی کی طرف رجوع کرے جسنے برسوں تک اُس کی حفاظت کرا کر یہ مرتبۂ شباب اُسکو مرحمت فرمایا ہے اور تجلّی ربوبیت سے تعوذ کر کے انسان اپنے لباسِ تقویٰ پر شیطنت کے داغ نہ لگائے اور رک کر اور جھک کر بہائم سے ممتاز ہو جائے اور سوچے کہ ایک وقت خزاں کا مجھ پر ایسا بھی آنے والا ہے جبکہ میں کہنہ درخت کی طرح سوکھ کر زمین پر جا گروں گا اور لوگ مجھے اُٹھا کر سپردِ خاک کرینگے اور میرے جسم کے ریزے زمین پر ہوا میں اُڑینگے ۔ اسی خواہش و میلانِ طبعی میں انسان کو مطلق العنان نہ بننے کے لئے ارشاد ہوا واللہ یرید ان یتوب علیکم ویرید الذین یتبعون الشہوات ان تمیلوا میلا عظیما یرید اللہ ان یخفف عنکم وخلق الانسان ضعیفا ۔

قوتِ بہیمیہ کا استعمال معتدل

آیۂ ہذا میں حق تعالیٰ نے انسان کے اس اقتضاء طبعی کی رعایت فرماتے ہوئے نہ تو بالکل ہی اس مادہ کو محبوس فرمایا اور نہ نفسانی لذتوں میں منہمک ہو جانے کی ہی انسان کو اجازت دی کیونکہ اگر بہارِ شباب کو بالکل ہی محبوس رکھا جاتا تو تب بھی انسان انسان رہتا نہ وہ اپنی نسل اور اپنے قائم مقام سطح زمین پر لا سکتا اور اگر ہر جگہ اور ہر حالت میں اجازت دیدی جاتی تو انسان بہائم کی طرح پر ہو جاتا ۔ بہر حال جو اس بہار کو انسان پر لاتا ہے اُسی کو یہ حق حاصل ہے ۔

نکاح و زنا کا باہمی فرق

کہ جن حالات و محلات میں اس مادہ سے انسان کی بہتری اور بھلائی ہو وہ بھی اُسکی طرف سے تبلا دئے جائیں اور جن حالات و محلات میں اس مادہ کا صرف انسانیت کو بٹہ لگانے والا ہو! وہ بھی اُسکی طرف سے واضح کر دئے جائیں تاکہ اسکی قدرتِ کاملہ سے نہ انسان بہائم کی طرح پر ہو اور نہ انسانیت کا دائرہ اسپر تنگ ہو اسی لئے قرآنِ حکیم میں جن حالات و محلات میں اس مادہ کے صرف کی اجازت دیگئی ہے اسکو شریعت اسلامی کی اصطلاح میں نکاح کہتے ہیں اور جن حالات و محلات میں بندہ از خود بلا اجازتِ خداوندی اس بہارِ انسانیت کو صرف کر ڈالے اُسکو زنا کہتے ہیں

مادۂ شہوانی کا پیدا کرنے والا ہی اسکے آمد و صرف کا نگراں ہو سکتا ہے

جیسے ایک حکیم یا ڈاکٹر اگر دواؤں اور غذاؤں سے کوئی مادہ انسان میں پیدا کرتے ہیں یا منضج دیگر کسی مادہ کو اُکھاڑتے ہیں تو ہر شخص جانتا ہے کہ اُن کے علاج میں کسی ناواقف شخص کو نہ دخل دینے کا حق حاصل ہے نہ مریض کو خلاف ورزی کر کے پرہیز توڑنے کا اختیار ہے اور اگر ایسا ہو تو مریض کی حالت بگڑ جاتی ہے اور انجام کار اس عالم سے کوچ کر جاتا ہے۔ اسی طرح بدنِ انسانی میں ملکیت و بہیمیت و سبعیت کے باہمی امتزاج سے خداوندِ عالم نے جو یہ خواہش پیدا کی ہے اور جو اس مادۂ شباب اور بہارِ انسانیت کو جسم پر نمودار فرمانے والا ہے وہی اُس کے آمد و صرف کا اندازہ اپنے یہاں رکھتا ہے اور وہی اسکی بہارِ شباب کا مجاز و مختار بھی ہے جیسے کسی مخلوق کی جان غیر اللہ کے نام پر لیجائے اور انسانوں پر اُس کا گوشت اس لئے حرام ہے کہ جان اُسی کو لینے کا حق ہے جو جان ڈالنے والا ہے دوسروں کو ہرگز اس کا حق نہیں۔ اسی طرح پروردگارِ عالم مادۂ شباب اور بہیمیتِ انسانی کے کمالات کی جو بہارِ انسان پر لایا ہے وہی اُس کا بھی مالک ہوگا اور بلا اجازتِ خداوندی ایسے مواقع میں صرف کا بندہ کو ہرگز حق حاصل نہ ہوگا جہاں اپنی مکاشر بکجہ الاہم کی تمنا پوری نہوتی ہو غرض ہر کس و ناکس کے ہاتھ بندہ کو بہارِ انسانیت کی فروختگی کا حق حاصل نہ ہوگا ورنہ بندہ خائن اور نافرمان کہلائیگا۔ اور اسی خواہش پر کیا موقوف ہے کھانا اور پینا، اُٹھنا بیٹھنا اوڑھنا اور پہننا، غرض جو کچھ بھی ضروریاتِ انسانی ہیں اُن سب میں انسان خدا کی تعلیم و رضا کا پابند ہے جس سے دائرۂ انسانیت قائم رہے۔ اور ان سب کا لُبِّ لباب یہی ہے کہ شیطان انسان کو آدمیت سے خارج نہ کر سکے۔

**ملک الناس** اور جب شیطان غضب اور قہر کی راہ سے قلب میں داخل ہو تو روحِ انسانی ملک الناس کی پناہ لے کیونکہ روحِ انسانی جسم میں اگرچہ ایک حکمراں کی حیثیت رکھتی ہے مگر ظاہر ہے کہ یہ حکمرانی اسی کے بل بوتے پر ہے اور یہ نخوت و غرور اسی کے پیدا کردہ قویٰ پر ہے جتنے انسان میں زور اور گھمنڈ کی طاقت رکھی ہے چنانچہ ملک الناس سے اشارہ یہ ہے کہ اے روح شہنشاہِ مطلق ہم ہیں یہ قویٰ ہمارے ہی دئے ہوئے ہیں ہم جب چاہیں اپنی دی ہوئی قوتوں کو واپس

لے لیں اور ضعیف و کمزور انسانوں سے بڑے سے بڑے بہادروں کے زور و نخوت کو پامال کرادیں۔ بیشک انسانوں کو اُس کے پروردگار نے جہاں اپنے سے نزدیکی حاصل کرنے کی قوت عطا فرمائی ہے اور غیر معلوم اشیاء کو ادراک و شعور، عقل و فہم سے معلوم کرنے کا ملکہ عنایت فرمایا ہے وہیں مقاومت و مدافعت کے لئے اور زمین پر قبضہ و تسلط حاصل کرنے کے لئے قوتِ شاہیہ اور طاقتِ غضبیہ بھی بخشی ہے جسکی وجہ سے وہ اپنے مخالفین سے نبرد آزما ہوتا ہے اور خدا کی زمین کو خون سے رنگین بنا دیتا ہے۔

**قوتِ سبعیہ کا غلط استعمال**

لیکن قہر و غضب فساد و منازعت کی حالت میں چونکہ شیطان اِس قوتِ سبعی و قہری کا رُخ اور قوتِ سبعیہ کی جہت اعداء اللہ سے پھیر کر اپنے بھائی بندوں کی طرف کر دیتا ہے اور عقل کی مغلوبیت کی وجہ سے انسان دوسرے کے زور اور گھمنڈ پر بھروسہ کرکے شیطان کے بہکانے سے انا ولا غیری کا علم بلند کرکے مطلق العنان ہو جاتا ہے اسلئے ملک الناس سے اشارہ یہ ہے کہ روح اگر ملک الجسم ہے تو اس کا تربیت کرنیوالا اور اسکی جملہ قوتوں کو حد بلوغ پر پہونچانے والا ملک الناس ہی ہے جسکے قہر و سیاست، قوت و شوکت کی کوئی تاب نہیں لاسکتا۔ اسی کے ہاتھ میں انسان کے دل کی کلیں ہیں وہ جس طرف کو چاہے دم کے دم میں پلٹ کر رکھدے چاہے تو انسان کی جملہ قوتوں کو اسکے حق میں مفید بنا دے اور چاہے تو اسی کا زور اور گھمنڈ اسی کے حق میں مضر بنا دے پھر اسکی شوکت و جلال کا یہ عالم ہے کہ ہر آن اور ہر ساعت ہر ایک جگہ اپنی غیر محدود شانوں کے ساتھ موجود ہے اور اُسکی شہنشاہیت بلا اعانت و شرکت غیرے ہر موجود پر کل مخلوق پر قائم و مستقیم ہے۔

**بادشاہانِ دنیا اور ملک الناس کی حکومت کا فرق**

پھر بادشاہانِ دُنیا کی حکومت تو صرف اعضاء و جوارح ہی پر ہے اور وہ بھی بدلتی سدلتی رہتی ہے۔ آج کوئی برسرِ اقتدار ہے تو کل دوسرا سریر آرائے سلطنت ہے اور پھر تمام روئے زمین اور دُنیا کے کُل تختوں پر تو آجتک نہیں سُنا گیا کہ کسی ایک انسان کی حکومت قائم رہی ہو بلکہ شکل یہ ہے کہ زمین کے تختوں پر مختلف سلطنتیں قائم ہیں جو آئے دن ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتی ہیں مگر ملک الناس کی حکومت نہ صرف اعضاء و جوارح انسانی ہی پر ہے بلکہ حواسِ خمسہ، عقل و دانش، دل و دماغ اور کائنات کے ذرہ ذرہ

پر ہے سب اُسی کے زیرِ اقتدار و تابع فرمان ہیں۔

استبداد کے ساتھ رضائے قلب کہاں جمع ہوتی ہے

پھر حکومتِ انسانی میں تو زیادہ تر جبر و استبداد کو دخل ہوتا ہے سب کے دلوں کی رضا حاصل کر لینا اور تمام دلوں کو موہ لینا باوجود دنیا کے ہر قسم کے ساز و سامان موجود ہونیکے انسان کے بس سے باہر ہے لیکن خداوندِ عالم کی حکومت ابدی محبتِ کاملہ کے ساتھ ہے اور ہر قلب میں فطری طور پر اُسکے دیدار کا تخمِ شوق بکھرا ہوا ہے۔

بادشاہانِ دُنیا اپنے نظم میں دوسروں کے محتاج ہیں

علاوہ ازیں بادشاہانِ دُنیا تو اپنے قلمرو میں خود ہر جگہ ہر وقت موجود نہیں رہ سکتے اسی لئے وہ جو بھی انتظام قائم کرتے ہیں دوسروں کی مدد سے کرتے ہیں اور متضاد احوال اور پیچیدہ مہمات کو تنہا اپنی قوتِ فکریہ سے سر نہیں کر سکتے اسی لئے صلاح و مشورہ کے لئے وزراء کی جماعتیں بناتے ہیں گرانقدر مشاہرات دیکر دثرات اُنکے ناز و نخرے سہتے ہیں اگر وہ کسی کی سفارش کرتے ہیں تو بادشاہ اُسکو رَدّ نہیں کرتے کہ مبادا دل گرفتگی پیش آجائے اور نظمِ سلطنت میں فتور پڑ جائے۔ پھر ذمہ دارانِ حکومت سے تو دماغ سوزی و دیدہ ریزی کے باوجود بسا اوقات مہماتِ سلطنت میں غلطی واقع ہو جاتی ہے اسی لئے جو کبھی مُنہ چڑھے مقرب ہوتے ہیں وہ کبھی معتوب اور راندۂ درگاہ ہو جاتے ہیں غرض بادشاہانِ دُنیا باوجود خدم و حشم کے مالک ہونے کے عمل اور عقل دونوں میں عاجز ہوتے ہیں لیکن ملک الناس کی حکومت ہر آن سب پر شامل ہے نہ وہاں صلاح کی ضرورت ہے نہ مشورہ کی حاجت نہ وہاں مجبوری کا گذر ہے نہ نقصان کا دخل جو چاہتا ہے سو کرتا ہے ہر جگہ حاضر و ناظر ہے ہر ایک کے دل کے مخفی بھیدوں پر مطلع ہے غرض اپنی مُلک کے انتظام میں نہ وہ کسی کا پابند ہے نہ محتاج ہے۔

خدا کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کی تمثیل

جب اسکی مخلوقات میں سے بعض علوی مخلوق مثل چاند سورج کواکب سیارات کا یہ حال ہے کہ ہزاروں لاکھوں میل سے وہ اپنی روشنی اس یکسانی کے ساتھ پھینکتے ہیں کہ ایک انچ ایک سوت کا فرق و تفاوت نہیں ہو سکتا اور ہر جگہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ اپنی تمام آب و تاب کے ساتھ یہ اسی مقام کے لئے طلوع کئے گئے ہیں تو خداوندِ عالم کے ہر جگہ اور ہر جہت پر حاضر و ناظر ہونے میں کیا کسی سمجھدار کو انکار کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ بلکہ یہ جہاتِ ستہ اور یہ نظامِ موجودات خود اسکے حاضر و ناظر ہونے پر شاہدِ عدل ہیں ازل سے اُس کی حکومت کاملہ

قایم ہے اسکے نظم کی استواری و برقراری کا یہ حال ہو کہ کبھی کسی نے نہ سُنا نہ دیکھا کہ اسکی کسی چیز میں ایک منٹ یا ایک پل کا فرق بھی آیا ہے۔ چاند ہے کہ پہلی تاریخ سے بڑھ بڑھکر چودھویں شب تک کامل ہوتا ہے اور پھر گھٹ گھٹ کر آخر ماہ تک غائب ہو جاتا ہے۔ سورج ہے کہ اپنی نورانیت سے اس عالمِ تاریک کو وقتِ مقررہ پر آکر روشن کر دیتا ہے مگر کبھی ایسا نہ ہوا کہ ایک سکنڈ بھی دیر سے آیا ہو غرض یہ ہے کہ اسکی حکومتِ مطلقہ، جامع و محیط حکومت ہے، جو محبّتِ کاملہ اور اطاعتِ مطلقہ دونوں پر مشتمل ہے اور بندہ کی حکومتِ فانیہ میں یہ دونوں چیزیں مکمل نہیں پائی جاتیں۔ بادشاہ عمل اور عقل دونوں میں خدا کے محتاج ہوتے ہیں مگر خدا کی حکومت ہر دو اعتبار سے مکمل ہے۔

**انبیاء علیہم السّلام منصب نبوت سے معزول نہیں ہو سکتے**

اسی لئے جو اسکے مقرب پیغامبر ہوتے ہیں وہ کبھی معتوب نہیں ہوتے اور خاصانِ خدا، خدا سے جُدا نہیں ہوتے کیونکہ ان کو دُنیا کی پیچیدہ و متضاد اسباب کی گتھیوں میں ایک ایسا نور خدا کی طرف سے عطا کر دیا جاتا ہے جسکے بعد وہ جُملہ پوشیدہ حقایق کی اصل پر مطلع ہو جاتے ہیں اور اسکی ازلی و ابدی حکومت کا نقشہ سمجھکر پھر شیطان کے دھوکہ و فریب میں نہیں آتے۔ اتقوا فراسة المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ۔ یہی وجہ ہے کہ بدون نورِ فراست کے انسان بعینہٖ ایک نابینا کی طرح حقایق و اشیاءِ عالم کی کُنہ میں سرمارتا رہتا ہو اور کچھ بھی اسے حقیقت کا سُراغ نہیں ملتا۔

**استبداد بندہ کیلئے شایاں نہیں**

بہر حال بادشاہ چونکہ علم و عقل عمل و مشورہ میں اپنے ہم جنسوں کا محتاج ہے اسلئے شیطان قوتِ ملکیہ پر قوتِ قہریہ کو غالب کر کے اُس میں انانیت پیدا کر دیتا ہے جسکی وجہ سے وہ اپنی ناقص رائے ہی کو مدارِ کار سمجھنے لگتا ہو اور اپنی عقل کے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کرتا اور مستبد ہو کر علاوہ خدا کی ہمسری کرنے لگتا ہے یہی وجہ ہے کہ مخلوق ایسے شخص کی جان کی دُشمن ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ایک شخص کتنا ہی مدبّر و زیرک کیوں نہ ہو لیکن جب انسان اپنے ابنائے جنس سے بے نیاز ہونے لگتا ہو اور مستبد ہو کر انانیت سے جو چاہتا ہے سو کرتا ہو تو مخلوق میں اس انانیت سے عام نفرت پھیل جاتی ہو۔ ملک الناس سے اشارہ یہ ہو کہ روح انسانی پر جبکہ اصلی حکمران خداوندِ عالم ہے اور اسکی سیاست و بادشاہی تمام عالم پر مستنیر ہے تو پھر ملک الناس کے بالمقابل جلال و جبروت انسان کا دعوٰے انا و لا غیری کیسا ہو اور انسان کا بحالت

بادشاہی بایں عجز و قصور مطلق العنان اور مستبد ہو جانے کے کیا معنے ہیں

**قوت سبعیہ کا مصرف اصلی** خلاصہ یہ ہے کہ اگر قوتِ قہریہ سبعیہ کا استعمال حق تعالیٰ کے بتلائے ہوئے مصرف میں کیا جائیگا تو یہ عین طاعت ہوگا اور اگر شیطان کے بہکانے پر انسان اس قوت کا استعمال کریگا تو یہی گناہ و اثم ہوگا کما اشار بہ تعالیٰ محمد رسول اللہ و الذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم الآیۃ۔ اسی قوتِ غضبیہ کے متعلق دوسری آیت میں اس طرح ارشاد ہے والذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش واذا ما غضبوا ھم یغفرون۔ قوتِ غضبیہ کا مصرف اصلی آیۃ سابقہ سے معلوم ہوگیا کہ کفار ہیں اور رحم و شفقت کا مصرفِ اصلی مسلمان ہیں۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ محبت بھی اللہ ہی کے لئے ہونی چاہیئے اور عداوت بھی اللہ ہی کے لئے ہونی چاہیئے تاکہ محبت و عداوت دونوں میں دوام و بقا آسکے اور اگر یہ دونوں کیفیتیں اللہ کے لئے نہ ہونگی بلکہ شیطان کے بہکائے سے کیجا ونگی تو دوام نہ ہوگا کماقال تعالیٰ۔ الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین۔ صحابۂ کرام نے اسی قوتِ سبعیہ کو دنیا کی بحالیٔ امن کے لئے استعمال فرماکر جو جماعتی نظام قایم کیا تھا اس کا ایک ادنیٰ کرشمہ یہ تھا کہ ظالم کو اُسکے ظلم سے روکا جاتا تھا اور مظلوم کی مدد کیجاتی تھی اب بھی اگر مسلمان اپنی اس قوت کی تربیت و حفاظت ملک الناس کے بتلائے ہوئے اصول پر کرلیں اور جو جنگ وجدال وہ آپس میں کرتے رہتے ہیں اگر وہ اس کا صحیح مصرف کفار کو سمجھکر اپنی تمامتر توجہ کا مرکز اعداء اللہ کو بنالیں اس کا استعمال بجائے اپنے بھائی بندوں پر کرنیکے اغیار پر کریں تو آج وہ دُنیا پر بھاری بنجائیں۔ صحابۂ محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کا یہی تو کمال تھا کہ جسکی وجہ سے ایک قلیل جماعت تمام دنیا پر بھاری ہوگئی تھی۔ اور ہماری پستی کا اصلی سبب بھی تو یہی ہے کہ ہماری جملہ قوتیں غلط طور پر صرف ہوتی ہیں۔

**اِلٰہِ النّاس** اور جب شیطان عقائدِ باطلہ و خیالاتِ فاسدہ اور حرص و ہوا کی راہ سے قلب انسانی میں دخل پائے حسن و دولت کے راستہ سے دل پر قبضہ جمائے اور اسکی قوتِ ملکیہ پر قوتِ بہیمیہ غالب آکر انسان کو خدا کی چوکھٹ پر سربسجود ہونیکے بجائے مخلوق کے آگے سرنگوں کردے۔ تو خداوندِ عالم اور معبود و مسجود انسان نے اِلٰہِ النّاس کی تجلّی سے انسان پر واضح کیا۔

آدمیوں کا معبود آدمی نہیں ہوسکتا

کہ آدمیوں کے معبود آدمی نہیں ہوسکتے بلکہ لوگوں کا معبود وہی ہوسکتا ہے جس کا جلال وجمال اور جملہ کمالات وخوبیاں ذاتی ہوں کسی کی دی ہوئی نہ ہوں اور مخلوق کے ہر قسم کے نفع وضرر کی باگ ڈور جسکے ہاتھ ہو اور تمام خوبیاں اور بھلائیاں اس سے ایسی ہی طرح وابستہ ہوں جیسے آفتاب کی نورانی شعاعیں اسکی ذات سے لازم وملزوم ہوتی ہیں جبکہ ہر قسم کی ظاہری وباطنی تربیت کا آخری سرا اُسی ذات وحدہٗ لاشریک پر جاکر ختم ہوتا ہے اور ہر قسم کی شان وشوکت قوت وسطوت اُسی کا فیض وعطا ہیں اور قلب انسانی میں اسکی یاد کا فطری جذبہ اور سچی تڑپ موجود ہے اور جبکہ سلسلۂ نظم اسباب ہیں غریب امیروں کے محتاج ہیں تو امیر بادشاہوں کے پابند اور بادشاہ اپنے قصورِ عقل اور قصور علم وعمل کی وجہ سے خدا کے محتاج ہیں تو پھر مالک نفع وضرر بندہ کو سمجھ جانا اور حرص وہوا کے چکّر میں پھنس جانا اور دنیا کے چندروزہ قوت وشوکت پر اکڑ بیٹھنا حد درجہ غفلت اور حماقت نہیں تو اور کیا ہے خدا کی کبریائی وبرتری میں عیبداروں کو شریکِ ذات وصفات بنا لینا اپنی بزرگ پیشانیوں کو غیر اللہ کے آگے نگوں کر دینا اپنی ملکی طاقت پر بہیمی تاریکی کو حاوی کر دینا جہالت نہیں تو اور کیا ہے بقول حضرت جدّ امجد حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحبؒ انسان اگر کسی کے آگے جھکتا ہے یا اُس کی اطاعت کرتا ہی تو وہ تین ہی چیزوں کی وجہ سے کرتا ہے۔

مالکِ نفع وضرر خداوند عالم ہی ہے بندہ نہیں

یا نفع وراحت کی توقع اور اُمید پر سرِ نیاز جھکاتا ہے یا اندیشۂ مضرت ونقصان پر سرِ اطاعت خم کرتا ہے یا غلبۂ محبت میں دیوانہ وعاشق بنکر اپنے محبوب کے اشاروں پر چلتا ہے اور اُسکی مرضی کے موافق کام کرتا ہے اسکے دوستوں پر جان ومال فدا کرتا ہے تو اُسکے دشمنوں کی پامالی وتحقیر میں مصروف رہتا ہے۔ لیکن بندہ کے نفع وضرر رسانی کا تو یہ عالم ہے کہ ایک وقت میں اگر کوئی کسی کو نفع وضرر پہونچانے کے قابل ہی تو دوسرے وقت میں وہی بے دست وپا نظر آتا ہے ایک وقت میں اگر کوئی کسی کے قدموں میں سر دئیے ہوئے اپنی فدائیت ومحبت کا اظہار کرتا ہے اور اُس کے لئے جان ومال سب کچھ نثار کر دیتا ہے تو دوسرے وقت میں وہی اسکا دشمنِ جانی نظر آتا ہے ایک وقت میں اگر کوئی خوبصورتی ورعنائی کسی میں دیکھی جاتی ہے تو دوسرے وقت میں اُسکے بہارِ حُسن پر خزاں مسلط نظر آتی ہی۔ لیکن اِلٰہ الناس کے تینوں کمالات ازلی

وابدی اور قطعی وذاتی ہیں اسلئے مستحق عبادت اور ہر قسم کی اطاعت کے لایق وہی ذات جامع الکمالات ہو سکتی ہے جسکے حق میں یہ تینوں خوبیاں دائمی اور ذاتی ہوں اسلئے رب الناس ملک الناس آلہ الناس سے اشارہ یہ ہے کہ بندہ کی محبّت کا محور ومرکز اگر کوئی ذات ہے تو وہ جو سب کا پرورش کرنے والا ہے اور جس سے لو لگا لینے میں کسی کا کوئی کھٹکا نہیں اور جس کا کوئی رقیب نہیں اور اطاعت وخوف کے لایق اگر کوئی ذات ہے تو وہ جسکے ہاتھ میں تمام عالم کے نفع وضرر کی باگ ہو چاہے تو دم کے دم میں سارے نظام عالم کو تہ و بالا کر دے اور عبادت کے لایق ہے تو وہ ذات ہی جسکا جمال وکمال ازلی اور ابدی ہے۔ اور عالم میں جہاں کہیں بھی کوئی خوبی یا بھلائی پائی جاتی ہے تو اسی کا ظل اور اسی کا فیض ہے اور عالم کے نفع وضرر بھلائی برائی کھری اور کھوٹے میں فرق کرنے کے لئے جو آلۂ عقل ہمیں مرحمت فرمایا گیا ہے :-

**نورِ عقل خدا کی وحدانیت اور کائنات کے راز سمجھنے کیلئے دیا گیا ہے**

اس کا اگر کوئی اصلی کام ہے تو یہ ہے کہ کن چیزوں میں ذاتِ مقدس جامع الکمالات کی رضا حاصل ہوتی ہے اور کن امور سے اندیشۂ محرومیِ سعادت ہے۔ جس طرح ایک تلوار کو چاہے دشمن کے گلے پر چلا دیا جائے چاہے دوست کی گردن پر اس کا کام ہر صورت میں کاٹکر رکھدینا ہی ہے اسی طرح انسان کے آلۂ عقل کا کام بھی یہی ہے کہ جس سلسلہ میں بھی انسان اسکو مصرف کر دیتا ہے وہ اسی سلسلہ کی تمام چیزوں کو انسان کے سامنے لاکر حاضر کر دیتا ہے شیطان انسان کے اسی آلۂ عقل کو بجائے تمیز حق وباطل میں صرف کرنیکے اور خدا کی خوشنودی اور ناراضی کے اسباب دریافت کرنے میں مشغول کرنیکے دنیا کے ناپاک قصّوں میں مصروف کرا دیتا ہے۔

**عقل کو غلط مصرف میں صرف کرنیوالے ظالم ہیں**

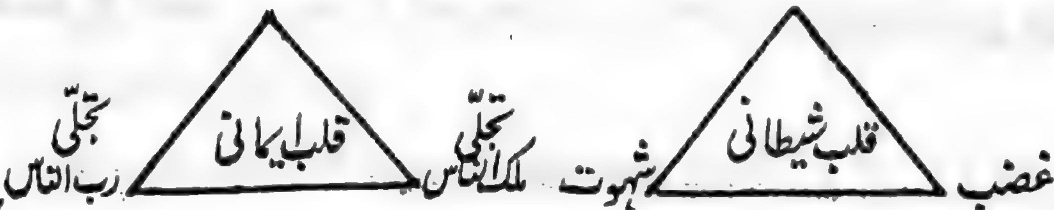
اسلئے آسمانوں میں فرشتوں کی زبان پر اس قوتِ ملکیہ اور نورِ عقل کے غلط استعمال کرنیوالے کا نام بجائے مؤمن' قانت' مخلص للدین' مسلم حنیف' کے ظالم پکارا جانے لگتا ہے۔ اور قلوب انسانی میں اسکی طرف سے کپٹ ڈالدی جاتی ہے۔ ویوم یعض الظالم علےٰ یدیہ -

الغرض عبادت کے لایق اگر کوئی ذات ہی تو وہ ہے جسکے حکم کے آگے سب کی گردنیں پست ہیں اور جسکی حکومتِ مطلقہ' محبّتِ کاملہ' پر مبنی ہے اور بلا شبہ خداوند سر دفترِ موجودات'

کہلانے کا سزاوار وہی ہے جسکی حکومت سے بڑھکر کسی کی حکومت نہیں - اور جس سے اوپر کوئی بڑا نہیں - اور فی الحقیقت تکبّر و کبریائی بھی اسی کو بھبتی ہے جس کے جمال و کمال کے کوئی مقابل نہیں - اور جس کے کسی فعل پر کوئی اعتراض نہیں -

**عبادتِ خداوندی کی تشریح** خلاصہ یہ ہے کہ انسان کے محتاج و پابند ہونے کی وجہ سے اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی ہستی کو صفحۂ دہر پر قائم رکھنے کے لئے اپنی قوتِ ملکیہ کو خدا کی طرف لگائے اور نورِ عقل کی مدد سے اسی کی کبریائی کا اعتراف و اقرار زندگی بھر کرے جو اس کا رزاق بھی ہے اور بادشاہ بھی - معبود بھی ہے اور مسجود بھی - اور اپنے ہم جنسوں کے ساتھ بھی اس طرح پیش آئے جس سے دوسروں کو تکلیف و ایذا نہ پہونچے کیونکہ جس طرح خالق کے ستانے کی ایک شکل یہ ہے کہ کھائے تو اُس کا اور گائے دوسرے کا - اسی طرح اُسکی ناراضی کی یہ بھی شکل ہے کہ اُسکی زیرِ حفاظت مخلوق کو بُری نگاہ سے دیکھے اور دلوں کو آزار دے - اور مردم آزاری اور خدا کی ناراضی یہ سب امور اُسی وقت ہوتے ہیں جبکہ انسان اپنی قوتِ ملکیہ سے کام لینا چھوڑ دے - یعنی نہ انسانوں سے محبّت و شفقت کرے اور نہ خدا کی تعظیم و بندگی بجالائے بلکہ دنیات لہو و لعب عزّت و شہرت حرص و ہوا حسن و دولت غرور و نخوت کے چکّروں میں پھنسکر اپنے اس لطیف جوہر کو کھو بیٹھے - اور بہیمیت کی سیاہی سے اپنے دل کی زمین کو داغدار بنائے اور اپنے دل و زبان اور تمام اعضاء کو شیطانی حکومت کے تابع بنادے غرض قوّتِ ملکی کا مصرفِ اصلی عبادت و انقیاد ہے اسمیں جتنا انہماک ہوگا اُسی قدر بارگاہِ الوہیت سے نزدیک ہوتا جائیگا - اور جتنا بُعد ہوگا اُسی قدر شیطان کے قریب پہونچتا چلا جائیگا -

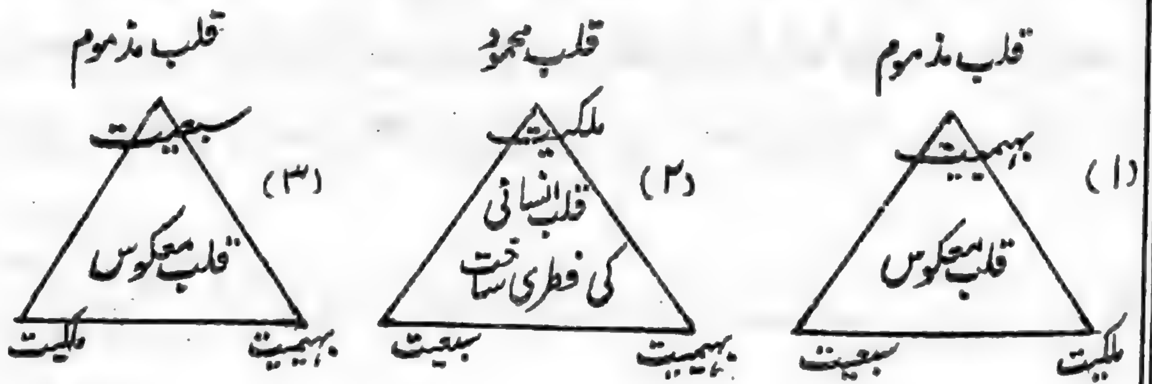
## نتیجہ تقریر ہائے صفاتِ ثلاثہ




**تجلیاتِ ثلاثہ کی تربیت قوائے ثلاثہ کے لئے** نتیجہ تقریر ہائے صفاتِ ثلاثہ کلّیہ ہے کہ قلبِ انسانی چونکہ

اپنے اندر تین زاویے رکھتا ہے اور اسکی شکل مثلث و مخروطی ہے اسلئے شیطان کے داخلۂ قلب کی بھی تین ہی صورتیں ہیں یعنی کبھی وہ شہوت کی راہ سے دخل پاتا ہے اور کبھی قہر و غضب کی راہ سے اور کبھی شرک و ہوا، حرص و طمع کی راہ سے اور شیطان ان شرورِ کائنات کو انہی تین سمتوں سے قلب انسانی میں گھساتا ہے اسے حق سبحانہ تعالےٰ نے اپنی صفاتِ ثلاثہ یعنی ربّ النّاس ملک النّاس، اِلٰہِ النّاس کے انوارِ ربوبیت و ملکیت و الوہیت سے ہر سہ قوائے ثلاثہ ملکیت و سبعیت و بہیمیت کی تربیت فرماتے ہوئے شیطنت کے تینوں راستے انسان کو بند کرنا سکھلادئیے اور تین قسم کے نور قلب نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تینوں سمتوں میں ایسے ہی مضبوط آہنی دیوار کی طرح برپا کر دئیے جیسے ہم اور آپ اپنے مکانات میں چور اور لٹیروں کی بندش کے لئے ہر دروازہ پر سنتری مقرر کر دیتے ہیں اور انسان کو آگاہ فرمادیا کہ جب کسی راستہ سے بھی شیطان دولتِ ایمان پر حملہ آور ہو فوراً ان تین انوار سے تعوذ و استمداد کر کے اس کے داخلۂ قلب کو روک دیا جاوے۔

## ہدایت و ضلالت کی اشکالِ ثلاثہ اور قلبِ انسانی کی تین حالتیں




چونکہ قلب انسانی کی فطری ساخت اور نقطہ ہائے خیر و شر کا قدرتی اعتدال و توازن تو اسی کو مقتضی ہے کہ انسان کی ملکیت و روحانیت، بہیمیت و سبعیت پر غالب رہے اور قوتِ ملکیہ کے زیر فرمان ہی سبعیت و بہیمیت تربیت پائیں اور یہ دونوں قوتیں زاویۂ توحیدی پر نہ چلنے پائیں بلکہ قوتِ ملکیہ ان دونوں قوتوں پر ایسی ہی طرح غالب و حاوی رہے جیسا کہ ایک باپ اپنے دونوں بیٹوں پر غالب رہا کرتا ہے کہ وہ بلا اس کے اشارہ کے کوئی کام نہیں کر سکتے اور اگر باہم دونوں لڑکوں میں لڑائی ہو جائے تو باپ ہی فیصلہ کرا دیتا ہے لیکن شیطان کو چونکہ اسکا علم ہے کہ حق تعالیٰ نے انسان کو ارادہ

وقدرت عطا فرما کر عالم میں اس کے لئے بھلی اور بُری راہیں کھولدی ہیں اور تخم سعادت و شقاوت زمینِ قلب میں پیوست فرما کر اعمالِ خیر و شر سے اسکی فرمانبرداری و نافرمانی کا امتحان لینا چاہا ہے

**زاویۂ توحیدی پر ہمیشہ ملکیت ہی رہنی چاہیئے**

اسلئے بر بنائے جبلّتِ اصلیہ شیطان دل میں بُری باتوں کا القا کر کے اسکی سعی کیا کرتا ہے کہ اولادِ آدم زاویۂ توحیدی پر اپنی ملکیت کو باقی نہ رکھ سکے بلکہ یا تو ملکیت کو بہیمیت کے تحت میں لیجائے اور یا سبعیت کے نیچے کردے ظاہر ہے کہ جب انسان اپنی ملکیت کو بہیمیت و سبعیت کے ماتحت کر لیگا اور اثراتِ شیطنت اُسپر مسلّط اور حاوی ہو جاوینگے تو ملکیت کے نشو و نما کی پھر کوئی صورت نہ رہیگی۔ بلکہ رفتہ رفتہ وہ اسی طرح ختم ہو جاویگی جیسے ایک چراغ اور دیا تیل کے ختم ہو جانے پر ٹمٹما کر گُل ہو جاتا ہے یا ایک خوشبودار درخت پانی نہ ملنے کی صورت میں کُملا کر فنا ہو جاتا ہے اور اُسکی جگہ پھر خود خاردار درخت پیدا ہو جاتے ہیں یا خورشید و مہتاب ابر کے حائل ہو جانے سے چھپ جایا کرتے ہیں۔ بہر حال جبکہ بہیمیت زاویۂ توحیدی پر آجاتی ہے تو انسان بتوں کو پوجنے لگتا ہے اور بہائم کی طرح ہر وقت کھانے پینے میں منہمک اور لذائذ و شہوت میں گھِر جاتا ہے اور اسکے مقاصد و نصب العین کی سطح صرف فنا ہو جانے والی راحتیں اور لذتیں بنجاتی ہیں اور جب سبعیت زاویۂ توحیدی پر فریبِ شیطانی کی وجہ سے آجاتی ہے تو انسان میں درندگی و بربریت نمودار ہو جاتی ہے جس کا آخری نتیجہ دونوں کیفیتوں میں یہی ہوتا ہے کہ انسان نفعِ عاجل کے لئے نفعِ آجل کو ترک کر دیتا ہے۔

**قوائے ثلاثہ کی کیفیاتِ ثلٰثہ**

الغرض ان ہر سہ متضاد قوار کے غلبہ و مغلوبیت کے اعتبار سے قلبِ انسانی کی تین ہی کیفیتیں ہونگی۔

(۱) (کیفیتِ اوّل) یا انسان کی بہیمیت، ملکیت، و سبعیت، پر غالب ہوگی اور جملہ افعال و اعمال میں بہیمیت ہی کا رنگ غالب ہوگا یعنی انہماک فی الاکل و الشرب وحُبُّ الشہوات وحصول الذہب والفضۃ اسکی زندگی سے واضح ہونگے۔

(۲) (کیفیتِ دوم) یا اُسکے آئینۂ افعال و اعمال میں درندگی و تندخوئی، کُشت و خون لوٹ مار، قتل و غارت، نظر آئیگی۔ اور قوّتِ سبعیہ بقیہ قوا، پر غالب ہوگی۔

(۳) (کیفیتِ سوم) یا انسان کی عملی زندگی میں خدا پرستی اور مخلوق ترسی کا غلبہ ہوگا۔

**مقصدِ تعلیم و تعوذ آلہی**

سو تعلیم آلہی و تعوذ ربانی کا مقصد یہ ہے کہ بہیمیت بھی ہو تو نور ربوبیت کے ماتحت ہو اور سبعیت بھی ہو تو نور ملکیت کے ساتھ ہو اور قوتِ ملکیہ بھی ہو تو نور الوہیت کے ساتھ ہو اور ان میں بھی قوتِ ملکیہ بقیہ قوی پر اسی طرح غالب و حاوی رہے جیسے قلب اپنے اعضاء و جوارح پر غالب ہو کر رہتا ہے کیونکہ جب تک توسط و تعوذ آلہی انسان کو حاصل نہ ہوگا اُسوقت تک انسان حیاتِ ابدی و نجاتِ سرمدی حاصل نہیں کرسکتا بس شکل ۱ و ۲ و ۳ ہرگز انسان کو اوجِ کمال پر نہیں پہنچا سکتیں۔

**مواسمِ جسمانی و روحانی**

جس طرح عالمِ اجسام میں گرمی و برسات و جاڑہ کے تین موسم ہوتے ہیں اور ہر ایک موسم علی العموم دوسرے موسم کے آنے کا باعث ہے۔ مثلاً موسم برسات کے آنے کا نتیجہ یہ ہے کہ جاڑے کا موسم آئے اور جاڑے کا موسم گرمی کا موسم لاتا ہے۔ اور یہی چکر ہے جسمیں زمانہ و زمانیات مقید نظر آتے ہیں۔ اسی طرح عالمِ ارواح میں بھی باعتبار خیر و شر کے تین ہی موسم ہیں کبھی بہیمیت کا غلبہ قلوبِ انسانی پر ہوتا ہے تو کبھی بہیمیت و سبعیت کا چنانچہ جب بربریت، ظلم و عدوان حد سے بڑھجاتے ہیں تو پھر رحمتِ آلہی جوش میں آکر دورِ ملکیت لاتی ہے اور ارواحِ نورانیہ کا نزولِ اجلال ہوتا ہے جس طرح ہر سہ مواسمِ جسمانی میں فصلِ زمستان پرسکون کہلاتی ہے اور دیگر موسم اس سے کمتر شمار ہوتے ہیں۔ اسی طرح مواسمِ روحانی میں بھی ہدایت و ملکیت کا دَور بہترین دور کہلاتا ہے اور بہیمیت و سبعیت کے ادوارِ ضلالت ناپسندیدہ شمار کئے جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ دورِ ملکیت میں تو ذرا سا عملِ خیر بھی جلد ہی بارآور ہو جاتا ہے اور دورِ بہیمیت و سبعیت میں جب ہی تخمِ سعادت بارآور ہوتا ہے جبکہ بہت پوری توجہ سے اسکی پرورش کا خیال کیا جائے اور ہر قسم کی آفتوں اور مضرتوں سے اُسکو محفوظ رکھا جائے۔

**مرکزِ احساسات کی تربیت صفاتِ ثلثہ سے**

پھر اگر بالفرض بعض حکماء دورِ حاضرہ کی تحقیقات کے مطابق قلبِ انسانی کو بادشاہِ جسم بھی نہ مانا جائے بلکہ دماغ ہی کو تمام احساسات و ادراکات کا منبع و مرکز اور تمام قوتوں کا سرچشمہ مان لیا جائے جو گو ہمارے نزدیک تو مسلم نہیں تو تب بھی ہماری یہ تقریر چسپاں ہو سکتی ہے اسلئے کہ قلب کی طرح دماغ کے بھی تین ہی حصے قدرت نے فرمائے ہیں پہلا حصہ پیشانی کا ہے جسمیں کاتبِ تقدیر نے اُسکی قسمت کا فیصلہ لکھدیا ہے تو دوسرا حصہ وسطانی ہے جو کُل اعصاب کا منبع و مرکز ہے۔ اور جسمیں بحالتِ شباب، انانیت کے خمار اور کبر و نخوت کے سودے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ تیسرا حصہ وہ ہے جو پُشت کی جانب سے ملا ہوا ہے اور ریڑھ کی ہڈی کو اپنے اندر لئے ہوئے

ہوئے ہے سو جانب صلبی کی تربیت کے لئے رب الناس کی تجلّی انسان کو مرحمت فرمائی گئی اور رب النور نے اسکی نگہداشت کی تو دماغ کے درمیانی حصّہ کے لئے ملک الناس کی تجلّیِ شاہانہ نے اپنا پرتوہ ڈالا اور پیشانی کے حصّہ کی حفاظت کے لئے کہ وہ غیر اللہ کے آگے نہ جھکے انسان کو الٰہ الناس کا نور بخشا گیا اور ان انوار ثلاثہ سے مرکزِ ادراکات واحساسات کو گھیر کر ان تینوں حصّوں میں توحیدِ باری کا عقلی اثبات کیا گیا۔

**نور توحید کتاب بشریت سے بھی ہویدا ہے**

یہی نور توحید انسان کے چہرہ مہرہ اور اسکے بدن کی کتاب بشریت کے ہر جوڑ بند سے بھی ہویدا ہے۔ چنانچہ دیکھیئے ایک آنکھ سے اگر ربوبیتِ پروردگار مثل آفتاب نمایاں ہے یعنی جیسے آفتاب کافر کے گھر بھی جاتا ہے اور مسلمان کے گھر بھی اسی طرح یہ آنکھ بھلے کو بھی دیکھتی ہے اور بُرے کو بھی تو دوسری آنکھ ملک الناس کی نورانیت کے لئے مثل مہتاب شاہدِ عدل ہے اور ان دونوں آنکھوں کے درمیان میں ایک تیسرا نورِ معنوی نور توحید ہے جو پیشانی کے حصّہ میں چمک رہا ہے اور ایسی ہی طرح درخشاں وتاباں ہے جیسے خداوند عالم کا نور ہر ہر چیز میں ظاہر ہونے کے باوجود ان آنکھوں میں نہیں سما سکتا اور دیکھنے کے باوجود دیکھا نہیں جاسکتا۔

**اوراق کتاب بشریت اور کرشمہ ہائے خداوندی**

پیشانی سے نیچے اُتر کر چہرہ مہرہ اور اس کتاب بشریت کے اوراق پر نظر ڈالئے تو یہاں بھی ان انوارِ ثلاثہ ونور توحید کا ہی تماشہ نظر آتا ہے چنانچہ کتاب بشریت اور بشرۂ انسانی کی داہنی جانب کا ایک سیاہ وسپید سرخ وزرد ورق اگر رب الناس کی اس تربیت کا پتہ ونشان دے رہا ہے جو بدنِ انسانی کے مطبخ یعنی (جگر) میں کارفرما ہے اور تمام اعضاء کے لئے قوتِ لایموت تیار کرنے میں مشغول اور ساعی ہے تو چہرہ کی بائیں جانب کتاب بشریت کا دوسرا صفحہ بتلا رہا ہے کہ رب الناس کی وہ تربیت جسنے جگر میں غذا کو خون بنا کر فضلہ کو سفل کی طرف پھینکدیا ہے اور خون کو قلب کیطرف روانہ کر دیا ہے۔ جب یہ تربیت وربوبیت خون کو لیکر قلبِ انسانی میں پہونچی تو اُسنے قوت وتدبر وحکمرانی کا درجہ پالیا اور قلب میں ایسا پاور آگیا کہ وہ اپنے مددگار وخلفاء اربعہ میں سے اگر پیروں کو منزلِ مقصود پر پہونچنے کے لئے اشارہ کرے تو میلوں رواں ہو جائیں اور اگر ہاتھوں کو کسی وزنی سے وزنی چیز کے اُٹھانے کا حکم کرے تو وہ اپنی قوتِ قابضہ وباسطہ سے آناً فاناً اُسکو اُٹھا کر پھینکیں غرض اس نور ربوبیت نے قلب میں پہونچکر

ایسی ہی طرح نورِ ملکیت کی شکل اختیار کر لی جیسے غذا نے جگر میں پہونچکر خون کا رنگ اختیار کر لیا تھا اور قلب کی اس قوتِ شاہی نے انسان کو یہ باور کرا دیا کہ وہ سینہ میں مخفی رہکر اپنے مددگار خلفائے اربعہ سے اگر بیسیوں من عناصر اربعہ کا وزن اُٹھوا سکتا ہے تو بدرجہ اولیٰ وہی کلامِ رب العالمین کا وزن بھی اُٹھانے کی اہلیت رکھتا ہے۔

**یک بینی و دو گوش اور مسئلہ توحید**

اور جب آپ کتابِ بشریت اور بشرۂ انسانی کے ان دونوں صفحات کے مطالعہ سے فارغ ہوکر اُس اُبھرے ہوئے درمیانی حصہ پر بیک بینی و دو گوش نظر ڈالیں گے جو ان دونوں کی یکتائی پر واحد و شاہد ہے اور جسکو معبود و مسجود کے آگے ہی رگڑنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو آپکو اس کتابِ بشریت کے مرتب کرنیوالے کا کمالِ صناعی نظر آ ویگا اور نورِ توحید بالکل محسوس و ممتاز ہوکر دکھلائی دیگا۔ جو ہر آن خدا کی خدائی اور اُس کی یکتائی و کبریائی پر ہر ایک منکر سے اقرارِ توحید لے رہا ہے اور الٰہ الناس کی وحدانیت پر ایک زبردست حجۃ قائمہ ہے جو منکرینِ توحید و مشرکینِ ذات و صفات سے بزبانِ حال کہہ رہی ہے کہ جس طرح چہرہ کی زیب و زینت یک بینی و دو گوش پر مبنی ہے دو بینی و یک گوش پر نہیں ہے۔ اسی طرح عالم کی زیب و زینت بھی توحید سے ہی ہے تثلیث سے نہیں ہے۔

**لمس و تقبیل کی حدود و قیود اور انکی حکمت**

اسی لئے اس کتابِ بشریت کو چھونا یا بوسہ دینا یا اس کا تماشہ دیکھنا جس میں ذات و صفات اور نبوت و رسالات کے دلائل و شواہد و اشارات موجود ہیں جب ہی درست ہوگا جبکہ شیطان کا دخل اور اس کا واسطہ درمیان میں نہ ہو کیونکہ شیطان ہرگز اس کا اہل نہیں کہ وہ معتوب سرکارِ احدیت ہوکر ان مظاہرِ قدرت کا تماشہ دیکھے یا انسان کی بہیمیت کے بسِ پردہ اُنہیں ہاتھ بھی لگائے یہی وجہ ہے کہ جب خلافِ حکم ما انزل اللہ شیطان کے بہکائے سے اور نفسانیت کے لگاؤ سے انسان ان مظاہرِ قدرت و کتابِ بشریت کو بُری نگاہ سے دیکھنا یا چھونے لگتا ہی تو انوارِ الٰہیہ کا فیضان دیر تو بند ہوجاتا ہی اور تجلیاتِ ثلاثہ اپنی تدبیرِ فیضان چھوڑ دیتی ہیں۔ اور بندہ کے اور خدا کے درمیان میں شیطان کے حائل ہوجانے سے روح و جسم کے درمیان فساد شروع ہوجاتا ہے اور اس کے کاروبار میں سے مددِ خداوندی اسی طرح نکل جاتی ہی جیسے کسی پھولدار درخت سے پھول توڑ لینے پر اُسکی خوشبو دمہک جاتی رہتی ہی۔

**بلا وضوئے باطنی کتاب لبشریت کا چھونا جائز نہیں**

جیسے بلا وضو آپ کتاب اللہ کا چھونا اور اسکو ہاتھ لگانا جائز نہیں اسی طرح بلا وضوئے نفس وبلا طہارتِ قلب وبلا اجازتِ باغبانِ عالم غنچۂ کتابِ لبشریت کا چھونا اور دیکھنا بھی روا نہیں اسی لئے فرمایا گیا قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم الخ اب لا یمسہ الا المطہرون کا مضمون بھی بحمد اللہ خوب ہی تاویلاً اپنے عمومِ آیت کے لحاظ سے یہاں چسپاں ہو جاتا ہے۔

**قوتِ ملکیہ اور قوتِ بہیمیہ کی تربیت کیلئے چار چار کتابیں**

شاید یہی وجہ ہے کہ قوتِ ملکیہ کی تربیت کے لئے چار کتابیں عرش سے آئیں تو بہیمیت کی تربیت کے لئے بھی چار ہی لبشریت کی کتابیں (جو بواسطہ رسول بصورتِ نکاح جائز کی گئیں۔ اور کیا عجب ہے کہ جس طرح تحریف و تغیر کی وجہ سے ہر چہار کتبِ سماویہ کی تسلیم کی اب یقینی اور واحد صورت یہی ہے کہ کتبِ سماویہ وصحفِ انبیاء کے مجموعہ وملخص قرآنِ حکیم پر ایمان لایا جائے۔ اسی طرح بخوفِ عدمِ عدل واندیشۂ ظلم چار نکاح کے بجائے ایک نکاح ہی بہتر واولیٰ قرار دیا گیا ہو۔

**قوتِ یقین اور قوتِ متخیلہ دونوں کے لئے چار چار ائمہ**

اور جبکہ قوتِ یقین کی تربیت کے لئے چار کتابیں عرش سے اُتریں تو قوتِ متخیلہ وقوتِ اجتہادی کیلئے بھی عقلاً چار ہی سرخیل وائمہ اربعہ برحق ہونے چاہئیں اور چار ہی مسلک (حنفیت وشافعیت حنبلیت ومالکیت) فطرتاً وعقلاً صائب ہونے چاہئیں۔ چنانچہ تعددِ حق کے اسی لئے اہلِ سنت قائل ہیں لیکن اولیٰ وبہتر یہی ہے کہ ائمۂ اربعہ میں سے جو ایک مسلک کسی کو پسند ہو اسکو اختیار کرلے تاکہ قوتِ یقین کی راہ مستقیم اور اعتقادی وحدت کو انسان امورِ اجتہادی وقیاسی میں بھی نہ چھوڑنے پائے۔ اور جبکہ شریعتِ حقہ وقوتِ متخیلہ کی نگہبانی کے لئے بھی حق تعالیٰ کی طرف سے اُمتِ محمدیہ میں چار ہی خلیفہ راشد اور چار ہی اصابتِ رائے کے مظاہر ائمہ اربعہ پیدا کئے گئے تو عقلِ سلیم اس نقلِ صحیح کی بھی تصدیق کرتی ہے۔

**کارخانۂ یقین وایمان کے حاملان بھی چار فرشتے ہیں**

کہ اس کارخانۂ ایمان ویقین کو مضبوط واستوار رکھنے کے لئے چار ہی فرشتے جبرئیل ؑ میکائیل ؑ عزرائیل واسرافیل علیہم السلام بھی بارگاہِ صمدیت سے مقرر ہونے چاہئیں تھے اور عناصرِ اربعہ واخلاطِ اربعہ کے انتظامات انہی کے ہاتھ میں ہونے چاہئیں تھے

غرض یہ چار کا عدد یہاں پر بڑے لطف اسرار منکشف کرتا چلا آرہا ہے جن سب کے بیان کا یہ موقعہ نہیں۔
بہر حال ربط کلام یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے چونکہ اپنے انوارِ ثلاثہ کا مظہر دُنیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بنایا ہے اور آپ ہی کا نور سب سے پہلے حق تعالیٰ نے پیدا فرمایا جیسا کہ حدیثِ اول ما خلق اللہ نوری سے واضح ہے اور نورِ خداوندی کے ساتھ آپ کے نور کی مشابہت بعینہٖ ایسی ہی جیسے نورِ آفتاب اور نورِ آئینہ اور آپکا نورِ انسانیت اور نورِ عقل تمام انوارِ خلق میں اعلیٰ و ارفع ہے اور آپ کے ماسوا جسقدر بھی نور مصدرِ نور سے مخلوق و مشتق ہوئے وہ سب بعد کی ہیں اس بنا پر رب الناس ملک الناس، الٰہ الناس میں ناس سے انسانیت کا وہی فردِ کامل مراد لیا جاسکتا ہے جسکے ذریعہ سے نورِ خداوندی لبشکلِ ربوبیت و ملکیت و الوہیت عالم میں تجلی ریز ہوتا ہے اور رب الناس۔ ملک الناس۔ الٰہ الناس۔ میں ناس کیطرف جو نسبتِ الٰہی فرمائی گئی ہے اس سے اشارہ یہ ہے کہ نورِ خداوندی جب بھی عالم میں تجلی ریز ہوتا ہے حضور ہی کے واسطہ سے ہوتا ہے۔ کما قال تعالےٰ

وما ارسلنٰک الا رحمۃً للعالمین۔

**امامتِ سید المرسلین کا اثبات عقلی و نقلی**

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اولین و آخرین اور جملہ انبیاء علیہم السلام کے سردار و امام ہیں۔ اور جیسے بدن کی پانچ اُنگلیوں میں وسط کی اُنگلی امام ہوتی ہے اسی طرح حضور کی ذات منبع البرکات بھی تمام انبیاء علیہم السلام اور تمام اممِ سابقہ میں امام کی حیثیت رکھتی ہے اسی لئے آپکو جو دینِ قیم عطا فرمایا گیا اُس میں پانچ ہی رکن تجویز فرمائے گئے اور حضور کو چار مخصوص صحاب ایمان باللہ و عمل صالح و تواصی بالحق و تواصی بالصبر کے مظہر حضرت باری تعالیٰ نے اپنے چار مقربین جبرئیل و میکائیل، اسرافیل و عزرائیل کی طرح عطا فرماکر پنجتن سے دُنیا پر یہ واضح فرمایا کہ جس طرح دُنیا کی ضرورتوں کو پورا کرنیکے لئے ایک ہاتھ اور اس کی پانچ اُنگلیاں کافی نہیں ہوتیں بلکہ دوسرا ہاتھ اور اُسکی پانچ اُنگلیاں اُسکی مدد کے واسطے درکار ہوتی ہیں اسی طرح ان پنجتن ہی سے پانچ ارکانِ اسلامی کا عملی نقشہ دُنیا میں فروغ پائیگا اور جیسے انبیاء مرسلین میں حضرت نوح و ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ و حضرت خاتم النبیین علیہم الصلوٰۃ والسلام آسمانِ نبوت کے پانچ درخشاں کواکب و سیارات ہیں اسی طرح یہ پنجتن بھی کیفیاتِ رسالت و نورِ نبوتِ محمدی میں وہی مثال اور مشابہت رکھتے ہیں۔ الغرض آپ ہی کے نورِ ارفع و اقدس سے تمام انبیاء علیہم السلام

عالمِ ارواح میں مستفید و خوشہ چین ہوئے اور اُمم سابقہ و لاحقہ کو جو بھی نورِ عقل و نورِ انسانیت ملا ان سب کا سر منشا حضور ہی تھے اور اوّلین و آخرین کو واسطہ و بلا واسطہ عالم میں جسقدر بھی انوارِ الٰہی مبدأ فیاض سے تقسیم ہوئے اُسمیں بھی واسطہ حضور ہی تھے اسی لئے آپکی نوع تمام انواع پر آپکی اُمت تمام اُمتوں پر، آپکی قوم تمام اقوام پر، آپ کا موطن تمام مواطن پر افضل و اشرف ہے۔

**انوارِ خداوندی کے ساتھ نورِ محمدی کا تعلق اور رابطہ**

جس طرح شب کی تاریکیوں میں آفتابِ عالمتاب کا نور مہتاب ہی میں سے ہوکر زمین پر پھیلتا ہے دوسری کوئی صورت شب میں فیضِ آفتاب سے استفادہ کی نہیں ہوتی۔ اسی طرح نورِ خداوندی بھی ہر دورِ ضلالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعے سے تمام عالم پر محیط ہوا ہے اور یہی نورِ نبوتِ محمدی انوارِ آفتابِ مہتاب کی طرح تدریجی طور پر بڑھنے اور عالم کی استعداد کے موافق پھیلنے کے لئے حضرت آدم کے قالب میں بلا توالد و تناسل جیسے لیا آخر یہ نورِ نبوتِ محمدی حضرت نوح و ابراہیم و موسیٰ وغیرہم علیہم السّلام میں منتقل ہوتے ہوتے :۔

**آفتابِ رسالت کا طلوع عالمِ اجسام میں**

فاران کی چوٹیوں پر سے بلا واسطہ آفتاب کی طرح افقِ رسالت سے طلوع ہو گیا اور چالیس برس میں یہ بدرِ کامل چودھویں رات کا چاند بنکر آخر تمام عالم کیلئے رحمۃ للعالمین کے درجہ پر پہونچگیا لیکن نورِ نبوّتِ محمدی کا اس طرح منتقل ہونا سراسر نظمِ ربوبیت پروردگار کے موافق تھا۔ کیونکہ جس طرح بادشاہانِ دنیا جو پاور اور جو اختیار بھی اپنے قلمرو میں کسی کو عنایت کرتے ہیں جسکے بعد وہ تمام انسانوں پر حکمرانی کرتا ہی تو اول اپنے وزراء و نائبینِ سلطنت سے اسے منواتے ہیں اور اس کے بعد قلمرو میں درجہ بدرجہ سب اس کے اختیار کو تسلیم کرکے اطاعت و انقیاد سے اسکو حاکم و با اختیار تسلیم کر لیتے ہیں اور اسکے حکم کو بادشاہ کا حکم جانتے ہیں۔

**نورِ محمدی نے انوارِ خداوندی کا حامل مخلوق کو بنایا**

اسی طرح حق تعالیٰ شانہٗ نے بھی یہ نورِ نبوتِ محمدی کل انبیاء علیہم السّلام کو اُن کے مرتبے و استعداد کے موافق عنایت فرمایا اور تمام انبیاء نے عالمِ ارواح میں حضورؐ کی نبوت کی تصدیق کی اور جب یہ نورِ محمدی بکمّل و مختتم ہوکر دُنیا میں پھیلایا گیا تو حق تعالیٰ شانہٗ اپنی کل صفات علی الخصوص تجلیاتِ ثلاثہ کی جملہ غیر محدود و غیر متناہی طاقتیں تمام اُمتِ محمدیہ کو انسانیت کے مظہرِ اتم اور مجد و شرف کے نمونۂ اعظم جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بخشیں اور عالمِ ارواح کے اس مہتابِ رسالت نے آفتابِ جلال و کمال

احدیت سے اکتسابِ نور فرماتے ہوئے تمام مخلوق کو انوارِ خداوندی کے تحمل کے قابل بنا دیا اور آفتابِ نورِ احدیت کے فیوض سے تمام مخلوق کو فیضیاب کرنیکے لیئے مثل مہتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واسطۃ الخلق ہوئے۔

**معجزۂ شق القمر کا تعلق ختمِ نبوت سے**

غالباً یہی سبب ہے کہ ملأ اعلیٰ اور عالم ارواح کے اس مہتابِ رسالت نے جب عالمِ شہادت کے مہتاب سے آنکھ ملائی تو وہ تابِ نظارہ نہ لاسکا اور نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہتابی کرۂ نور کے دو ٹکڑے کردیئے اور کیا عجب ہے کہ حضرت مہتابِ رسالت نے چاند کے دو ٹکڑے فرماتے وقت جہاں مشرکینِ عرب کو اعجازِ نبوت دکھلایا وہیں اس انشقاقِ قمر سے مشرکینِ نبوت کے لیئے اس دائمی اعجاز کی طرف بھی اشارۂ غیب فرمانا مقصود ہو کہ جس طرح چاند جیسے عظیم الشان کرۂ نوری کے دو ٹکڑے ہوئے ہیں میرے وصالِ الی اللہ کے بعد میرے نور کے بھی دو ہی حصے ہونگے۔ ایک کتاب اللہ دوسری عترت اور جس طرح چاند کا نور تا قیامِ قیامت دنیا میں چمکتا رہیگا اسی طرح کتاب اللہ کے انوار وتجلیات بھی تا قیامِ قیامت دنیا میں باقی رہیں گے اور اُن کے حاملانِ باصفا بھی ہمیشہ لا یضرھم من خالفھم کی بشارت کے موافق دنیا میں نوبت بہ نوبت پیدا ہوکر اس نورِ محمدی کا اعادہ اور تشیر وتوضیح فرماتے رہیں گے اور نورِ محمدی برابر ان کے ذریعہ ضیاء ریز رہیگا۔ لہٰذا کسی نبی کی ضرورت باقی رہیگی اور نہ کوئی سچا نبی آئے گا بلکہ میرا وجود اور قیامت کا وجود ایسا ہی قریب قریب ہوگا جیساکہ دو اُنگلیاں باوجود الگ الگ ہونے کے ایک دوسرے سے جُڑی رہتی ہیں یا مثلاً چاند کے جیسے دو ٹکڑے ایک ہی کرہ کے دو حصے ہوتے ہیں اب حدیث بعثت انا والساعۃ کھاتین کا اثبات بھی بحمد اللہ خوب ہی چسپاں ہوگیا۔

**خاتم نبوت سے خاتم شیطنت کا رابطہ**

اور ختمِ نبوت پر بھی کافی اشارہ ہوگیا۔ البتہ حضرت خاتم النبیین کے دورِ نبوت میں قبل از وقوعِ قیامت بیشک اسکی ضرورت عقلِ سلیم محسوس کرتی ہے کہ خاتمِ شیطنت کا ظہور بھی عالمِ اجسام میں ہونا چاہیئے اور یہ خاتمِ شیطنت دُنیا کو کبھی نبوت کا دھوکہ دیکر راہِ حق سے پھیرے اور کبھی سحر وتسخیرِ کائنات کے حربہ سے دجالِ اکبر کی صورت میں نمودار ہو غرض جس طرح نورِ نبوتِ محمدی تدریجاً مختلف دہوروں میں مکمل ہوا اسی طرح

شیطنت کی تکمیل بھی آپ ہی کے دورِ رسالت و نبوّت میں ہو کر مغلوب ہونی چاہیئے۔ اور خاتم الشیاطین بھی عالم اجسام میں حضور ہی کے زمانہ نبوّت میں ظاہر ہونا چاہیئے۔ چونکہ ہم حصّہ اول میں یہ دکھلا چکے ہیں کہ عالم باطن میں شجر نبوت و شجر شیطنت کا تخم سعادت و شقاوت خلّاقِ بیچون و بیچگون نے بو دیا ہے اور عالم اجسام میں جسقدر بھی انسان پیدا ہوتے ہیں کوئی شجر شیطنت کا پھل ہوتا ہے اور کوئی شجر نبوت کا ثمر شیریں۔ اسلئے جبکہ شجر نبوت کی تکمیل ناموسِ اکبر اور حضرت خاتم الانبیاء سے ہو چکی اور شجر نبوّت حدّ کمال و شباب پر پہونچگیا تو اسی قاعدہ کے موافق شجر شیطنت کا بھی اختتام اسی دورِ خاتم الانبیاء میں خاتم الشیاطین سے ہونا چاہیئے چنانچہ احادیثِ صحیحہ میں ہے کہ دجّالِ اکبر کا ظہور قیامت کے قریب ہوگا۔ اور وہ سحر و تسخیرات کا غیر معمولی حربۂ شیطنت لیکر ظاہر ہوگا جسکی وجہ سے اکثروں کے ایمان میں فتور آ جائیگا۔ اور وہ دجّالِ اکبر کے شعبدہ ہائے سحر و شیطنت کے جال میں پھنسکر اپنا ایمان کھو بیٹھیں گے۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السّلام جو بحکمت خداوندی و مصلحت محمدی عالم بالا میں فرشتوں کی طرح اپنی مدّت معیّنہ کو گذار رہے ہیں۔ جب دجّالِ اکبر آکر اپنی شیطنت کو مکمل کرلیگا تو اُسوقت جرنیلِ سرکار محمدی یعنی حضرت عیسیٰ روح اللہ آسمان سے نازل ہو کر اس دجّالِ لعین کے لئے شہاب ثاقب بنکر اُسکو قتل کرینگے اور ایک دفعہ پھر نورِ نبوتِ محمدّی تمام عالم میں چھا جائیگا اور خدا کی حجت تمام کر دیجاویگی

**درازیِ عمر شیطان و حضرت مسیحؑ کا راز**

یہیں سے شیطان کی عمر کی طوالت کے راز پر بھی روشنی پڑ جاتی ہے کہ اسکو ابتداء آفرینش و آغازِ نورِ محمدی سے مردود فرمانیکے باوجود اسکی دعا پر اختتامِ دورِ نبوّتِ محمدی تک کیلئے حیاتِ طویل دی گئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے مقابلۂ شیطان کی وجہ سے اُنہیں بھی کیلئے حیاتِ طویل عطا فرمائی گئی۔ اور یہ بھی کہ استجابتِ دعا کے لئے مقبول من اللہ ہونے کی بھی شرط نہیں ہے بلکہ رحمت ربوبیت کافر و مشرک فاسق و فاجر سب ہی کے لئے عام ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضور کی نبوت خاتمہ کے بعد کوئی دجّالِ اصغر ذرّیتِ شیطان سے پیدا ہو کر آپ کی نبوت کی خاتمیت کو توڑنا چاہے تو درحقیقت آپ کی ختم نبوت کو تو وہ کسی طرح بھی نہیں توڑ سکتا البتہ شیطنت کا مظہر اور اُسکا حامل ضرور بن سکتا ہے۔

**مہتاب عالم ارواح و مہتاب عالم اجسام میں کون افضل ہے**

بہر حال جبکہ مہتاب جسمانی کے دو ٹکڑے حضرت مہتابِ عالم ارواح نے

فرمادیے اور چاند جیسے عظیم الشان کرۂ نوری کا انشقاق و تغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعے بطور خرقِ عادت و اعجاز حق تعالیٰ نے کرا دیا (اِدھر خود حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ مبارکہ بھی عالمِ اجسام میں ایک وقت معیّنہ اور غرض مخصوص کے لئے تھی جب وہ غرضِ اکمالِ دین و اتمامِ نورِ رسالت پوری ہوگئی تو آپ بھی راہیِ ملکِ بقا ہو کر اُسی ذاتِ صمدیت سے راجع ہوگئے جو حیّ و قیوم ہے اور آپ کے بعد آپ کے انوار بھی دو حصوں پر منقسم ہوگئے۔ ایک کتاب اللہ اور دوسری عترت جنہیں ایک نورِ معنوی ہے جو برابر آفتاب کی طرح اپنے فیوض عالم میں لٹا رہا ہی وسای گمراہوں کو راہِ حق دکھلا رہا ہے۔ اور دوسرا نورِ عترت کا ہی جسمیں فنا و بقا حسّی طور پر جاری رہی ہے اور اسکی صورت بعینہ ایسی ہی ہے جیسے چاند ہر مہینہ آفتاب سے اکتساب نور کرتے ہوئے ہلال سے بدرِ کامل بنکر حدّ کمال پر پہونچتا ہے اور پھر زوال پذیر ہو جاتا ہے۔ پھر نئے سرے سی طلوع ہوتا ہے اور اپنی نورانیت سے انسانوں کے غنچہ ہائے قلوب کو کھلا دیتا ہے مگر پھر گھٹ گھٹ کر آخر ایک دن نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح آسمانِ رسالت کے درخشاں کواکب یعنی عبادِ مخلصین و مجددینِ اُمّتِ محمدیہ بھی ہر صدی کے دورِ ہدایت میں چاند کی طرح طلوع ہوتے ہیں اور آفتابِ نبوّت سے کسبِ نور کرتے ہوئے اپنی نورانیت سے عالم کو مستفید کر کے غروب ہو جاتے ہیں) تو آفتابِ نبوت کے غروب ہو جانے کے بعد مہتاب کی طرح مجددینِ اُمّتِ محمدیہ کا طلوع و غروب ہونا اور کمالِ نبوت کے بعد زوالِ دنیا کے لئے قیامت کا اُسکے ساتھ لازم و لتوام ہونا بعینہ وہی مشابہت رکھتا ہے جسکی طرف حضور نے اپنی حدیث "بُعثت انا والساعۃ کھاتین" میں اشارہ بلیغ فرمایا ہے۔

| انوارِ مہتاب جسمانی و مہتاب روحانی کے دو دو حصے |
| --- |

اور چاند کے دو ٹکڑے فرما کر حسًّا و عملاً بھی بتلا دیا کہ جس طرح اس کرۂ نوری کے دو ٹکڑے اس بات پر گواہ ہیں کہ یہ دونوں ایک ہی کرہ کے حصّے تھے اسی طرح میرا وجود اور قیامت کا وجود بھی اسی قادرِ مطلق کی نشانیوں کا ایک جُڑا ہوا سلسلہ ہے جو تکوینیات میں یوں ظاہر ہوا بہرحال مضمونِ حدیث "بُعثت انا والساعۃ کہاتین" کے اشارہ کو عملی صورت میں یوں دکھلایا گیا۔ "اقتربت الساعۃ وانشق القمر" یعنی قریب آگئی قیامت اور پھٹ گیا چاند۔

**قربِ قیامت اور انشقاقِ قمر**

ورنہ بظاہر قربِ قیامت کو انشقاقِ قمر سے کوئی ربط نہیں ہی غرض جبکہ نظمِ کائنات میں بہت بڑا کرہ چاند کا ہے جو کرۂ ارضی سے بہت بڑا ہے یا اگر بقول حکمائے حاضرہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اسمیں عظیم الشان مخلوق آباد ہے اور حضور نے اس پوری مخلوق کو دو حصّوں پر منقسم فرمایا تو اس کا مطلب بالآخر یہی ہوگا کہ علویات میں قیامت کی ابتدا شروع ہو گئی ہے۔

**علویات میں آغازِ قیامت اور سفلیات کی متابعت**

کیونکہ قیامت سلسلۂ اسبابِ نظم کے درہم برہم ہونے ہی کو کہتے ہیں جب علویات میں قیامت کی سلسلہ جنبانی شروع ہو گئی اور سفلیات اپنے انفعال و تأثرات کی وجہ سے علویات کے تابع ہیں تو اس کے یہی معنے ہوں گے کہ عالمِ شہادت میں بھی حضور کے سامنے قیامت کی ابتدا ہو گئی۔

**عالمِ جسمانی میں بڑھاپے کے آثار**

غالبًا یہی وجہ ہے کہ اب حوادثِ عالم کی رفتار بعینہٖ اُس بوڑھے آدمی کی طرح پر ہوتی جا رہی ہے جسکی تمام کیفیات میں ایک قسم کی بے ترتیبی سی پیدا ہو جاتی ہی مثلاً کبھی پیاس کا غلبہ ہے تو اسقدر کہ پانی ہی پیئے چلا جاتا ہے کبھی بھوک بند ہوتی ہی تو اس طرح کہ بہت سے وقت صاف گذر جاتے ہیں۔ اسی طرح آسمان سے اگر بارش برستی ہے تو اسقدر کہ لوگ الامان الحفیظ لگا اُٹھتے ہیں اور بندش ہوتی ہے تو ایسی کہ لوگ الغیاث الغیاث چلانے لگتے ہیں غرض جہاں گرمی ہوتی تھی اب وہاں سردی ہوتی ہے۔ جہاں سردی ہوتی تھی اب وہاں لُو چلتی ہے۔ لہذا جیسے یہ ممکن نہیں کہ بڑھاپے کے بعد پھر کسی پر جوانی آئے اور حدِّ کمال پر پہونچکر کوئی مخلوق زوال پذیر نہ ہو اسی طرح یہ کب ممکن ہے کہ علویات میں قیامت کی سلسلہ جنبانی کے بعد کوئی نبی آئے اور عالم کے بڑھاپے میں نبی آخر الزماں کے بعد کوئی نبی برپا کیا جائے الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی الخ

**حضرت عیسیٰ کے نزول کی حکمت**

اسی لئے حضرت عیسیٰ روح اللہ و نبی اللہ کا نزول بھی قیامت کے قریب آسمان سے ہوگا تو وہ بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اُمتی بنکر ہی دنیا میں تشریف لاوینگے جس طرح ایک سابق حاکم اپنے سابقہ دار الخلافہ میں تدبیرِ ملک کے لئے آجاتا ہی تو وہ موجودہ حاکم ہی کا مہمان و تابعِ فرمان ہوتا ہی خود اسے سلطنت میں حکمرانی کا کوئی ادنیٰ اختیار بھی نہیں ہوتا۔ یہی صورت زمانہ رسالتِ محمدی میں حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت مہدی معہود وغیرہم کی ہو گی لہذا نبی کاذب مدعی نبوت قادیان کا دعویٔ نبوتِ تشریعی اور عوام کو دھوکہ اور مغالطہ میں ڈالنے کے لئے دعویٔ مہدویت

نبوتِ ظلی و بروزی درحقیقت نبوت و معجزاتِ محمدی کا انکار نہیں تو اور کیا ہے اور اکمالِ نبوت سے پیشتر قیامت کا حضور کیساتھ توام جاننا خلافِ عقل وحکمت نہیں تو اور کیا ہے۔

**صفاتِ خداوندی کے مکتسب بالذات آنحضرت ہی ہیں**

حاصل یہ ہے کہ انسانیت کے فردِ اکمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صفاتِ ثلاثہ ربوبیت وملکیت والوہیت کے انتساب مخصوص کی وجہ سے مکتسب بالذات ہیں اور بقیہ جسقدر بھی عالم ارواح کے کواکب وسیارات انبیاء علیہم السلام ہیں وہ سب مکتسب بالعرض ہیں۔

**آفتاب جسمانی وآفتاب روحانی کا خط استوا**

جیسے آفتاب عالمتاب تدریجی طور پر بڑھتا ہے یہاں تک کہ خطِ استوا پر جب پہونچتا ہے تو کمالِ نورانیت کے مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے اور کوئی نظر بھر کر بھی نہیں دیکھ سکتا مگر یہ سراجِ منیر قدرت کی نورانیت سے شرما کر فوراً ہی جھکنے اور ڈھلنے لگتا ہے اسی طرح نورِ نبوت محمدی حضرت آدم سے بڑھتے بڑھتے جب حضرت عیسیٰؑ پر پہونچگیا جنکو حضرت آدمؑ سے توالد و تناسل ہیں اسی قسم کی نسبت ہے جو حضرت حواؑ آدمؑ سے رکھتی ہیں تو آخر آفتاب رسالت آسمان نبوت سے طلوع ہوکر خطِ استوا پر پہونچ گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حجۃ الوداع میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا اعلان فرمادیا الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی الخ اور اسکے کچھ عرصہ بعد یہ حکم ربانی آن پہونچا اذا جاء نصر اللہ والفتح الخ۔

**تکمیلِ نبوت کے بعد نبی نہیں آسکتا**

اور ظاہر بھی تو یہی ہے کہ تکمیلِ دین وتکمیلِ نورِ نبوت کے بعد کوئی نبی نہ آئے جیساکہ آفتاب کے عروج نصف النہار کے بعد کسی دوسرے آفتاب کی روشنی کی عالم کو ضرورت ہی باقی نہیں رہتی اور حضور کے بعد نبی آکیسے سکتا ہے جبکہ صفاتِ خداوندی میں جو سب سے اعلیٰ وارفع صفاتِ ثلاثہ ربوبیت وملکیت والوہیت ہیں بحیثیت مجموعی امتِ محمدیہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے عام ہو چکی ہیں اور قرآن کا نور دنیا میں شیطنت سے ہمیشہ کیلئے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ بس ختمِ نبوت کی مثال تم ایسی ہی سمجھ لوکہ:-

**اثباتِ ختمِ نبوت پر ایک تمثیل**

جس طرح مرد وعورت کے درمیان نکاح ہو جانیکے بعد اُن کو نکاح کی فی نفسہ ضرورت باقی نہیں رہتی اور دونوں کے رشتہ وامتزاجِ باہمی کی وجہ سے ایک تیسرا غیر معلوم وجود بامر اللہ ظہور پذیر ہو جاتا ہے جو درحقیقت مرد وعورت کے ملنے کی اصلی غرض وغایت ہی اور آدم کی نسل کی

اس معنے کر کبھی بڑھاپا اور خزاں نہیں آئی کہ اگر آدم کے بیٹے پر بڑھاپے کی خزاں مسلط ہو جاتی ہے تو اُس کا پوتا جوان ہو جاتا ہے اور پوتے پر بڑھاپا آتا ہے تو اُس کا بیٹا جوان ہو جاتا ہے۔

قیامت جوانوں پر ہی آئے گی

غرض سلفاً عن خلف یوم حساب تک یہی صورت جاری ہے اور اس سلسلہ سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت بوڑھوں پر نہیں آئیگی بلکہ مالک الملک کی تجلی قہری کا ظہور جسکو شریعتِ اسلامی قیامت کہتی ہے جوانوں پر ہی قائم ہوگی۔ جسکی وجہ بجز اسکے کچھ نہیں کہ شباب کی تربیت کرنے والی صفت ملک الناس ہے جو ربّ الناس والٰہ الناس کے درمیان میں ہے۔

قلب نبوی پر جملہ تجلّیاتِ الٰہی کا ورود ہوا

اسی طرح صفاتِ ثلٰثہ ربوبیت وملکیت والوہیت جب بیک وقت آئینۂ قلب نبوی صلے اللہ علیہ وسلم میں جلوہ افگن ہوگئیں اور جو کیفیت جمالی (ربوبیت) حضرت ابراہیم خلیل اللہ پر طاری ہوئی تھی اور جو کیفیت جلالی (ملکیت) حضرت موسیٰ پر وارد ہوئی تھی اسی طرح کیفیتِ الوہیت کا جو پرتوہ حضرت عیسیٰؑ روح اللہ پر ہوا تھا جس سے نصرانی نادانوں نے الوہیت کو اُن کے حق میں ذاتی سمجھکر اُن کو خدا یا خدا کا بیٹا مان لیا تھا جب یہ تینوں کیفیتیں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر بیک وقت وارد ہوگئیں تو ظاہر ہے کہ ادیان ونبواتِ سابقہ کی تکمیل وتتمیم ہوگئی۔ اور دینِ محمدی ہی تمام ادیان وتبوات کا مکمّل بن گیا۔

ختم نبوت کے بعد مجددین ہی اُمت میں پیدا ہوسکتے ہیں

اور مرد وعورت کے ملنے سے جسطرح نسل آدم کا بڑھنا اور پھیلنا صادق آتا ہے اسی طرح ان کیفیات وتجلّیاتِ ثلاثہ کے تداخل وادغام سے جامعیت وتکمیلِ دینِ فطرت اور اختتامِ نبوّت وظہورِ مجددین لازم ہوگیا۔ اور آثارِ نبوّتِ محمدی کا قیامت تک نسلِ بنی آدم کی طرح قایم وباقی رہنا ضروری قرار پاگیا۔

جس طرح راعی ورعایا ملکر حکومت کی صورت اور اُس کا نقشہ پیدا کرتے ہیں اور تا قیامت تختۂ زمین پر کوئی نہ کوئی سلطنت ضرور قائم رہیگی اور دنیا کے ختم پر صرف مالک الملک کی ہی بادشاہت رہجائیگی اسی طرح تجلی ربوبیت کا تعلق جب تجلّی الوہیت سے ہوا تو اس سے تجلّی ملکیت کا ظہور خود بخود ہوگیا

تجلّیاتِ ثلٰثہ کا ظہور نوعِ انسانی میں

جس طرح بچپن سے جب انسان جوانی پکڑتا ہے اور جوانی کے میدان کو طے کرکے درجہ بدرجہ بڑھاپے میں قدم رکھتا ہے تو انسان کعبۂ عقل وقبلۂ حاجات بنتا ہے

اسی طرح رب الناس کی تجلیاتِ ربوبیت جب کسی نوع یا کسی فرد میں مکمّل ہو لیتی ہیں تو ملک الناس کی تجلّیاتِ ملکوتی شروع ہو جاتی ہیں اور جب ان کا ظہور پایۂ تکمیل کو پہونچ لیتا ہے تو تجلّیاتِ الوہیت سے انسان سرفراز ہونے لگتا ہے۔ غرض ایک وقت میں کسی نفس پر قیامت آتی ہے تو کسی نفس پر آغازِ وجود ہوتا ہے کسی پر جوانی کی بادشاہت شروع ہوتی ہے اور کوئی نوشاہ بنتا ہے تو کسی پر فقیری کے آثار وارد ہوتے ہیں اور کوئی توکل و قناعت کا لباس پہنکر تا زیست مہمانِ رب العالمین ہوتا ہے غرض نوعِ انسانی و افرادِ انسانی ہیں ہر سہ تجلّیاتِ ربّانی بیک وقت کارفرما و مصروفِ تدبیر رہتی ہیں اور انسان کی ہر ہر قدم پر اس کے لئے رہنما ہیں تو انصاف سے خدارا تم ہی بتلاؤ کہ ان تجلّیاتِ ربّانی کے افاضہ کے بعد اور نبی آخر الزماں کے نورِ رسالت کی تکمیل کے بعد نبوت کے سلسلہ میں کسی کو مستقلاً یا غیر مستقلاً ظلاً و بروزاً قدم رکھنے کی گنجایش کب ہے؟

الغرض أعوذ باللّٰہ مِنَ الشیطانِ الرجیم۔ وقُل رَّبِّ اعوذ بکَ من ھمزاتِ الشیاطین واعوذ بربّ الناس ملک الناس الٰہ الناس من شر الوسواس الخناس سے انسان کو مطلع کر دیا گیا کہ مظہرِ تاریکی و غفلت شیطان الرجیم و ہمزات الشیاطین خناس لعین سے بچنے کے لئے اُس پروردگار مصدرِ نورِ مطلق رحمٰن و رحیم سے تعوذ کرو۔

**تربیتِ نورِ محمدی کے طفیل میں تربیتِ نوعِ انسانی**

جو تربیت کرنے والا ہے مظہرِ نورِ انسانیت کا اور اُن کے طفیل میں تمام عالمین کا اور محافظ و بادشاہ مطلق ہے مجموعۂ انسانیت و عقل کا اور اُنکے طفیل میں تمام کائنات کا اور معبود ہے خلاصۂ کائنات کا اور اُن کے طفیل میں شجر و حجر اور تمام جانداروں کا بلا شبہ وہی ذاتِ اقدس و یکتا و بے ہمتا ہے:۔

**تجلّی الٰہی جس قوت پر بھی متوجہ ہوتی ہے تو وہ قوت عالم کے لئے رحمت ہوتی ہے**

جسکے نورِ ربوبیت کی روشنی اور جگمگاہٹ اگر انسان کی قوتِ بہیمیہ پڑ جاتی ہے تو انسان شفقت علی الخلق کے مرتبۂ عالی پر فائز ہو کر بے سہاروں کا سہارا اور بے وسیلوں کا ملجأ و ماوا بنجاتا ہے۔ اور اگر اسکی تجلّی شاہانہ مردانِ باصفا کی قوتِ سبعیہ کیطرف متوجہ ہو جاتی ہے تو پھر اعدائے دین کے باطلانہ اقدامات کو خاک و خون میں ملا دینے کے لئے حضرت علی و عمر و خالد و ابو عبیدہ رضی اللہ عنہم جیسے ملکی طاقت رکھنے والے بہادر فدائیانِ اسلام پیدا ہو جاتے ہیں اور دنیا کی کوئی مادّی طاقت بھی ان کے تہور و دبدبہ و شجاعت و جلال

کے آگے دم نہیں مار سکتی اور اگر تجلّیِ الوہیت کسی انسان کی قوتِ ملکیہ کیطرف متوجّہ ہو جاتی ہے تو تمام
عالم اُسکی نظر میں ہیچ ہو جاتا ہے اور آنکھ کی پتلی کے نور کی طرح انسان اس نور کے ماسوا سب کو
تاریک یقین کر لیتا ہے اور کیفیاتِ مجردہ سے حمد رب تسبیح و تقدیس، تحمید و تمجید میں منہمک ہو کر
لقائے ابدی کی سرحد میں پہونچ جاتا ہی اور مراتب قربِ الوہیت میں اس مقام تک پہونچ جاتا ہی
جہاں کہ فرشتوں کی بھی رسائی نہیں ہوتی عسیٰ ان یبعثک ربّک مقاماً محمودا۔

**قربتِ الٰہی بہیمیت کے آثار کو معدوم کر دیتی ہی**

اسی بنا پر ان کیفیاتِ نورانیہ میں نہ اُسے کھانے کی ضرورت رہتی ہے نہ پینے کی،
چنانچہ بزرگانِ دین کے احوال کو اُٹھا کر دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ بعض حضرات کی قوتِ ملکیہ اور
اُن کے تغذیۂ روحانی نے اُنہیں بارہ برس تک کس طرح بہیمیت کے مقتضیات اور کھانے پینے
سے بے نیاز کئے رکھا اور قوتِ ملکیہ اسدرجہ بڑھ گئی اور بہیمیت اسدرجہ گھٹ گئی کہ اُنکو کھانے اور پینے
کی تکلیف و ضرورت ہی باقی نہ رہی اور اگر رہی بھی تو اس طرح کہ وہ توکل و قناعت کی چادر لپیٹ کر
اس عالمِ فانی سے بے خبر ہو جائیں اور ہمیشہ کے لئے مہمان ربّ العٰلمین بنجائیں۔

**اختیاری فقر و فاقہ ترقی ملکیت کا ذریعہ ہی**

یہی وجہ ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار و ارادہ سے فقر و فاقہ کو محبوب
رکھا اور کبھی پیٹ بھر کر کھانا کھا لینے کو پسند نہیں فرمایا کیونکہ شکم پُری مانع ترقی
ملکیت ہے اور یہ تو ہم جیسے کور باطنوں کا بھی تجربہ ہے کہ جب قوتِ ملکیہ کی لذت انسان پا لیتا ہی تو پھر
اُسکی تمامتر توجہ لذائذ دنیویہ سے ہٹ جاتی ہی اور دُنیا کا کوئی کیف و سرور اُسکے دل کو لُبھا لینے پر قادر نہیں
ہوتا جسقدر کہ یہ ملکی لذت و حلاوتِ نور انسان کو محو تماشائے عالم بنائے رہتی ہی اور اسی کا انتہائی مرتبہ
وہ ہی کہ جسکے بعد انسان کی بہیمیت کی تربیت بجائے انسانوں کے خدا خود فرماتا ہی اور جو اسبابِ تربیت
و وسائلِ معاشرت بھی انسان سے وابستہ ہوتے ہیں وہ سب الگ کر لئے جاتے ہیں یعنی اُس کا خدا ہی اُسکو
کھلاتا ہی اور وہی اُسکو پلاتا ہے اور مرض کیحالت پیش آئے تو خدا ہی اس کا معالج ہوتا ہے اور وہی اُسکو
شفا دیتا ہے۔ یطعمنی ویسقینی واذا مرضت فھو یشفین۔

**کیفیاتِ انبیاء اور کیفیاتِ اولیاء کا باہمی فرق**

بس نبی کی اور ولی کی کیفیات میں یہی فرق ہے کہ نبی کی تو تمام شانیں
مکمل ہوتی ہیں اور وہ تجلّیاتِ ربّانی نوعِ انسانی کے مرتبۂ اعلیٰ سے
حاصل کرتے ہیں اسلئے نبی کی انسانیت عام انسانوں اور جملہ اولیاء کی انسانیت سے بہت زیادہ بڑھی

ہوئی ہوتی ہے چنانچہ عام انسانوں کو اگر چار نکاح کی اجازت ہے تو انبیاء بہیمیت اعلیٰ پر کامل قابو پالینے کی وجہ سے زیادہ کے مجاز و مختار ہیں اور ولی کی تمام شانیں مکمل نہیں ہوتیں بلکہ نبی کی مختلف شانوں میں سے کوئی شان کسی میں جھلکتی ہے اور کوئی کسی میں اسی اسلوبِ فطری کی وجہ ہے کہ حضورؐ کے خلفائے اربعہ میں علی الترتیب آپکی چار شانوں کا ظہور ہوا مثلاً کیفیتِ ایمانیہ میں آپ سے جو مشابہت اور قرب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تھا اسمیں اُن کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ اسی بنا پر آپکو تصدیقِ رسالت و اقرارِ معجزات اور اعترافِ مغیبات میں کبھی ادنیٰ سا بھی شک یا تامل نہ ہوا۔ چنانچہ معراج کی تصدیق سب سے اول حضرت صدیق اکبر نے ہی فرمائی جسپر بارگاہِ رسالت سے "صدیق" کا خطاب عطا ہوا اور یہی وہ کیفیتِ ایمانیہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ جوشِ محبت میں بھرے ہوئے تلوار کھینچے ہوئے یہ فرما رہے تھے کہ "حضور کی وفات نہیں ہوئی ہے بلکہ آپ زندہ ہیں اگر کسی نے یہ کہا کہ آپ کی وفات ہوگئی ہے تو میں اُس کا سر تن سے جدا کر دوں گا۔ تو حضرت صدیق اکبر اس سانحۂ عظیمہ کے وقت بھی اپنی اُسی قوتِ ایمان و یقین کی وجہ سے پکار اُٹھے "من یعبد محمداً فان محمداً قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت" یعنی جو محمد کی عبادت کرتا تھا اُسے اطلاع ہو کہ اُن کی وفات ہو چکی ہے لیکن جو اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرتا تھا تو وہ جان لے کہ وہ تمام عالم کو زندگی بخشنے والا ہے اور کبھی نہیں مرنے والا ہے۔ حضرت عمرؓ پر اگر عالمِ غیب کی کیفیات طاری ہوئیں اور اُنھوں نے حضورؐ کا فیضان اسی طرح دیکھا جیسا کہ عالمِ شہادت میں پہلے تھا اسی لئے وہ کہنے لگے کہ حضور کی وفات نہیں ہوئی بلکہ آپکی روح اعلیٰ کا رفیقِ اعلیٰ سے وصال ہوا ہے تو حضرت صدیق اکبر پر عالمِ شہادت کی کیفیات طاری تھیں اور وہ دیکھ رہے تھے کہ اب حضور کا فیض ایسی ہی طرح دنیا میں باقی رہیگا جیسے پھولوں میں سے خوشبو کی مہک پوشیدہ ہو کر ظاہر ہوتی ہے اور آپکی بہیمیتِ مبارکہ قل انما انا بشر مثلکم کے اسلوب پر زمین ہی میں مستور کیجائیگی اس لئے اُنھوں نے یہ خطبہ پڑھا اسی طرح مانعینِ زکوٰۃ سے جہاد کرنیکے متعلق جب حضرت صدیق اکبر نے اکابر و اعیانِ صحابہ سے رائے لی اور اُن کی رائے یہی تھی کہ حضور کی تازہ تازہ وفات ہوئی ہے اسوقت میں خاموشی اختیار رکھنا ہی مناسب ہے، تو حضرت صاحب الغار ثانی اثنین کو چونکہ حضورؐ کی معیت و صحبت مبارک کی وجہ سے ایمان و یقین کا بہت ہی اونچا مرتبہ حاصل تھا اسلئے آپ نے فرمایا کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا

کہ میں امر الٰہی کو قائم کرنے میں ذرا بھی سستی و غفلت کو کام میں لاؤں البتہ اگر تم میں سے کوئی بھی جہاد نہ کریگا تو میں تن تنہا جہاد کرونگا اور ایک تسمہ کے ندینے پر بھی جہاد کرونگا - علیٰ ہذا التصلب فی الدین اور شدتِ علی الکفار اور علی کیفیت میں حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم سے جو قرب و مشابہت حضرت عمر رض کو حاصل تھی اُسمیں اُن کا کوئی سہیم و شریک نہ تھا - اگر الا الذین آمنوا او رحماء بینھم کے مظہر اول حضرت صدیق اکبر تھے تو اشداء علے الکفار اور عملوا الصالحات کے مصداق اول حضرت فاروق اعظم تھے - چنانچہ آپ نے اپنی خداداد فراستِ ایمانی اور اپنی خداداد قوت و شوکت وہیبت سے جسقدر حلقۂ اسلام کو وسیع فرمایا اُس سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ اور آج بھی اہل کفر کے قلوب اس سے مرعوب نظر آتے ہیں - چنانچہ اہل کفر کا یہ ایک عام مقولہ ہے کہ اسلام میں ایک عمر اگر اور پیدا ہو جاتا تو پھر سوائے اسلام کے دُنیا میں کوئی اور مذہب ہی باقی نہ رہتا علےٰ ہذا تواصی بالحق اور حیاء و عفت میں حضرت عثمان ذی النورین کو جو مرتبۂ کرامت اور حضورؐ سے مشابہت حاصل ہوئی اُس کا اندازہ خود حضور علیہ السّلام کی اس حیاء سے ظاہر ہے کہ جو حضرت عثمان کے ساتھ حضور کو تھی -

اسی کیفیتِ نبوت (تواصی بالحق) کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ کے عہدِ مبارک میں مسلمانوں کے دین کی اساس یعنی کلامِ پاک کی جمع و ترتیب کی خدمتِ عظیمہ پایۂ تکمیل و تحفظ کو پہونچی اور آپ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون کی بشارت اور وعدہ کے مصداق ہوکر حافظوں میں داخل ہوئے گویا حفظِ خداوندی کا جو وعدہ انسانوں سے کیا گیا تھا آپ اُس کے مظہر و مصداق بنے آپنے اُن انوارِ الٰہی کو جو عالمِ الفاظ و حروف میں سماء دنیا سے قلوبِ مؤمنین میں وارد و نازل ہوئے تھے سطحِ قرطاس پر لاکر انہیں محفوظ کیا - تاکہ صحفِ سماویہ و کتبِ سابقہ میں جس طرح تحریف و تغیر ہوا ہے - قرآن کریم اس سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے اور بیشک ایسا کرنے سے ہی سابقہ کتبِ سماویہ کے اوپر ایمان لانے کی صورت بھی باقی رہی -

علیٰ ہذا تواصی بالصبر اور استقامت علی الحق و شجاعتِ دینی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو قرب اور مشابہت حضور سے حاصل تھی اس میں اُن کا کوئی شریک و سہیم نہ تھا نیز رسول خدا کے رسولِ خاص ہونے کی جو حیثیت حضرت علی کو حاصل ہوئی اسمیں کوئی بھی اُن کا شریک و ہم پلہ نہ تھا چنانچہ

سورہ برارت کا اعلان کرنے کے لئے آپ کا انتخاب ہمارے دعوے کی دلیل ہے۔ آپکی جوانمردی اور شجاعت کا اندازہ صرف اسی واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ قلعہ قموص کا جب لشکرِ اسلام نے محاصرہ کیا تو وہ کسی طرح فتح نہ ہوتا تھا چنانچہ ایک روز حضرت صدیق اکبر تشریف لیگئے اور بڑی کوشش کی مگر فتح نہ ہوا۔ دوسرے روز حضرت عمر گئے اور بڑی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل ایسے شخص کو عَلَم دیا جاویگا یا ایسا شخص علم لیگا جو خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسول اُس کو "دوست" رکھتے ہیں اُسی کے ہاتھ پر اللہ اس قلعہ کی فتح نصیب کریگا سب صحابہ رات کے وقت میں آپس میں تذکرہ کرتے تھے کہ دیکھئے کل کس کو عَلَم نصیب ہوتا ہے۔ چنانچہ جب صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صحابہ حاضر ہوئے تو آپنے پوچھا "علی کہاں ہیں" صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آنکی آنکھوں میں درد ہے وہ آنیکے قابل نہیں ہیں آپنے فرمایا اُن کو بلاؤ حسب ارشاد حضرت علی تشریف لائے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اُن کی آنکھوں میں لعاب دہن ڈالا اور خدا سے دعا کی تو اُن کی آنکھیں ایسی ہی طرح اچھی ہوگئیں جیسا کہ کچھ تھا ہی نہیں پھر حضور نے فرمایا کہ جاؤ پہلے اسلام کی دعوت دو اور خدا کے حقوق سمجھاؤ اے علی اگر تمھارے ذریعہ سے ایک شخص کی بھی ہدایت ہوگئی تو یہ تمھارے لئے سب سے بڑی نعمت ہوگی چنانچہ آپ قلعہ کے قریب تشریف لے گئے تو ایک یہودی نے قلعہ سے سر نکالکر پوچھا تم کون ہو۔ فرمایا "میں علی بن ابی طالب ہوں" اُسنے کہا قسم ہے تورات کی تم ضرور غالب ہوگے۔ اس قلعہ پر تقریباً بیس روز محاصرہ رہا یہ سب سے زیادہ مستحکم قلعہ تھا اسلئے اسکے بعد فتح ہو سکا۔

مدارج النبوۃ اور روضۃ الاحباب میں ہے کہ حضرت علی کی سپر گر گئی اُسکو یہود لے بھاگے تو حضرت علی نے قلعہ کا دروازہ اُکھاڑ کر اُسکو سپر بنا لیا۔ جنگ کے بعد آپنے اُس دروازہ کو پھینکدیا تو سات قوی آدمی اُسکو پلٹ نہیں سکتے تھے۔ اور چالیس آدمیوں نے ملکر اُٹھانا چاہا لیکن نہ اُٹھا سکے۔

معارج سے نقل کیا گیا ہے کہ اُس کا وزن آٹھ سو من تھا۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ جس دروازہ کو حضرت علیؓ نے تنہا اُٹھا کر پھینکا تھا اُسکو ستر آدمیوں نے ملکر چاہا کہ اُٹھا کر اپنی جگہ پر رکھدیں تو نہیں رکھ سکے۔ بہرحال ان روایات میں اگر کچھ مبالغہ بھی ہو تو اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ حضور کی کیفیت شجاعت کے آپ مظہر تام اور مصداقِ اول تھے۔ اور زادہ بسطۃ فی العلم والجسم کے صحیح نمونہ تھے۔

آپکی استقامت علی الحق کا موازنہ و اندازہ صرف اسی سے ہو سکتا ہے کہ حضرت معاویہ کی فوجوں نے جب قرآن پاک نیزوں پر رکھکر امان طلب کی اور مسلمانوں کو شکست اور دھوکہ دینے کے لئے امان چاہی اور کلام پاک سے ناجائز اور فاسد ارادہ کیا اور آپکی جماعت کے اکثر افراد امان دینے پر مصر ہوگئے اور اس دھوکے میں آگئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے للکار کر فرمایا کہ اے لوگو یہ قرآن صامت ہے اور میں قرآن ناطق ہوں تم میری طرف آؤ مگر ظاہر بینوں نے ایک نہ سنی اور حضرت کے حکم کو نہ مانا لیکن حضرت علی آخر دم تک حق ہی پر قائم و مستقیم رہے۔

غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی وہ چار شانیں ایمان باللہ۔ عمل صالح۔ تواصی بالحق و تواصی بالصبر کی تھیں جنکے مصداق و مظہر خلفائے راشدین تھے۔ پس حضرت علی رضی اللہ کو جو لوگ خلیفۂ اول تسلیم کرانے میں، غلو کرکے شیخین پر تبرّا کرتے ہیں اور سب و شتم صحابہ سے اپنی زبان کو گندہ کرتے ہیں وہ دنیا و آخرت کا ہی نقصان اپنے سر پر لیتے ہیں اسی لئے فرقِ مراتب کی قوت حق تعالیٰ اُن سے سلب کرکے اُنہیں زندیق شمار فرماتے ہیں کیونکہ وہ فطری و الہامی اور قرآنی ترتیب کے غلط ہونے کا عملاً دعویٰ کرتے ہیں۔

یہ تو جدا چیز ہے کہ جماعتِ صحابہ میں سے حضور کی کوئی شان کسی میں بڑھی ہوئی تھی اور کوئی کسی میں لیکن ترتیب خلافتِ راشدہ کو غلط سمجھنا یا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو سب پر فائق کر دینا یہ بیشک عقیدۂ اہلسنت و الجماعت کے سراسر خلاف ہے کیونکہ اگر ایک جزو میں اُن کو دیگر اصحابِ راشدین پر فوقیت حاصل تھی تو اکثر امور میں دوسرے حضرات کو اُن پر کرامت تھی اور ہمنے جو اشارہ ترتیب خلافتِ راشدہ میں کیا ہے اسکے بعد تو اس کی ضرورت ہی نہیں رہتی کہ اس اولیت اور آخریت میں نزاع کیا جاوے کیونکہ اولیت و آخریت بیشک ایک درجہ میں سب کرامت ہے لیکن نوعیتِ فضیلت ہمارے خیال میں سب کی جدا جدا ہے اور جو ترتیب واقع ہوئی وہ من امر اللہ ہی تھی اور بیشک خلفاء اربعہ میں شیخین رضی اللہ عنہما کو بقیہ پر کھلی کرامت و اولیت حاصل تھی جس طرح ایمان و عمل صالح کو فطری طور سے تواصی بالحق اور تواصی بالصبر پر اولیت ہوا کرتی ہے۔

نور مہتاب کی طرح کواکب سیارات کا نور نہیں

الغرض جس طرح آفتاب و مہتاب کا نور تمام ستاروں پر حاوی و جامع ہے تمام ستاروں کا نور ویسا جامع نہیں ہے۔ اور جسقدر بھی کواکب ہیں وہ سب آفتاب

ومہتاب ہی کے خوشہ چین ہیں۔ اسی طرح نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم عالم ارواح کے مہتاب اور آسمان نبوت کے آفتاب ہیں اور اولیاء الرحمٰن عالم ارواح اور آسمان نبوت کے ستارے ہیں۔ جس طرح کواکب و سیارات کی تاثیر جڑی بوٹیوں میں ہوتی ہے اسی طرح تمام اہل اللہ اپنی اپنی استعداد کے موافق قلوب انسانی کو منور کر کے جگمگاتے ہیں۔ پس جیسے آفتاب سے جسقدر کوئی قریب ہوتا ہے اُسی قدر نور آفتاب اُس سے متصل ہوتا ہے اور اخذ نور میں اُسی قدر جودت آجاتی ہے، اسی طرح آفتاب نبوت سے جو جتنا کمًّا و کیفًا قریب ہے، اُسی قدر اُس کا مرتبہ بلند ہے۔ اسی لئے علمائے اہل سنت کا یہ مسلم عقیدہ ہے کہ ایک ادنیٰ صحابی تمام اولیاء و اقطاب اُمت پر اپنی نسبت باطنی و ظاہری کی وجہ سے بدرجہا فائق ہے وجہ اسکی بجز اسکے کیا ہے کہ اُسکی قوت ملکیہ کو براہ راست آفتاب رسالت و مہتاب نبوت سے ہر قسم کے اخذ فیض کا موقع نصیب ہوا ہے۔

**قرن محمدی کی فضیلت** اسی لئے خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم کی شہادت سے جہاں صحابہ رض کی فضیلت نکلتی ہے وہیں اس سے یہ بھی مستخرج و مستنبط ہے کہ عالم اجسام میں ظہور نور محمدی سے قبل جو نبی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جسقدر قریب ہو گا اُسی قدر انبیاء علیہم السلام میں اسکا درجۂ نبوت بڑھا ہوا ہو گا۔ یہی سبب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تمام انبیاء میں ایک کرامت خصوصی حاصل ہے چنانچہ آیۂ تلک الرسل فضلنا بعضھم علےٰ بعض میں تائید روح القدس کا حضرت عیسیٰ کے نام کے ساتھ ذکر کیا جانا اس کا بیّن ثبوت ہے۔

**تشریح مطالب وسواس الخناس** صفات ثلٰثہ الٰہی کی تفصیل و توضیح سے فارغ ہونے کے بعد اب "شر الوسواس الخناس" کی تشریح رہجاتی ہے سو اس کے متعلق بھی جو کچھ اپنے اکابر کا علم ہمارے پاس ہے وہ پیش خدمت ہے۔

جناب من وسوسہ کا تقابل ایمان کے ساتھ ایسا ہی ہے جیسے رات کا مقابلہ دن کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ ایمان انقیاد و تسلیم کو کہتے ہیں تو اسکی ضد کو وسوسہ کہا جاتا ہے۔ پس جس طرح وساوس کا مبداء شیطان ہی ہے اور اس کیفیت کا جو بھی فرع ہے وہ اپنے مبدأ و منشا ہی سے ہے اسی طرح ایمان کا مبدأ و منشا بھی صفات ثلاثہ یعنی ربوبیت و ملکیت و الوہیت ہیں جن سے ایمان کا نشو و استحکام اور وساوس کا قلع قمع وابستہ ہے اور جبکہ صورت حال یہ ہے کہ وسوسہ کا تقابل ایمان کے ساتھ ایسا ہے تو رفع وساوس شیطنت

کے لئے بھی انہی صفاتِ ثلثہ سے بالترتیب تمسک تعوذ کی ضرورت ہوگی جو ایمان کے لئے بمنزلہ مبادی ومناشی گنی جاتی ہیں۔

**عالم ارواح کے لیل ونہار** چنانچہ صفاتِ الٰہیہ ربّ النّاس ملکِ النّاس الٰہ النّاس میں اور صفاتِ شیطانیہ الوسواس الخنّاس الذی یوسوس فی صدور النّاس میں بعینہٖ وہی نسبت ہے جو دن کو رات کے ساتھ ہوا کرتی ہے۔ صفاتِ شیطان انسان کے لئے بمنزلہ شب دیجور کے ہیں تو صفاتِ خداوندی بمنزلہ یومِ منور کے ہیں۔ پھر عجیب مطابقت عالم اجسام و عالم ارواح کے ان ظاہری و معنوی شب و روز میں یہ ہے کہ :-

**عالم اجسام اور عالم ارواح کے لیل ونہار میں مشابہت** جس طرح عالم اجسام کے شب و روز کے تین تین حصے قدرت نے فرمائے ہیں یعنی دن کا پہلا حصہ عروج آفتاب کا ہے جسمیں دنیا کے کاروبار شروع ہوتے ہیں اور دوسرا حصہ زوالِ آفتاب سے عصر تک کا ہے جسمیں عالم کے جملہ کاروبار قرار پکڑتے ہیں اور تیسرا حصہ عصر سے مغرب تک کا ہے جسمیں جملہ کیفیاتِ نہار پایۂ تکمیل کو پہونچتی ہیں۔ علیٰ ہذا عالم اجسام کی رات کے بھی تین ہی حصے قدرت نے فرمائے ہیں یعنی پہلا حصہ وہ ہے جسمیں اندھیری شروع ہوتی ہے دوسرا حصہ وہ ہے جسمیں اندھیری قرار پکڑتی ہے۔ تیسرا حصہ ثلث اللیل کہلاتا ہے جسمیں ظلمت کی جملہ کیفیات سمٹ سمٹ کر پایۂ تکمیل کو پہونچتی ہیں اور ختم ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح انسان کی روح پر عالم ارواح میں بھی جب شب وسواس اپنی ظلمات بعضہا فوق بعض لاتی ہے تو اس کے بھی تین ہی حصے ہوتے ہیں۔ چنانچہ پہلا حصہ معنوی تاریکی اور شب وسواس کا مرتبہ اور صفتِ وسواس ہے جسمیں شیطان اس صفت سے متصف ہو کر قلب انسانی میں داخل ہوتا ہے۔ گویا یہ شیطان کا داخلہ انسان کے نظم ظاہری و باطنی میں فساد ڈالنے کا پیش خیمہ ہے۔ دوسرا مرتبہ صفتِ خناس کا ہے جس میں اس خناس نے چوروں کی طرح قلب انسانی میں گھسکر نقب زنی شروع کی۔ تیسرا مرتبہ اس معنوی تاریکی کی فعلیت کا یوسوس فی صدور النّاس ہے یعنی جس مرتبہ میں اُسنے قلب انسانی کے پردہ بہیمیت کو مضبوط کرتے ہوئے روح وجسم کے کاروبار میں خطرات و وساوس ڈال ڈال کر خلل اور فتور برپا کر دیا۔ علیٰ ہذا شب وسواس کی ان تینوں معنوی وروحانی تاریکیوں سے بندہ کو نجات دلانے کے لئے ارواحِ انسانی پر صفاتِ ثلثہ کا جو آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اُس کے انوار کے بھی تین ہی درجے اور مرتبے ہیں۔ چنانچہ پہلا درجہ نورِ ربّ النّاس ہے

جنے یوسوس فی صدور الناس کی کیفیتِ مظلمہ کو زائل اور پس پا کیا دوسرا مرتبہ نورِ ملک الناس ہی جسنے اپنی قوتِ شاہانہ وتدبرِ حاکمانہ سے خناس کو گرفتار کرکے انسان کو اسکے پنجہ سے چھڑایا۔ تیسرا مرتبہ الٰہ الناس ہے جسکے اوپر کوئی صفتِ نورانی نہیں اُس نے قلبِ انسانی میں جلاء وصیقل کا کام کیا۔ یعنی وسواس کو انسان کے دلپر سے بالکلیہ ہٹا دیا اور اب ان انوارِ ثلاثہ کے ازالۂ ظلمت کی بعینہٖ وہی صورت ہوگئی جو ایک زنگ آلود برتن کے صاف کرنے میں ہوا کرتی ہو کہ پہلے برتن کو بھٹی میں رکھکر آگ میں تپاتے ہیں پھر مانجتے ہیں تیسری بار صیقل اور قلعی سے برتن کو جلاء دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ رب الناس ملک الناس الٰہ الناس من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس کو بغیر واوٗ عاطفہ کے ذکر کیا گیا۔ جس سے اشارہ یہ ہی کہ جس طرح عالمِ شہادت میں اگر کوئی شخص بوقتِ شب یہ تمنا اور آرزو کرے کہ اُسے کل عصر کا نورانی وقت دیکھنا نصیب ہوجائے تو اُس کی واحد صورت یہی ہوگی کہ متمنّی کو منازلِ فجر وظہر اور درمیانی ساعات کا طے کرنا ضروری ہوگا یہ ممکن نہیں کہ اندھیری سے اُجالے میں آتے ہی متمنّی بدون لمحاتِ عروج وزوال کو طے کئے ہوئے وقتِ عصر کو پالے اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ عالمِ ارواح کی شب وسواس سے جو شخص تجلّیاتِ ثلٰثہ کی روشنی میں آنا چاہتا ہے وہ بدون ایمان کے مناشئ ثلاثہ یعنی رب الناس ملک الناس الٰہ الناس کے مراتبِ ثلاثہ طے کئے ہوئے مقصود ومرادِ قلبی پالے جیسے دن اور رات کے تمام حصص بلا فصل ہوتے ہیں اسی طرح ان انواراتِ ثلاثہ وظلماتِ شیطانیہ کے حصص بھی بلا فصل ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ شخص جو رات کی تاریکیوں سے گھبراکر روزِ کامل کی نورانی کیفیت حاصل کرنا چاہتا ہی اُس کے لئے اسکی لازماً ضرورت ہی کہ وہ شب کے ابتدائی وانتہائی مراحل طے کرے۔ ایسے ہی جو بندہ شب وسواس کی تاریکیوں سے تنگ آکر نورِ ایمان کا اُجالا چاہتا ہی اُس کے لئے بھی یہی صورت ہے، کہ وہ اپنی ایمان کی مربی صفاتِ ثلٰثہ سے درجہ بدرجہ تمسک وتعوذ کرکے نورِ ایمان سے اپنی روح کو بینا کرلے۔

**مراتبِ ایمان ویقین** کیونکہ ایمان کا نشوو ارتقا اس عالم میں ابتداءً جو کچھ بھی ہوتا ہی وہ رب الناس کی تربیتِ کاملہ والنعاماتِ نازلہ کو دیکھ دیکھکر ہی ہوتا ہی اور اسی کے بعد انسان پر یہ واضح ہوتا ہے کہ بیشک جو پروردگار ہر قسم کی ضروریاتِ زندگی مہیا فرمانیوالا ہے وہی ہر قسم کے نفع وضرر کا بھی مالک ہے اور اسی کے حکم کے آگے سب سرِ نیاز خم کئے سربسجود ہیں۔ اور اسی کے بعد انسان پر یہ مرتبۂ یقین

وحق الیقین واضح ہوتا ہے کہ بیشک جسکے آگے سب کی گردنیں پست ہیں اور نفع وضرر کی باگ ڈور جسکے ہاتھ ہے ایسی ہی ذات جامع الکمالات معبود ومسجود خلائق ہوسکتی ہے۔ اور بلاشبہ ایسی ہی ذات جامع الاوصاف کی حکومتِ کاملہ، محبتِ مطلقہ، پر مبنی ہوسکتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ نتیجۂ یقین انسان کو جب ہی حاصل ہوا جب اُسنے صفاتِ ثلاثہ کے انوار وحقائق کو سر کیا اگر صفتِ ربوبیت وملکیت سے تمسک نکرتا تو ہرگز مرتبۂ الوہیت کو نہ پہچان سکتا۔ غرض جیسے اس عالم میں رات کے بعد دن آتا ہے اور دن کے بعد رات آتی ہے اور ہمیشہ اسی چکّر میں زمانہ وزمانیات پھنسے رہتے ہیں یہی صورت عالم باطن کے لیل ونہار کی بھی ہے یعنی کبھی انبساطِ نور سے دل پر روزِ معنوی طلوع ہوتا ہے تو کبھی تکدّر وغفلت، انقباض وقساوت کی کالی گھٹائیں دلپر مسلط ہوتی ہیں۔ دلپر کبھی عُسر ہوتا ہے تو کبھی یُسر۔ کبھی غم آتا ہے تو کبھی مسرّت کما قال تعالیٰ۔ ان مع العسر یسرًا۔

**انبیاء علیہم السّلام کی نورانیت پر شب وسواس نہیں آتی**

ہاں مگر حضرات انبیاء علیہم السّلام کی مثال بعد حصولِ نورِ نبوّت اس بارہ میں اُن ممالک کی سی ہے جنہیں دن ہی دن رہتا ہے اور رات آتی ہی نہیں۔ یا آتی ہے تو برائے نام ہی آتی ہے اور اس بارہ میں اُن کی اور ہماری حالت بعینہ ایسی ہی ہوتی ہے جیسے ہم اور آپ شب کے وقت اپنے مکانوں میں بجلی کے سو سو کنڈل پاور کے قمقمے روشن کرکے رات کو دن بنا لیا کرتے ہیں۔ بہرحال جبکہ عالم ارواح کے لیل ونہار کی بعینہٖ وہی صورت ہے جو عالم فانی کے لیل ونہار کی ہے۔ فرق ہے تو یہ ہے کہ یہاں چوبیس گھنٹہ میں رات دن کا چکّر پورا ہوجاتا ہے اور وہاں عمر بھر میں۔

**نماز اور اُس کے اوقات اور ہر ایک کی حکمت**

تو یہیں سے حضرتِ صلے اللہ علیہ وسلم کے فریضۂ نماز اور اُسکی حکمت پر غور فرمائیے۔ نیز اُن کے سرّی وجہری ہونے کے بِتر پر بھی غور وتدبّر کیجئے سوجوں ہی دریائے فکر میں مستغرق ہوجئے تو واضح ہوتا ہے کہ رات اور دن کے چونکہ تین تین حصّے ہیں اور کل قطعاتِ لیل ونہار چھ حصّوں پر مشتمل ہیں اور ہم یہ بھی بیان کرچکے ہیں کہ شب وسواس کو نورِ ایمان کے ساتھ وہی نسبت ہے جو رات کو دن کے ساتھ ہوا کرتی ہے۔ اسلئے دن اور رات کے ہر ایک حصّہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بوجہ حضورؐ کے اکمل الخلق اور افضل البشر ہونے کے اور آپؐ کی اُمت پر بوجہ سید الامم ہونے کے ایک ایک نماز فرض وواجب کیگئی یعنی تین نمازیں تو دن میں

اس طور پر مقرر کی گئیں جو دُنیا کے کاروبار میں انسان کو خدا سے الگ نہ ہونے دیں اور تین نمازیں شب کے ہر ایک حصّہ میں ایسی مقرر فرمائی گئیں جو ازدیادِ نور کا باعث ہوں اور دافع وساوسِ شیطانیہ ہوں تاکہ شب کی کیفیاتِ تفرع دن میں کام آویں تو دن کی کیفیات انابتِ شب کے لئے معین ہوں۔ اور اس طرح دسرات شجرِ ایمان کو آبیاریٔ نور سے جلد ہی دُنیا میں ثمراتِ ایمانیہ برآمد ہو جائیں۔

**مغرب کی رکعاتِ ثلاثہ اور اُنکا بیرسّ**

چنانچہ شب کا پہلا حصّہ مغرب کا وقت ہے جبکہ آفتاب عالمتاب ہماری نظروں سے اوجھل ہو جائے تو اس حصّہ میں مغرب کی نماز قائم کی گئی جو شب کی تمام نمازوں میں اول ہے اور اُسکی رکعاتِ ثلاثہ کے نور نے ایسی ہی طرح بندۂ مؤمن کے قلب پر طلوع کیا ہے جیسے آسمانِ دُنیا پر شب کو مثلث شکل کا ستارہ طلوع ہوتا ہے اور اُسکو دیکھکر اُس کی مخلوق خدا کی حمد و ثنا کرتی ہے اور اُسکی رکعاتِ ثلاثہ شب کے تینوں حصّوں کو شیطان کی زد سے بچانے کے لئے ایسی ہی طرح احاطہ کر رہی ہیں جیسے قلبِ مؤمن کو تینوں سمتوں سے تجلّیاتِ صفاتِ ثلثہ نے گھیر لیا ہے یا اس مثلث ستارہ نے جیسے اپنی نورانیت اور ایک دوسرے کے جذب و انجذاب سے آسمان کا احاطہ کر رکھا ہے۔ مغرب کی نماز اگر ایک طرف شیطان کے مرتبۂ فعلیت یوسوس فی صدور الناس کے لئے دافع و مزیل ہے تو اپنی رکعاتِ ثلاثہ سے دوسری طرف رب الناس کے کمالِ ربوبیت اور ملک الناس کے کمالِ ملکیت اور الٰہ الناس کے کمالِ الوہیت پر بھی درجہ بدرجہ شاہد ہے۔

**نمازِ عشا اور نمازِ وتر اور رکعاتِ سبعہ کی حکمت و مشابہت**

علیٰ ہذا عشاء کی نماز اور اُسکی رکعاتِ اربعہ شب کے دوسرے حصّہ کے لئے برائے ازالۂ شرورِ اربعہ خناس لعین و گرفتاری شیطان عدوٌ مبین اور پرتوہ صفتِ ملک الناس ہے۔

**صلوٰۃ الوتر اور صلوٰۃ اللیل**

تو صلوٰۃ الوتر عوام الناس کے لئے اُن کی سہولت کی خاطر ثلث اللیل کے حصّہ کی قائم مقام ہے اور صلوٰۃ تہجد جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آخر لیل میں فرض کی گئی ہے دافع وسواس و قاطع ماہیت شیطان اور پرتوہ صفتِ الٰہ الناس ہے اور صلوٰۃ وتر اور صلوٰۃ عشاء کی رکعاتِ سبعہ ایسی ہی طرح قلبِ انسانی کی اصلاح و تدبیر کرتی ہیں جیسا کہ سبع سیارات

اپنے محور و مرکز پر چکر لگا کر اور گھوم کر اپنے خالق کے مقدرہ نظامِ قدرت میں تاثیر کر کے اہلِ بصیرت کو اپنا فریفتہ و شیدا بناتے ہیں اور ان رکعاتِ سبعہ کے یہ انوارِ سبعہ بعینہٖ انسان ایسی ہی طرح اپنے قلب میں پیدا کر کے اپنی روح و جسم میں تدبیر و تاثیر لطیف پیدا کرتا ہے جیسے یہ مدبّراتِ سبعہ حسبِ تحقیق عرفا اشیاء عالم میں تاثیرات باذن اللہ پیدا کیا کرتے ہیں۔

غرض شب کی یہ تینوں نمازیں تو شب کے بحفاظت تمام گذرنے اور بندہ کو اپنے رب سے قریب تر بنانے کے لئے تھیں چنانچہ ان اوقاتِ سکون میں جو نماز بھی بندۂ عاجز نے ادا کی اُن میں مناجاتِ رب کا رنگ غالب تھا۔

**فجر کی نماز وقتِ جمال ہیں** اب دن کے تینوں حصّوں کی نمازوں کو لیجئے تو اس میں سب سے پہلی نماز فجر کی نماز ہے اور یہ گویا اس وقت اسفار و غلس اور زمانۂ خاص میں ہے جسکو نہ پورا دن کہہ سکتے ہیں نہ پوری رات کہہ سکتے ہیں۔ نہ اسکی چٹکتی ہوئی چاندنی چاند کی شرمندۂ احسان ہو نہ اس کے نور میں نورِ آفتاب کی صورت ہویدا ہے۔ بلکہ جنّت کے اوقات کی یہ ایک تھوڑی سی جھلک ہے جس پر غنچۂ دل کی کلیاں کھِل جاتی ہیں۔

غرض اس سُہانے اور جنّت کے مشابہ وقت میں سب سے پہلی نماز فجر کی نماز ہے جو سوتوں کو بیدار کر رہی ہے۔ اور اہلِ بصیرت کے لئے اپنے سُہانے وقت سے بادشاہِ عالمِ امکان یعنی سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی تجلی ریز ساعاتِ مبارکہ کا نقشہ قیامِ دُنیا ہی کے وقت سے برابر دُنیا میں پیش کر رہی ہے اور یہ نماز اپنی دونوں رکعتوں سے رات اور دن کو ملانے کے لئے آفتاب و مہتاب کی طرح اس پر شاہد ہے کہ بندہ نے اظہارِ ضروریاتِ نہار و تشکرِ انوارِ شب میں دل بھر کر جی کھولکر جو کچھ بھی رب الناس و رب الجمیل سے عرض معروض، کہنا سُننا تھا سب ہی اِس وقتِ جمال میں اُسنے مفصل کہہ سُن لیا ہے کیونکہ اسکے بعد اُسے زوالِ آفتاب تک دُنیا کی ہر قسم کی محنت و مشقت میں لگنا ہے اور جسطرح رہبان باللیل بنکر شب کو بندگانِ خاص نے عالمِ ارواح میں اپنا نمایاں اثر قائم کیا ہے اسی طرح فرسان بالنہار بنکر اب اُنہیں عالمِ اجسام میں بھی فضلِ ربّی تلاش کرنے میں محنت و کاوش کرنا ہے اور عالمِ اجسام میں باعزّت و غیرت زندگی بسر کرنے کے لئے اپنے پیروں پر کھڑے ہونیکی استعداد رب الناس کی مدد و رحمت سے پیدا کرنی چاہیے۔ اور اپنے غریب و معذور بھائیوں کیلئے

ابر رحمت بنتا ہے اور جو کیفیت امانت و انابت، تقوٰی و طہارت کی قلب میں شب بھر پیدا کی تھی اب اُسکے ظہور و آزمائش کا وقت آیا ہے لہذا شیطان تو اس تگ و دو میں ہے کہ جو رات بھر کا سرمایۂ نور بندۂ مخلص نے حاصل کیا ہے دُنیا کے چکروں میں پھانسکر اُس کو کورا کر دیا جائے اور جو گنۂ عبادت و ریاضت کا اسکی پیشانی پر پڑ گیا ہے معاملات کی دلفریب پیچیدگیوں اور دل آرائیوں میں لاکر اسے خدا سے غافل بناتے ہوئے نقش بے معنی کر دیا جائے اور بندۂ مخلص کمربستہ ہو کر دُنیا کے جال سے صحیح و سالم نکلنے کے لئے چلا ہے رات بھر بندۂ خالص نے عقائد و افکار میں شیطان سے جنگ کی ہے تو اب دن میں دائرۂ اعمال و معاملات سے صحیح و سالم نکلنے کے لئے بندۂ مخلص کو ہر ساعت میں اس سے جہاد کرنا ہے۔

**تنبیہ** ۔ جیسے انسان پر تین حالتیں بمقتضائے فطرت آتی ہیں۔ ایک وقت عروج وارتقاء کا آتا ہے جسمیں وہ بڑھتا اور نشو و نمو حاصل کرتا ہے۔ دوسرا وقت شباب ہے جسمیں اُسپر بہار آتی ہے۔ تیسرا وقت کمال ہے جبکہ اُس کی عمر و عقل پایۂ تکمیل کو پہونچتی ہے۔ اسی طرح دن پر بھی ایک وقت تو عروج کا آتا ہے جسمیں وہ بڑھتا ہے اور دوسرا وقت شباب کا ہے جسمیں آفتاب عالمتاب خطِ استوا پر پہونچتا ہے اور عالم جگمگا اُٹھتا ہے یعنی کوئی روح نظر بھر کر بھی اُسے نہیں دیکھ سکتی۔ تیسرا وقت کمال ہے جسمیں جملہ کیفیاتِ نہار پایۂ تکمیل کو پہونچتی ہیں سو فجر سے زوال تک کا وقتِ جمال تو ربّ الناس کی تربیت ہائے بے پایان کا سمجھئے اور ظہر کا وقت ملک الناس کے جلال کا وقت سمجھئے اور وقتِ عصر وقتِ کمال ہے جو الٰہ الناس کے لئے صرف ہونیکا سزاوار ہے یہی وجہ ہے کہ جب دن میں کمال و عروج بڑھجاتا ہے اُسی کے بعد نمازیں ادا کیجاتی ہیں اسی لئے فجر سے لیکر ظہر تک درمیان میں کوئی نماز نہیں۔ اور ظہر کے بعد سے جو سلسلہ شروع ہوا تو اتنے ہی وقت میں اوسطاً تین نمازوں کا ہو جاتا ہے۔

**ظہر کی نماز وقتِ جلال ہے** بہرحال فجر کی نماز کے بعد سے دُنیا کے کاروبار علی العموم چونکہ شروع ہو جاتے ہیں جس میں کسی کو نفع ہوتا ہے اور کسی کو نقصان کسی پر کوئی ظلم کرتا ہے تو کوئی کسی کے ظلم کا شکار ہوتا ہے۔ اسلئے اوّلاً ظہر کی نماز قائم کی گئی۔ تاکہ ملک الناس کی عدالتِ جلال میں جسکا جی چاہے مرافعہ کرے۔ اور جسنے جسکا حق غصب کیا ہے یا جسنے کسی کو بلا وجہ ستایا ہے تو وہ اُس کے برخلاف

ملک الناس کی عدالت میں دعویٰ دائر کرے اور ایک ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کو اس کا حق ہے کہ جی چاہے تو وہ بڑے سے بڑے بادشاہ کے مقابلہ میں مرافعہ کر دے کیونکہ دربارِ خداوندی میں امیر وغریب بادشاہ وفقیر ایک ہی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں ہاں مگر یہ وقت چونکہ جلالِ خداوندی کا وقت ہے اسلئے اس وقتِ جلال میں جو بھی عرض معروض ہو چپکے چپکے ہو اور جو حمد وثنا بھی کیجائے دبی زبان سے کیجائے نہ مقتدی ہی زور سے کچھ حمد وثنا کریں نہ امام ہی۔ بجز اُسکی کبریائی وبڑائی کے اظہار کے کوئی حرف زبان سے باآواز بلند نکالے۔ بلکہ ہر شخص ملک الناس کی ہیبت وجلال کے آگے دم بخود نظر آئے اور ہر ایک کے پیشِ نظر ہر ایک رکعت میں ملائکۂ اربعہ جبرئیل واسرافیل، میکائیل وعزرائیل کا ادب ہو کہ جلالِ خداوندی سے کس طرح یہ چاروں فرشتے خاشع ومتضرع ساکت وصامت ہیں اور بندۂ مخلص کو تقربِ خداوندی حاصل کرنے کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ ہر ایک رکعت میں اُن کے نقشِ قدم پر چلکر ہر ایک مقرب کے خشوع وخضوع کا رنگ پیدا کرے۔

**عصر کی نماز کا وقتِ کمال**

اب وقتِ عصر کو لیجئے جس میں جملہ کیفیاتِ نہار سمٹ کر پایۂ تکمیل کو پہونچتی ہیں اور لمحاتِ نہار میں تلخیص و جامعیت پیدا ہو کر کمال حاصل ہونے لگتا ہی سو یہ وقتِ کمال بیشک اسکو مقتضی ہی کہ انسان اُسی ذات جامع الکمالات الٰہ الناس کے کمالات کا اعتراف کرے جسکی کرشمہ سازیاں اور یدِ قدرت کی نیرنگیاں انسان کو ہر روز نیا سبق دیتی رہتی ہیں اسی لئے اس وقتِ کمال میں عصر کی نماز فرض کی گئی۔ جس میں انسان ہاتھ باندھکر اللہ کے کمالات کا اعتراف کرتا ہے اور اپنے عجز کو خاموشی سے ظاہر کرتا ہی سو جونہی بندۂ معترف کمالاتِ خداوندی کا اعتراف شروع کرتا ہے تو اُسپر وہ محویت وبیخودی کا عالم طاری ہوتا ہی کہ اُسوقت میں شیطانی وسوسوں کا آنا تو کجا اور کہنا سننا تو کس کا بندۂ عاجز کو اپنی ہی خبر نہیں رہتی بلکہ اُسکے پیشِ نظر یہ ہوتا ہی کہ اللہ اکبر وہ آفتاب عالمتاب جو صبح کو مشرق سے طلوع ہو کر اپنی باریک باریک اور لمبی لمبی کرنوں سے بڑھ بڑھکر خطِ استوا پر پہونچا تھا اور معاً ہی قدرت کے کمالِ نورانیت سے شرما کر ڈھلنا شروع ہو گیا تھا اور اس کے بعد اپنی تاثیرات کو مکمل کرنے کے لئے گھٹ گھٹ کر زوال پذیر ہونا شروع ہو گیا تھا اُسے آج جسقدر بھی تاثیرات عالم میں باذن اللہ کرنا تھیں وہ اُسنے مکمل کر دیں

اب اسکے رخصت ہونے کا وقت قریب ہے دو چار گھڑی کا مہمان ہے دیکھیے کل اُسکو دوبارہ اس کرۂ ارضی کو روشن کرنے کا حکم بھی بارگاہِ احدیت سے ملتا ہے کہ نہیں۔ اسی طرح مصلّیِ عصر کے پیشِ نظر یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ آفتابِ نورِ محمّدی جو حضرت آدم کی پیشانی سے منتقل ہوتا ہوا اپنے مرکزِ اصلی پر آکر کامل ہوا تھا اور حضرت آدم علیہ السّلام کی پیشانی میں آنے کے وقت اگر یہ **نورِ محمّدی** مسجودِ ملائک ہوا تو عالمِ اجسام میں تجلّی ریز ہونیکے وقتِ مبارک میں مقصودِ عالمین بنا۔ اور جسکی تکمیل بھی آفتابِ ظاہری کے اسلوب پر ہوئی ہے۔ اس کا زمانۂ کمال بھی اسی قدر ہے جیسے عصر سے مغرب تک کا وقت ہوتا ہے اور حضور کے خلفائے اربعہ بھی تکمیلِ دینِ محمّدی و اعلانِ حجۃ الوداع کے بعد سے اسی لئے متفکر و اشکبار تھے کہ دیکھیے اب آفتابِ رسالت کب غروب ہوتا ہے اور قیامت کتنی سرعت سے عالم پر آتی ہے۔ لہذا یہ وقت کمال جو آفتابِ ظاہری و معنوی کے کمال و غروب پر شاہد ہے اور قیامت کا لانیوالا ہے اپنی کیفیاتِ کمال کے لحاظ سے بیشک اسیکو مقتضی ہے کہ اس وقت کی عبادت الٰہ الناس کے لئے ہونی چاہیئے جو حیّ لایموت ازل سے ابد تک ایک حال پر قائم ہے نہ فنا کا اُس میں دخل ہے نہ زوال کے گذر کی اُسمیں کوئی صورت ہے بس اسوقتِ کمال میں جو اُمّت کے لئے نماز رکھی گئی وہ بھی اسی کی مقتضی ہے کہ جس طرح حضرات خلفائے اربعہ آفتابِ رسالت کے غروب ہونے کے قریبی لمحات میں ساکت و صامت فکرِ فردا میں مستغرق تھے اور جس طرح آفتابِ ظاہری کے غروب ہوتے پر اہلِ بصیرت متفکر ہوتے ہیں کہ دیکھیے کل پھر یہ نعمت ہمیں میسّر بھی آئیگی کہ نہیں معترفِ کمالِ مصلّیِ عصر خلفائے اربعہ کے نقشِ قدم پر ساکت و صامت الٰہ الناس کے اعترافِ کمال میں مستغرق رہے اور ایک حرف بھی زبان سے نہ نکالے۔ بلکہ اپنے کو قدرت کی کرشمہ سازیوں کے لئے محوِ حیرت بنا دے۔

**صلوٰۃ اللیل اور صلوٰۃ العصر میں باہمی مناسبت**

غالباً یہی سبب ہے کہ جس طرح شب کی تمام نمازوں میں اعلیٰ و اشرف صلوٰۃ اللیل ہے اور جو مخصوص توحید کا رنگ لئے ہوئے ہے اسی طرح اور دن کی تمام نمازوں میں صلوٰۃ العصر اعلیٰ و افضل ہے اسی بنا پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عصر کے متعلق فرمایا کہ جس شخص نے عصر کی نماز فوت کر دی اُسکی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی کا گھر بار

لُٹ جائے اور دیوالیہ ہو جائے۔ کیونکہ وقتِ عصر درحقیقت تمام دن کا مغز و خلاصہ اور نچوڑ ہی جسنے اس وقتِ کمال میں بھی اپنی روح کو اوجِ کمال پر نہ پہونچایا اور یہ وقتِ عزیز بھی، شیطان ہی کی نذر کر دیا تو اُسنے درحقیقت تمام دن کے اوقات گویا برباد کر دیئے اور جو کچھ بھی کمایا تھا سب ہی ضائع کر دیا اسی لئے فرمایا گیا۔ حافظوا علی الصلوٰت والصلوٰۃ الوسطیٰ۔ نمازِ وسطیٰ کا تعلق دن اور رات دونوں کی نمازوں سے بعینہٖ ایسا ہی ہے جیسا کہ پانچ اُنگلیوں میں سے بیچ کی اُنگلی کا تعلق اپنی دونوں طرف کی اُنگلیوں سے ہوتا ہے بس جسطرح انسان کی پانچ اُنگلیوں میں سے وسط کی اُنگلی جب ہی ممتاز حالت میں ٹھیک وسط میں دیکھی جا سکتی ہے جبکہ اُس کے داہنے اور بائیں چار اُنگلیاں اور اس سے کمتر دیکھی جائیں اسی طرح صلوٰۃ العصر کو بقیہ چار نمازوں کے اوپر قیاس کیجئے اسی بنا پر اس نماز کا تعلق دن کی ساعتوں سے بھی ہوتا ہے اور شب کی ساعتوں سے بھی۔ اور اسی لئے اسکو صلوٰۃ وسطیٰ فرمایا گیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ شب کے تین حصّے تھے تین ہی نمازیں اسمیں فرض و واجب قرار دی گئیں اور دن کے بھی تین حصّے تھے تین ہی نمازیں اسمیں نصب کی گئیں۔ پھر تین نمازیں تو بالخاصۃ مزیل و دافعِ شیطنت ہیں اور تین نمازیں بالخاصہ نورِ ایمان کے بڑھانے اور انوارِ ثلثہ کے پیدا کرنے میں طاق ہیں۔

**جرعۂ آبِ کوثر اور اُسکا اثر متواتر**

الغرض جبکہ چوبیس گھنٹہ میں اوسطاً ہر چار گھنٹہ میں عبادات مفروض سے دُنیا کے ہر قسم کے منکرات سے بچنے کے لئے اور رضائے مولیٰ حاصل کرنے کے لئے جنّت کا یہ جرعۂ آبِ کوثر ہر روز بندہ کو اس کے مالک کی طرف سے پلایا جانا تجویز ہوا ہے۔ پھر مئے بھی ہے پیمانہ بھی ہے صرف اس غمکدہ میں اس مئے نشاط کے پینے ہی کی دیر ہے تو تمھیں انصاف سے بتلاؤ کہ دُنیا کی وہ کونسی زبردست سے زبردست مادی طاقت ہے جو خدا کے اس سچّے پرستار اور قوتِ بہیمیہ کی تندرستی حاصل کرنیوالے انسان سے آنکھ بھی ملا سکے یا ابلیسوں کی کثرت سے خدا کی زمین اور اُس کے اقتدار نا اہلوں کے ہاتھ میں جا بھی سکیں۔ ہاں

ہم ہی اگر نچا ہیں تو باتیں ہزار ہیں۔

**صحتِ روحانی کا مرتبۂ اعلیٰ**

یہی صحتِ روحانی اور قوتِ ملکی کی ہیئتِ اصلی کا وہ اعلیٰ مرتبہ ہے جسپر ہمارے حضورؐ

آقائے نامدار فائز ہوئے اور اپنی اسی کیفیت کو حضور نے اِن لفظوں سے ظاہر فرمایا اِن عینی تنامان ولا ینام قلبی - یعنی میری آنکھیں (گو شب کی تاریکیوں میں) ہو جاتی ہیں (اور میں گو شب کو اس ظاہری ظلمت کو زیادہ دیکھنا پسند نہیں کرتا) مگر میرا دل اس حالت میں بھی ذاکر رہتا ہے جیسا کہ دن میں آپ اور ہم بیدار رہا کرتے ہیں اور حق تعالیٰ نے اُن کے دُشمنوں کی یہ شان فرمائی اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ یعنی تیرا دشمن ہی منقطع الخیر و مفقود الذکر ہے -

جسکا حاصل یہ ہے کہ آپ کا تیقظ باطنی و ظاہری حواس خمسہ پر موقوف نہیں ہے - اور مقصد یہ ہے کہ عالم ارواح میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر شب وسواس اپنی تاریکیاں نہیں لا سکتی - بلکہ تجلی حق کا لگا تار سلسلہ کچھ قلب مبارک کے ساتھ اس طرح قائم ہے کہ انقطاع پل بھر کو بھی نہیں ہے - پھر اوسطاً ہر چار گھنٹہ میں آب کوثر کا ایک جرعہ پی لیا جاتا ہے یعنی نمازیں دنرات کے ہر حصہ میں ادا کی جاتی ہیں جو نور باطنی ہیں دنرات اضافہ کرتی رہتی ہیں - ادھر فریضہ قربانی سے اجسام انسانی میں بھی اعتدال پیدا کر لیا گیا ہے اور حیوانوں کا بھی تزکیہ عمل میں لایا گیا ہے تو تاریکی آئے تو کدھر سے آئے - اور تجلی گاہ عالم باطن میں ماسوی اللہ کا گزر ہو تو کیونکر ہو -

الغرض اوّل تو مومن قانت کے لئے دنرات کے ہر حصہ میں نمازیں ایسی ہی طرح قائم کر دی گئیں ہیں جیسے آسمان میں ستارے نصب ہیں -

**مدد خداوندی کس طرح سے انسان پر آتی ہے**

لیکن اگر بمقتضائے بشریت وغفلت شب وسواس کی تاریکیوں میں انسان گھر جائے تو مدد خداوندی اس شیطنت کے جال میں پھنس جانے والے کو ایسی ہی طرح بچانے کے لئے لپکتی ہے جیسے مُرغی اپنے بچوں کی حفاظت کے لئے دوڑا کرتی ہے اور مدد خداوندی بلسان عصر کہتی ہے کہ اے بندے ایک مرتبہ دل سے اور زبان سے کہہ لے کہ میں پناہ میں آیا اپنے پروردگار کی جو پالنے والا ہے تمام انسانوں کا اور تدریجاً بڑھانے والا ہے نورِ عقل کا اور پناہ لیتا ہوں احکم الحاکمین ملک الناس مالکِ یوم الدین کی جو بچانے والا ہے خناس سے یعنی ظاہری و باطنی مضرتوں سے اور خبطِ شباب پر ہو بچانے والا ہے نور باطنی کا اور میں پناہ میں آیا معبود و مسجودِ انسان الٰہ الناس کی جو متمم ہے اسکے انوارِ ظاہری و باطنی کا اور مانجھنے والا ہے ہمارے دلوں کا پس جو لوگ اس اعتقاد قلبی کے ساتھ اقرار بالتقصیر کر لیتے ہیں وہ نورِ تعوذ کی پناہ میں لے لئے جاتے ہیں -

اور دولتِ ایمان اون کی مکمل کر دی جاتی ہے اور جو لوگ اسطرف توجہ نہیں کرتے وہ ہمیشہ شیطنت کے دامِ تزویر میں اُلجھے رہتے ہیں۔ اور اُن کو سعادت سے کوئی حصّہ نہیں ملتا۔

قوتِ ملکی کا ملجا، خداوندِ عالم ہے

غرض اور خلاصۂ کلامِ ماسبق یہ ہے کہ قوتِ ملکی کا ملجاءِ اصلی خدا کی عبادت اور اُس کا اتقیا رہے۔ اور انسان کو قدرت واختیار دیکر چونکہ اس دار العمل میں آزمایا گیا ہی اور بھلی اور بُری راہیں اُسپر منکشف کرتے ہوئے آلۂ عقل مرحمت فرماکر قربِ حق وناراضیٔ حق کے منافع ومضار دونوں اسکو سمجھا دئے گئے ہیں مگر اسی کے ساتھ اسکے ہر ایک کام کو اسباب کی زنجیروں میں بھی جکڑ دیا گیا ہے لہذا شیطان کی ہمیشہ یہ سعی ہوتی ہے کہ انسان اپنے جملہ اختیارات اور قوتوں کو غلط استعمال کرکے خداوندِ پاک کی نظرِ رحمت سے محروم اور اُسی جیسا مرجوم ورجیم بنجائے۔

اسی لئے شیطان اول تو انسان کو بُرے راستہ پر لگاتا ہی لیکن جسکی عقل کو تیز دیکھتا ہی اور سمجھتا ہی کہ اس سے آسانی سے معاملہ نہیں ہو سکتا تو کچھ عرصہ کے لئے اُسی کے ساتھ ہو لیتا ہی اور اُسی کی ہاں میں ہاں ملاکر اُسے پرچاتا ہی اور جب دیکھتا ہی کہ بُرے راستہ پر آدمی کا لگانا مشکل ہو گیا ہے :-

عملِ خیر میں سے روحِ خیر شیطان سلب کیا کرتا ہی

تو پھر نیکی کی راہ پر لگاکر صورتِ عمل کو تو نیک رکھتا ہی مگر بدی کیطرف اس طرح لے آتا ہے کہ روحِ عمل میں فساد ڈال دیتا ہی اور طرح طرح کے خیالات ووساوس ڈال ڈال کر انسان کے اس ایمان ویقین کو جسکی وجہ سے وہ اپنے معبود ورسول کی مرضیات کو سُنتا اور سمجھتا تھا خراب کر دیتا ہے۔ اور خراب کرکے خود علیحدہ ہو جاتا ہی۔ اور بدمعاشی کا یہ انتہائی مرتبہ اور بہت ہی خطرناک وار ہے کہ نقصان تو پہونچ جائے اور جب آگ لگ جائے تو خود کھسک جائے مثلاً ایک شخص خیرات کرتا ہے یا نماز پڑھتا ہی پہلے تو شیطان کی یہ سعی ہوتی ہی کہ اُسکو نیک عمل ہی سے روکے لیکن اگر دیکھتا ہے کہ اس میں کامیابی نہیں ہوگی تو پھر دوسرا حربہ اُس کا یہ ہوتا ہی کہ سخی کے آگے کسی انسانی قالب میں آکر اُس کے اس عمل کی بہت زور شور سے تعریف کرتا ہی کہ آپ ایسے ہیں اور آپ ویسے ہیں۔ اور آپ کا اپنے ابنائے ابنائے جنس پر اتنا بڑا احسان ہی کہ کوئی اس سے سرتابی کر ہی نہیں سکتا ایک نمازی کو کہتا ہی کہ تو خوب نماز پڑھ تاکہ لوگ تجھے بڑا پکا نمازی اور پرہیزگار کہیں اور تیرے ہاتھوں پر بیعت کریں اور دنیا میں تیری سربلندی اور نیکنامی ہو اور تو مسندِ اقتدار پر پہنچے اور خوب شہرت وعزت اپنے ابنائے جنس میں ہو بس جہاں اسکی چکنی چپڑی باتوں پر انسان نے کان لگایا

اور دل میں ان خیالات کو جگہ ملی اور نفس پھولا تو ان سب اعمال حسنہ کی روح نکل جاتی ہے اور محض صورت ہی صورت رہجاتی ہے ۔

**شیطان کی تجربہ کاری اور اُسکا عالم متبحر ہونا**

چونکہ شیطان ہزاروں برسوں کا تجربہ کار بڈھا خرّانٹ ہے اور تمام شرورِ کائنات کا زبردست عالم ہے اسلئے کمبخت صوفیوں کو صوفیوں کے رنگ میں اور مولویوں کو مولویوں کے رنگ میں اور جاہلوں کو اُن کے طرز میں ایسا چکمہ دیتا ہے کہ باوجودیکہ ہر شخص یہ جانتا ہے کہ بُرے عمل کا نتیجہ بُرا ہوتا ہے اور بھلے عمل کا نتیجہ بھلا ہوتا ہے اور شیطان بُری باتوں کیطرف لیجاتا ہے مگر پھر اس کے بہکائے میں انسان آجاتا ہے بڑے بڑے عقلاء کو اپنے دامِ تزویر اور مکّاری و فریب کے چکّر میں پھانس کر عقلوں کو ماؤف کر دیتا ہے اور بھلے بُرے کی تمیز کی قوت نہیں چھوڑتا چنانچہ آج جو تفرقے مسلمانوں میں پیدا ہیں کفر و شرک بدعت و ہوا کے جو مراکز جگہ جگہ قومی و مرکزی کارخانوں کی صورت میں عیسائیوں، آریوں، قادیانیوں، اور خود غرض بغیر مزکّی نفوس اسلامی نے قائم کر رکھے ہیں اور جو زہریلے اور متعفن اثرات اُن سے عالم میں پھیل رہے ہیں یہ سب اپنی حضرت شیطان کی تو کارستانیاں ہیں۔ بخیل کو بخیل کی لے میں لیجا کر پٹخنی دیتا ہے تو سخی کو سخی کے رنگ میں پٹ کرتا ہے ۔

**روحانی ضرر جسمانی ضرر سے بہت بڑھکر ہے**

قصہ مختصر یہ ہے کہ شیطان کا دینی و روحانی ضرر جسمانی و دنیوی مضار سے کہیں بڑھکر ہے ۔ جسمانی مضرت سے تو ایک ہی شخص کو نقصان پہونچتا ہے اور روحانی ضرر وہ بُری بلا ہے کہ اس سے قومیں کی قومیں اور ملک کے ملک تباہ و برباد ہوجاتے ہیں جس طرح طاعون جہاں خدانخواستہ آجاتا ہے تو گھر کے گھر صاف کر جاتا ہے اسی طرح جن انسانوں کی روح پر شیطنت کا رنگ چڑھجاتا ہے تو اس سے بھی گھر کے گھر اور شہر کے شہر متاثر ہوجاتے ہیں۔ ایک شخص کی جسمانی صحت بگڑ جائے تو اس کا ضرر دوسروں کے لئے اکثر متعدی نہیں ہوتا پھر مرض بھی ظاہر ہوتا ہے اور علاج بھی کچھ نہ کچھ انسان جانتے ہیں ۔

**روحانی ضرر متعدی ہوتے ہیں**

لیکن اگر ایک شخص کی روحانی صحت بگڑ جائے اور اُس کے اخلاق و ملکاتِ باطنیہ پر شیطنت کا مرض لگ جائے تو یہ بیماری دق کی بیماری کی طرح نہ ابتداءً محسوس ہوتی ہے نہ اس کا علاج ہی ہر شخص جانتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ اس بیماری کا ضرر نہ صرف اُسی کو پہونچیگا جو مبتلا ہی

بلکہ جتنے لوگ بھی اسکی صحبت میں رہنگے اُن کے اخلاق و ملکات بھی بگڑتے چلے جائیں گے اور اس طرح یہ شیطنت وبار عام کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ چنانچہ افراد سے گذر کر اجتماعات میں اور رفتہ رفتہ قلوب میں راسخ ہو کر نسلوں اور نطفوں تک میں سرایت کر جاتی ہے۔

**قبلِ بعثت عرب میں شیطنت کا شیوع**

اور یہی تو وہ شیطنت کہنہ تھی جو زمانۂ جاہلیت عرب میں عرب پر اُنکی بداعمالیوں اور بُرے عقیدوں کی وجہ سے مسلط کر دی گئی تھی چنانچہ اس ماؤف العقل محروم النور قوم کا یہ حال ہو چکا تھا کہ اگر ایک قبیلہ میں ازراہِ تذکرہ کسی کی کسی پر فضیلت و برتری ثابت ہو جاتی اور معمولی سی نوک جھونک ہو جاتی تو ایک کو دوسرا نیچا دکھلانے کے لئے تلوار میان سے نکال لیتا اور کشت و خون کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ پھر نہ صرف انہی دو شخصوں یا دو قبیلوں میں یہ جنگ محدود رہتی بلکہ ہر ایک قبیلہ کے حمایتی کھڑے ہو جاتے اور فرقہ بندی و پارٹی سازی کی لعنت سے یہ ادبار ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ میں اور دوسرے سے تیسرے میں جا پہونچتا اور معرکۂ کارزار گرم ہو جاتا اور یہ بغض و عداوت، قتل و غارت کی کیفیاتِ شیطنت یہانتک بڑھ گئیں کہ ایک قبیلہ اپنے پس ماندوں کو وصیت کر کے مرتا تھا کہ ہمارا بدلہ ہمارے قبیلۂ مقابل کی اولاد در اولاد سے لیتے رہنا اور جب وہ جوان ہوتے تو اپنے آباؤ اجداد کی انہی انسانیت سوز سراپا شیطنت وصیتوں کو عملی جامہ پہناتے اور خدا کی زمین کو ناحق کے خون سے رنگین بنا دیتے۔

**آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین کیوں ہیں**

اسی لعنت و شیطنتِ کہنہ کو حضرت رحمۃ للعالمین نے آکر مٹایا اور اپنی ابرِ رحمت و شفقت نصیحت، و تبلیغ، دعوت انذار و تبشیر کی کیفیاتِ نورانیہ سے صدیوں کی اس بھڑکی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کیا۔ اور لاکھوں انسانوں کی جانیں بچائیں۔ وما ارسلنٰک الا رحمۃً للعالمین۔

**آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو عرب کی قوائے ثلاثہ کا غلط استعمال تھا اُسے دور کیا**

جاہل عربوں کی قوتِ جارحانہ و مدافعانہ اور قوتِ سبعیہ و بہیمیہ کا بھی تو وہ صدیوں سے غلط استعمال شیطان نے کرا رکھا تھا جسکی بدولت اُن کی قوتِ ملکیہ تیرہ و تاریک اور فنا کے مرتبہ میں پہونچ چکی تھی اور اغراض، اور اہوا، و اعجاب رائے نے اُن کے دلوں کو زنگ آلود بنا دیا تھا اور شرور شیطان جسقدر بھی ممکن تھے سب ہی اُن کے خانۂ دل میں موروثی ہو چکے تھے آخر رحمتِ باری سے منورِ قلوب انسانی معلّم حکمتِ ربانی، مزکّیِ نفوسِ انسانی،

نے مبعوث ہو کر ان فریب خوردہ جاہلوں کو خبردار فرمایا کہ اے ملکیت کے پارہ پارہ کردینے والے انسانوں تمہاری یہ قوت سبعی و بہیمی اور اس کا یہ غلط استعمال تمہارے لئے ہی تباہ کن ہے اور جو فساد فی الارض سے خدا کی زمین کو تمنے ناپاک کر رکھا ہے یہ خود تمہارے لئے ہی برباد ی ہے۔ ایک دشمن مخفی ہے جسنے تمکو اس حال پر پہونچایا ہے۔ آؤ کہ میں تمہیں تمہاری قوتوں کا اصلی مصرف اور تمہارے مرض کا اصلی علاج بتلاؤں اور اس آنے والے عذاب سے ڈراؤں جو تمہاری اس بیجا جسارت و جرأت و مطلق العنانی سے تمپر آنے والا ہے اور وہ علاج یہ ہے کہ اللہ کی حبل متین میں جُڑ کر تم سب ایک ہو کر اپنے دلوں کو خدا کے نور کی لڑی میں پرو کر آپس میں بھائی چارہ کرو۔ اور خدا سے ڈرنیوالوں کی ایک نئی برادری قایم کرو جو خدا کی اُن نعمتوں کو یاد کرے جو ہر دورِ ہدایت و انقیاد میں پروردگار کی طرف سے اُن کے آبا پر نازل و مرسل فرمائی گئیں تھیں اور رحمتِ حق سے اُن کے مردہ دلوں کو زندہ کیا گیا تھا۔ اور سوچو کہ وہ کونسا دشمن ہے جو تمہاری گھات میں لگا ہوا تمہاری جملہ طاقتوں کو منتشر کرتا اور غلط راستہ پر لگاتا رہتا ہے۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بینکم و بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا۔

**آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قوائے ثلاثہ کا رُخ کیونکر پھیرا**

چنانچہ جب حضرت معلم حکمت کے اس تبلائے ہوئے گُر کو اس وحشی قوم نے سمجھ لیا اور اپنے دلوں کو رسول ؐ کے ارشادات کے لئے وقف کردیا اپنی قوائے ملکیہ و بہیمیہ و سبعیہ کو سپرد خدا کر دیا۔ قوتِ قہریہ کو اعداء اللہ و شیاطین الانس والجن کے مقابلہ پر لاڈالا اور بے دھڑک شیطنت کے مقابلہ پر آکر ڈٹ گئے تو دُنیا نے دیکھ لیا کہ کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ کا وعدہ کس طرح بلا تخلف صحیح ثابت ہوا۔

**فتح و ظفر کثرت و قلت پر موقوف نہیں**

اور کس طرح دُنیا کو یہ سبق حضرت حق نے سکھلا دیا کہ غلبہ و نصرت کثرت و قلت پر موقوف نہیں ہے بلکہ غالب اور مغلوب فرمانیوالا صرف کارساز عالم ہی ہے جو فتح و نصرت کی ہر کیفیت میں اپنی شان دکھلاتا ہے یہی وجہ تھی کہ کبھی تو مسلمانوں کو باوجود اُن کی کثرت کے مُٹھی بھر انسانوں سے ہزیمت دلادی گئی اور کبھی قلیل التعداد مسلمانوں سے کفا

کے لشکرِ جرّار کو زیر و زبر کرا دیا گیا۔ چنانچہ غزواتِ اسلامی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی تین ہزار مسلمانوں نے تین لاکھ کافروں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھدیا اور کبھی بیس ہزار نے پانچ لاکھ کے مُنہ پھیر دیئے۔ قوتِ سبعیہ کا یہی وہ محمود استعمال تھا جسکی وجہ سے مجاہدینِ اسلام کے انوارِ ملکیہ و برکاتِ قلبیہ میدانِ جہاد و معرکۂ کارزار میں کچھ اس طرح درخشاں و تاباں ہوتے کہ کفار کی آنکھیں خیرہ ہو جاتیں اور اُن کے دلوں پر رُعب اسلامی چھا جاتا اور فرشتوں کی اعانتِ غیبیہ اُن کو سراسیمہ بنا دیتی اور مجاہدینِ جانباز اپنی تلواروں کے سایہ میں دار النعم کی ابدی راحتیں اور سرمدی مسرّتیں دیکھ کر بصد شوق و رغبت لقاء رب کی سچّی تڑپ میں بلا کسی جبر و اکراہ کے جامِ شہادت پی لیتے اور ان مکارمِ اخلاق سے اپنی روح کو مرصع و مزیّن کر کے راہیٔ عالمِ آخرت ہوتے جنکی وجہ سے قربانی و ایثارِ خلیل اللّٰہی کا نظارہ سامنے آجاتا اور آنے والی نسلیں انکے نام بزرگ سے عزّت و برکت پاتیں اور عالمِ باقی میں فرشتے ان کے پیروں کے نیچے اپنی آنکھیں بچھاتے اور بغیر حساب بلا روک ٹوک مالکِ انس و جان کی آغوشِ نور میں جا سوتے ؎

لب پر تبسّم اور نگہ یار کی طرف ۔۔۔ دی کس خوشی سے جان تہِ تیغ داغ نے

غرض بیان یہ تھا کہ شیطان کی ابلہ فریبیاں بسا اوقات صدیوں کے امن و برکت کو ملیا میٹ کر دیتی ہیں اور معمولی سی بات کو بسا اوقات ہولناک بنا دیتی ہیں پھر غضب اور ستم یہ ہے کہ شیطنت کا رنگ بعد خاتمۂ حیاتِ مستعار و جسم ناپائدار بھی نہیں اُترتا اور یہ ناری رنگ ایسا پختہ ہے کہ اگر اس دار العمل میں اس کے ازالہ کی مؤثر تدبیر بعجلتِ ممکنہ نکیجائے تو کسی طرح بھی رُوح سے یہ رنگِ شیطانی منفک نہیں ہوتا۔

**مرکزِ خیر و شر یعنی جنت و دوزخ کی طرف کشش**

اسی لئے یوم حساب میں ہر ایک روح ہر ایک نفس اپنے اپنے کسب و عمل کے مطابق جنت و دوزخ کے مراکزِ خیر و شر کی طرف کشش کرینگے۔ اور جنکے دلوں کے اندر رائی کے دانہ کے برابر بھی نورِ ایمان ہوگا انشاء اللہ بعد از مکافاتِ عمل پھر جنت ہی کیطرف لوٹائے جاوینگے۔ اور جن کے دلوں میں ایمان کا کوئی شمہ نہ ہوگا وہ سزائے ابدی و عذاب دائمی میں گرفتار رہیں گے۔

**وزنِ ایمان وزنِ عناصر سے بڑھکر ہے**

کیونکہ نورِ ایمان کو حق تعالیٰ نے اعمال میں ویسا ہی وزن عطا

فرمایا ہے جیسے پہاڑوں کو زمین پر حق تعالیٰ نے ثقل عطا فرمایا ہے ۔ جیسے یہاں پہاڑوں سے بڑھکر کوئی وزنی چیز نہیں کہ جہاں اُن کو قدرت نے بٹھا دیا ہے وہیں بیٹھے ہیں اپنی جگہ سے ہلتے تک نہیں اسی طرح اعمالِ صالحہ کے وزن کا حال بھی یہ ہے کہ صداقت وراستبازی اور دیگر اخلاقِ حسنہ کا ثقل اوروزن جو اپنے اندر رکھتا ہے اسی کو دُنیا کو دِ وقار پکارتی ہے اور وہ کسی کے ہلائے سے ہلتا نہیں اور زمانہ ایسے افراد کو ہمیشہ سونے اور چاندی میں تولتا رہتا ہے غرض نورِ ایمان کو حق تعالیٰ نے ویسا ہی غلبہ اوروزن وقیمت عطا فرمائی ہے جیسے سونے اور چاندی کا وزن دیگر معدنیات پر فائق ہے اور اسکی برتری تمام دھاتوں پر مسلم ہے مثلاً اگر ترازو میں ایک طرف ایلومونیم کی دھات کا ایک ٹکڑا رکھا جائے اور دوسری طرف سونے کی ایک سری رکھی جائے تو ظاہر ہے کہ وزنی جانب سونے ہی کی ہوگی ایسے ہی وزن ایمان کو سمجھئے وجہ بظاہر اسکی یہ ہے کہ جو معدنی مادّے جسقدر نورانیت آفتاب ومہتاب کواکب وسیّارات کو جذب کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں وہ اُسی قدر افضل وبرتر شمار ہوتے ہیں

**سونے اور چاندی پر روح کیوں عاشق ہے**

چونکہ سونے کی دہات نے نورِ آفتاب کو قبول کرکے اپنے اندر جذب کرلیا ہے اسلئے یہ دونوں دھاتیں قدر قیمت میں بڑھی ہوئی ہیں یہی سبب سونے اور چاندی پر روح کے عاشق ہونے کا معلوم ہوتا ہے اور ہزاروں آدمی اسپر اپنی جانیں نثار کررہے ہیں ورنہ اسپر روح کے اس بے طرح فریفتہ ہونے کی اور کوئی خاص علم سمجھ میں نہیں آتی ۔

سکّہ رائج الوقت میں گو اب کاغذی سکّہ بھی چل گیا ہے اور لوگ اسکی بھی حفاظت اسی طرح کرتے ہیں جیساکہ سونے اور چاندی کی حفاظت کیجاتی ہے لیکن آج اگر تمام سلطنتیں ان کاغذی سکوں کو بے اعتبار ٹھیرادیں اور اِن سے سونے اور چاندی کا لین دین بند کردیں تو اسی آن سے انسان اسکی قدر وقعت چھوڑدیں ۔ اور یقیناً ردّی میں ڈالکر چولھے کے حوالہ کریں ۔ بہر حال جہانتک ہمارے فکر کی رسائی ہے ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ سونے اور چاندی کو ہم محض اس لئے عزیز رکھتے ہیں اور اپنے گھروں میں چھپاتے ہیں کہ روح اسپر عاشق ہے اور عشق کی وجہ اسکے سوا کچھ نہیں کہ ان دو نوں دھاتوں نے نورانیت آفتاب ومہتاب کو قبول کرکے ایک ایسی کشش اپنے اندر پیدا کرلی ہے کہ ہزاروں لڑائیاں اسی کے لئے لڑی جاتی ہیں اور جب نزاع کا خاتمہ ہوتا ہے تو بھی اکثر سونا وچاندی ہی باہمی اعتماد کو واپس لے آتے ہیں اور زخمی دلوں پر مرہم کا کام دیتے ہیں ۔

مال و دولت کی محبت شرکِ خفی ہے

لیکن ہماری عقل کی مادّہ پرستی اور شرک وہوا کا یہ کیسا شرمناک مرتبہ ہے کہ سونے اور چاندی کو تو ہم محض اسلئے عزیز رکھتے ہیں کہ انہوں نے نورانیت آفتاب و مہتاب کو اپنے اندر جذب کرلیا ہے اور اس عالم کے جملہ کاروبار ان سے چلتے ہیں

معدنیات کی جذبِ نورانیت اور آنحضرت صلعم کا اکتساب نورانیت

لیکن اس سچے جاذب نورِ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے اور اُن کا عشق اپنے قلب میں پیدا نہیں کرتے جنہوں نے بلا توسط مادّہ کسب نور فرمایا اور براہ راست اس مرکز نور احدیت سے فیض حاصل کیا جو خود آفتاب و مہتاب کو نور عطا کرنے والا ہے اور جن کے توسّل اور وساطت سے عالم آخرت کے جملہ کاروبار قایم ہیں اور وہاں اس مال کی کوئی بھی عزّت و وقعت نہیں۔ کیونکہ جب ہر چیز میں نور ہی اصل ہے اور جسم و جسمانیات کا وہاں گذر ہی نہیں تو پھر جیسے اس جسم کی وہاں کوئی پوچھ نہ ہوگی باوجودیکہ ایک عرصہ دراز تک روح کا یہ مسکن رہا ہے تو وہاں سونے اور چاندی کی کیا پوچھ ہوگی۔ اسی لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور جتنے باخدا ابتک گذرے ہیں اُنہوں نے مال و دولت سے محبّت نہ کی کیونکہ اُن کے نزدیک اس سے لگاؤ اور محبّت ایسی ہی ہے جیسے ایک چشمۂ صافی کے موجود ہوتے ہوئے کسی مکدّر چشمہ سے اپنی پیاس کو بُجھایا جائے ظاہر ہے کہ یہ غفلت و ناواقفیت کا بہت ہی گھناؤنا مرتبہ ہے اسی مرتبہ مال و دولت پر کٹ مرنا اور دن رات کو اسی کی طلب میں کھو دینا چاندی اور سونے کے پیچھے ایمان و دین کی دولت سے قطع نظر کرلینا اور آٹھ پہر جمع مال ہی کی فکر میں مستغرق رہنا بھی حد درجہ شرک ہے اسی لئے جو لوگ اسکو جتنا زیادہ عزیز رکھتے ہیں تو یہ مال اور جمع شدہ خزانہ اتنا ہی خود انہیں ضرر پہونچاتا ہی اور اسکی محبّت سے جو شرکِ خفی پیدا ہو جاتا ہی اور صاحبانِ حاجت اِسکو ہی اپنا قاضی الحاجات تصوّر کرلیتے ہیں۔

حب مال سے اخلاقِ باطنی متعفن ہو جاتے ہیں

تو اس سے خود اُنہی کے باطنی اخلاق و احوال بگڑ جاتے ہیں اور اس کی تعفن و گندگی سے عام طور پر قلوب انسانی میں ایک قسم کی نفرت و حقارت پیدا ہو جاتی ہے۔ کما اشارہ تعالیٰ والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللّٰہ فبشرھم بعذاب الیم۔ یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم و جنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون۔

**مال و دولت کی پاکی اور اسلامی فریضۂ زکوٰۃ کی حکمت**

اسی لئے جمع شدہ مال اور زائد از ضرورت سونے اور چاندی پر خداوند عالم نے زکوٰۃ مقرر فرمائی تاکہ یہ مال صاحب مال کو ضرر نہ پہونچائے اور اُسکے دِل کو ناپاک نہ ہونے دے۔ جذباتِ بخل و طمع حرص ہوا نہ پیدا ہوں اور جو نورانیتِ آفتاب و مہتاب سونے اور چاندی میں جذب ہوئی تھی جو حقیقت میں فیض خداوندی ہے اور جسکو اس بندہ نے اپنے لئے خاص کر کے بڑی بڑی آہنی تجوریوں میں محفوظ کر دیا ہے۔ اس کا بڑا حصّہ عام ہی رہے اور اپنے غریب ابنائے جنس ہی پر تقسیم ہو اور معیّنہ و مفروضہ مقدار زکوٰۃ سے دولت کی تقسیم غلط نہ ہونے پائے۔

**سود کی حرمت اور اسکی حکمت**

اور جبکہ دولت کی تقسیم کی صحت و سقم پر عالم کے کاروبار کی صحت و سقم موقوف ہوئی تو اب سود کے متعلق بھی عقلاً ثابت ہو گیا کہ وہ عالم کے کاروبار کے لئے بے سود ہی نہیں بلکہ سخت مضرت رساں بھی ہے اسلئے کہ اس عالم کے جتنے بھی کاروبار اور جتنے بھی اسکے منافع ہیں سب کی اصل الاصل یہ ہے کہ لین دین میں مساوات ہو یعنی انصاف کا اقتضا یہ ہے کہ اگر ایک انسان حق تعالیٰ کی پیدا کردہ کوئی چیز دوسرے انسان کو دے تو عرف دستور کے موافق اسی قدر اس کا معاوضہ مشتری بائع کو ادا کرے یہ تو حق تعالیٰ ہی کی شان ہے کہ وہ انسان کو ہر قسم کی نعمتیں عطا فرما کر کچھ نہیں لیتا اور اگر کسی وقت میں ان کی جان و مال اُنہی کے فائدہ کے لئے بیع کرتا ہے تو جو چیز لیتا ہے اُسکو ہزار گنا زائد فرما کر اُس کی نسل کو منافع ابدی عطا فرماتا ہے۔

**دولت کی غلط تقسیم اور اُسکے مفاسد**

لیکن سود میں چونکہ روپیہ سے روپیہ کمایا جاتا ہے کوئی چیز اُسکے بدلہ میں نہیں دیجاتی بلکہ جس چیز کے ذریعہ سے نفع اُٹھانا حق تعالیٰ نے بتلایا تھا خود اُسی کو انسان نے نفع بنالیا اسلئے دولت کی تقسیم صحیح نہیں رہتی اور دلوں میں فساد شروع ہو جاتا ہے اسی لئے سرمایہ داری کا انجام آخر میں یہی ہوتا ہے کہ غریبوں کی جیب سے روپیہ نکلکر سرمایہ داروں کے گھر میں پہونچ جائے اور دُنیا میں صرف دو طبقے رہجائیں ایک امراء کا اور دوسرا غرباء کا اور ان میں باہم مستبدانہ تعلّقات قائم ہو جائیں اور یہ بندہ کو سزاوار نہیں لہذا سود کسی طرح بھی باعثِ برکت نہیں بن سکتا۔ غرض یہ ہے کہ سود کے حلال ہونے کے بعد متوسط طبقہ کسی طرح بھی فروغ نہیں پا سکتا لیکن سب جانتے ہیں کہ مرفہ الحالی دنیا میں جب ہی پیدا ہوتی ہے جبکہ

متوسط طبقہ موجود ہو اور تجارت وصنعت وحرفت سے لین دین کی کثرت ہو اور اس کا حامل وہی متوسط طبقہ ہوتا ہے جو راعی اور رعایا کے درمیان وسط کا درجہ رکھتا ہی یہی طبقہ ادنیٰ کو اعلیٰ سے اور اعلیٰ کو ادنیٰ سے ملاتا رہتا ہے۔ برخلاف زراعت اور سود خوار طبقہ کے کہ وہ اعلیٰ طبقہ حاصل کرکے ادنیٰ طبقہ کو اپنا پابند بنا دیتا ہے اور یا اعلیٰ طبقہ اپنی حکومت کے نشہ میں ادنیٰ طبقہ کی ضروریات کی مطلقاً پرواہ نہیں کرتا۔ اور حصولِ زر کے لیئے ہر قسم کے جور وستم ظلم واستبداد پر اُتر آتا ہے اور دولت کو عوام الناس سے نکالکر طبقہ امراء میں پہونچا دیتا ہی جس کا نتیجہ فساد فی الارض ہوتا ہی جیساکہ ہندوستان ویورپ میں آجکل حالت رونما ہے۔

**حکمتِ زکوٰۃ** الغرض حرمتِ سود اور حلتِ زکوٰۃ کی حکمتِ اصلی یہ ہے کہ دولت کی تقسیم صحیح رہے یعنی امراء وغرباء سب کے حوائج پورے ہوتے رہیں اور مال ودولت کے اس فیضِ خداوندی سے حسب مراتب واستعداد سب ہی متمتع ہوں۔

**بخل کے نتائج اور اُسکی مذمت** پس معلوم ہوا کہ جو لوگ بلا وجہ مال کو روکتے ہیں وہ درحقیقت مقصدِ خداوندی کے پورا ہونے میں حائل ہوتے ہیں اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص چلتے ہوئے دریا کو بند کردے۔ ظاہر ہے کہ جہاں پانی کو روکا جائیگا وہیں پانی میں تعفن وبدبو آجائیگی۔ اسی طرح جو لوگ مال ودولت کو بلا فائدہ روکتے ہیں اور خدا کے ان خزائن کو اپنی ملک سمجھتے ہیں اور مطمح نظر ان کا اس سے یہ ہوتا ہی کہ لوگوں میں ہماری عزت وشہرت ہو وہ درحقیقت رفتارِ قدرت کے مقابل آتے ہیں جس کا نتیجہ یہی ہوتا ہی کہ اُن کا باطن سڑ جاتا ہے اور بخل وطمع کے گندے جذبات اُن کے قلب میں پیدا ہوجاتے ہیں۔ اور جہنم کی آگ میں اُسی وقت سے سانپ اور بچھو اُس کی دشمنی کے لئے پیدا ہونے لگتے ہیں۔

**دُنیوی واُخروی عزت ووجاہت نورِ ایمان کے ساتھ ہی** یہاں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ چاندی اور سونے کو جمع کرکے اُنکی جمعیت سے عزت حاصل کرنا اور اپنے کو عزت دار سمجھ لینا بھی عین حماقت ہے کیونکہ عزت ووجاہت توفیضِ خداوندی کے پھیلانے والوں کو حاصل ہوگی نہ اُسکے روکنے والوں کو اور عزت ووجاہت اصلی تو ایمانِ محمدی کے نور کے ساتھ وابستہ ہی چاندی اور سونے کی نورانیت وکشش عالم بالا میں ظاہر ہے کہ عزت اُسوقت تک پیدا نہیں کرسکتی جب تک کہ ایمانِ محمدی

کا نور اس کے ساتھ شامل نہ ہو اور جب مال و دولت ایمان کے ساتھ جمع ہوگا تو جمع مال بلا فائدہ دینی و اخروی نہ ہونے پائیگا الغرض اگر محض روپیہ پیسہ سے عزتیں قائم رہا کرتیں جنکا فوری اثر یہ ضرور ہے کہ انسان اپنے ہم جنسوں کو موہ لے اور جب تک روپیہ پیسہ کی مدد جاری ہے اسوقت تک اس سے لوگ راضی ہو جائیں۔

یورپ مال و دولت کی بلا میں گرفتار ہے

تو وہ قومیں ہمیشہ عزیز رہا کرتیں جو اربوں اور سنکھوں روپیہ کی مالک ہیں لیکن دیکھ لیجئے کہ اس شرک و حمق کی وجہ سے آئے دن کس طرح مبتلائے عذاب رہتی ہیں اور امن و برکت سے کس طرح اپنے آپ اور جو ان کے زیر نگین ہیں وہ محروم رہتے ہیں اس کا مطلب نہ سمجھا جاوے کہ میں مسلمانوں کو مفلس بنانے کی یا دُنیا سے قطعاً بے تعلق ہونے کی تلقین کر رہا ہوں میرا یہ منشا ہرگز نہیں بلکہ میں حصولِ رضائے الٰہی کے ساتھ حصولِ دولت کو بہت ضروری اور اچھا سمجھتا ہوں میرا مطلب فقط یہ ہے کہ جو چیز بھی ہو اللہ کے لئے ہونی چاہیئے ؎

نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد　　　اگر دارد برائے دوست دارد

بہرحال جس طرح مال و دولت سونے اور چاندی کو دیگر سامانوں پر فضیلت و فوقیت ہے اسی طرح نورِ ایمان کو حق تعالیٰ نے مال و دولت پر فضیلت و کرامت عطا فرمائی ہے اسی لئے انسان کے ملکات و اخلاق کے اعتبار سے اُن کے کھرے اور کھوٹے ہونے کی تشبیہ حدیث میں سونے اور چاندی جیسی آئی ہے۔ الناس کالمعادن الخ

آخرت میں زندار کون ہونگے

اسلئے جسقدر نورِ ایمان کسی کے دِل میں ہو گا اُسی قدر یوم حساب میں وہ وزنی اور بھاری ہو گا اور جس قدر جس کے اعمال اخلاص و ایمان کی روح سے خالی ہوں گے اُسی قدر وہ ہلکے ہوں گے۔ فاما من ثقلت موازینہ الخ۔

اور جیسے جسکے اعمال ہوں گے ویسے ہی نتائج سامنے آجاوینگے۔ دُنیا میں بدی کی ہو گی تو بدی سامنے آجائیگی اور اگر بھلائی کی ہوگی تو نیکی سامنے آجائے گی۔ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ الخ۔

شیطنت کی سزا نار کیوں ہے

غالباً یہی وجہ ہے کہ کافر چونکہ شیطنت کے مرض میں ہمیشہ گرفتار رہتے ہیں اور مال و دولت کے جمع کرنے میں بھی ہر آن مستغرق رہتے ہیں اسلئے ان کی سزا بھی نار ہی تجویز

کیگئی ہے۔ کیونکہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ شیطنت کا مادۂ خلقی نار ہے اسلئے بعد از حساب اعمال دوزخ کے گڑھوں میں گر جانا اور غضب الٰہی کی دہکتی ہوئی آگ میں کافروں کا جلنا ضروری ہوگا کیونکہ نورِ توحید و رسالت کا کوئی ادنیٰ سا حصہ بھی ان میں نہ ہوگا۔

جس طرح وہ آگ بیحد مشتعل اور سوزاں کہلاتی ہے جو ہزاروں سال سے برابر آتشکدہ میں جل رہی ہو اور ایک منٹ کے لئے بھی خاموش نہ ہوئی ہو نہ اُسپر پانی کا کوئی چھینٹا پڑا ہو اور وہ آگ کم سوزاں کہلاتی ہے جسپر پانی بھی ڈالا جائے اور اُسے ٹھنڈا بھی کیا جائے۔

**مسلم عاصی اور کافر مشرک کی سزا کا باہمی فرق**

اسی طرح مسلم عاصی اور کافر مشرک کی نار میں بھی فرق ہوگا کیونکہ کوئی مسلم عاصی ایسا نہ ہوگا جسکے قلب میں کبھی نہ کسی درجہ میں ایمان کا کوئی جزو اور شمہ نہیں اسلئے اسپر جہنم کی آگ اگر اثر بھی کریگی تو نور کی ٹھنڈک فی الجملہ اُسکو زیادہ اشتعال میں نہ لائیگی۔ اور کفار کے قلوب میں نار کے سوا کچھ بھی نہ ہوگا۔ لہذا ابد تک وہ اسی لئے عذاب میں پڑے رہیں گے۔

**انجذاب نور میں انسان کی مشابہت معدنیات سے**

یہ چونکہ مسلمانوں کے دل میں نورِ توحید و رسالت کے جذب ہونے کی صورت بعینہٖ اسی طرح ہے جیسے سونا اور چاندی نورِ آفتاب و مہتاب کو جذب کرتے ہیں اور جب سونے اور چاندی میں ناقص دھاتوں کا ملاؤ زیادہ ہو جاتا ہے تو آگ میں تپاکر اُسے خالص کیا کرتے ہیں اور آگ صرف کھوٹ ہی کو جلاتی ہے فی نفسہ سونے اور چاندی کو نہیں جلاتی اور آگ میں سونے چاندی کا ڈالنا ہی سراسر رحمت ہوتا ہے اسی لئے کوئی عقلمند سناروں کو بے عقل نہیں کہتا کہ وہ ایسی قیمتی دھات کو کس لئے نذر آتش کر رہے ہیں۔

**مسلم عاصی کے لئے جہنم سراسر رحمتِ الٰہی ہے**

اسی طرح مسلم عاصی کا نارِ جہنم میں ڈالنا بھی سراسر رحمتِ الٰہی ہے۔ کیونکہ جنت میں وہی قلب داخل ہونے کے لائق ہے جو ہر قسم کے نفسانی میل کچیل اور آلائشاتِ شیطانی سے کھرا اور پاک ہو۔ اسی لئے جن لوگوں نے یہاں اپنے دل کو شیطنت کے کھوٹ سے پاک نہ کیا اور تزکیۂ نفس کی طرف متوجہ نہ ہوئے اُن کو بصد کلفت و غم عالمِ آخرت میں مکافاتِ عمل کی وجہ سے نارِ جہنم سے اپنے دل کا غیر اختیاری و اضطراری تزکیہ کرنا ہوگا اسلئے جتنا جس میں معصیت کا کھوٹ ہوگا اُسی قدر نارِ جہنم اُس قلب کو اپنے اندر رکھیگی۔

نار میں نور کب تک رہ سکتا ہے

اور جب قلب میں مثل خالص سونے کے نور ہی نور باقی رہجائے گا تو پھر اُس قلب اور نفس کو نارِ جہنم اپنے حلقہ سے نکال پھینکے گی اور وہ اعراف کی ہوائیں لیتا ہوا آخر اپنے مرتبہ و استعداد و عمل کے مطابق دار النعیم میں پہونچ جائیگا ۔ اور جہنم میں پھر وہی سیاہ دل اور ہر قسم کی شیطنت والے رہ جائینگے ۔

جہنم کی اصلی غذا کفار ہیں

جن میں نورِ توحید و رسالت کا کوئی جوہر نہ ہوگا جیسے آم کے درخت پر آم ہی کا پھل آسکتا ہے کیکر کے درخت پر کانٹے ہی نمودار ہو سکتے ہیں زمین میں جیسا دانہ ڈالا جائے ویسا ہی درخت اُگ سکتا ہی یہ ممکن نہیں کہ دانہ تو ڈالا جائے گیہوں کا اور اُگ آئے درخت کسی اور چیز کا اسی طرح اسباب نظمِ عالم کا اقتضاء تو یہی ہے کہ اس دار العمل میں اگر عمل کیا جائے شیطنت کا تو اسکی سزا نار ہو ۔ اور اگر نیک عمل کیا جائے تو جزا اُسکی نور ہو ۔ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا

کفار کا ناری ہونا خود اُن کے عمل سے ثابت ہے

غالباً یہی سبب ہے کہ مشرکین و کفار اکثر اپنے مُردوں کو پہلے ہی آگ میں جلا کر اپنے آپ ہی اپنے ناری ہونے پر گواہ بنتے ہیں اور مال و دولت کی محبت میں غرق ہو کر نار اللہ اور عذابِ روحانی کی اپنے اندر اہلیت پیدا کرتے رہتے ہیں نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ ۔ نیز جس طرح بخار کی آگ اور غم کی لپٹ انسان کو ہر طرف سے گھیر لیتی ہے اور پہلے قلب کو پکڑتی ہے اور اُسکے بعد جسم پر انکا اثر ہوتا ہی اسی طرح جہنم کی آگ پہلے دل کو لپیٹے گی اور اُسکے بعد جسم پر اثر کریگی پھر غم کی آگ اور بخار کی حرارت تو کسی وقت کم بھی ہو جاتی ہے مگر آتش قہر الٰہی تو ایک پل کے لئے بھی مہلت و چین نہ لینے دیگی ۔ بہر حال نظم عالم کا اقتضاء تو یہی ہے کہ عمل اگر کسی کا ناری ہی تو سزا بھی اُس کی ناری ہونی چاہیئے اور اگر نورانی عمل ہے تو جزا اُسکی نورانی ہی ہو لیکن خداوند عالم اور مسبب حقیقی چونکہ اسباب کا پابند نہیں ہے اور اگر اسباب کا وہ پابند ہو جاوے تو خدا ، خدا نہ ہے ۔ اسلئے اُسنے مقتضیات نظم کے خلاف بطور خرق عادت کچھ امور ایسے بھی رکھ دئے ہیں کہ اگر وہ ایک گنہگار سر تا پا عیوب کو چاہیگا تو بہشت میں داخل کر دیگا اور نوری بنا دیگا اور تو وہی اپنی نظر رحمت سے اُس کے دل کی بُرائیوں کے کھوٹ کو ایک دم سلب کر کے نوری اور جنت کے قابل کر دیگا ۔ اور نہ چاہیگا تو معاف نہ کریگا اگر چہ دُنیا میں رہکر کتنی ہی ریاضت کیوں نہ کی ہوگی ۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح کوئی انسان شیر اور بھیڑیے سے دوستی کر کے کبھی فلاح کو نہیں پہونچ سکتا

اسی طرح جو انسان اپنے آبائی و نوعی دشمن و حاسد شیطان کے پھندے میں پھنس جائیں وہ بھی کبھی فلاح کو نہیں پہونچ سکتے جس طرح روح کے وجود سے باوجود اس کو آنکھ سے نہ دیکھ سکنے کے اپنی حرکات و سکنات کی وجہ سے کوئی متنفس انکار نہیں کر سکتا اسی طرح دنیوی تعیشات و تلذذات اور غفلت و گناہ کے بڑھتے گھٹتے رہنے اور اُن کے مشاہدات کی وجہ سے کوئی سمجھدار انسان بھی شیاطین و ملائکہ کے وجود سے انکار نہیں کر سکتا۔

**جہاں نشیب ہو پانی وہیں مرتا ہے** یہ قاعدہ ہے کہ جہاں دولت ہو چور وہیں آکر نقب لگاتے ہیں سو مومن کے لئے ایمان سے بڑھکر کوئی دولت نہیں اور شیطان سے بڑھکر اس دولت کا کوئی دشمن نہیں یہ تو جنت ہی کی خصوصیت ہے کہ وہاں جو بھی نعمت ہوگی وہ دائمی ہوگی اور ہر قسم کے نقصان سے پاک ہوگی نہ کوئی حاسد ہوگا نہ فنا و زوال کا کوئی خطرہ ہوگا لیکن :-

**حسد کے معنے اور اُسکے نتائج بد** یہاں پر تو انسان کو اگر دولت ایمان ملتی ہے تو شیطان کا حسد اسکے ساتھ لگا ہوا ہے اس سے اگر بچتے ہیں یا بچائے جاتے ہیں تو وہ صرف انبیاء علیہم السّلام ہی خدا کی تربیتِ خاصّہ کی بنا پر بچتے ہیں۔

حسد کے معنے یہ ہیں کہ جس شخص پر جو نعمت قسامِ ازل کی طرف سے فائز ہوئی ہے اس نعمت کا حقدار حاسد اپنے کو سمجھے اور اس مستحق واقعی سے اس نعمت کو چھین لئے جانیکی تمنا و سعی کرے سو در حقیقت حاسد حق تعالیٰ کی تقسیمِ نعمت کو غیر صحیح جانکر اسپر معترض ہوتا ہے اور در اصل اس کا مقابلہ قسامِ ازل ہی سے ہوتا ہے لیکن خداوندِ عالم کا تو کچھ بنا بگاڑ نہیں سکتا اسلئے محسود کے درپے پڑا رہتا ہے۔ اور طرح طرح سے اُسی کی نعمتوں کو چھیننے کی فکر میں مستغرق رہتا ہے۔

ایک خاص بات حسد میں یہ دیکھی جاتی ہے کہ حاسد اپنے فعل کو قبیح بھی نہیں سمجھتا بلکہ اسی فعل میں دوسروں کو شریک کرنے کی تدبیریں کرتا رہتا ہے اور یہ گناہ کا بہت ہی خطرناک مرتبہ ہے کہ انسان گناہ کو گناہ بھی نہ سمجھے۔

**حسد جہنم کی آگ ہے** چونکہ اصل الاصل حسد کی شیطنت ہے اور یہ دوزخ کی آگ کا ایک پرتوہ ہے جو قلبِ حاسد کو ہر وقت جلائے رکھتا ہے اور اندر ہی اندر اُسے گھلائے رہتا ہے۔

**شیطان دوزخ کی آگ دل میں لگاتا ہے** اسی لئے شیطان دن رات ایک انسان کو دوسرے انسان سے لڑا کر ایک کی

نعمت کو دوسرے سے زائل کرا کر اپنا آلۂ کار بنا تا رہتا ہے اور چاہتا ہے کہ جس طرح میں حسد آدمؑ کی وجہ سے مردودِ بارگاہِ الٰہی ہوا ہوں آدم کی اولاد کو بھی اپنے ہی جیسا بنا کر چھوڑوں جیسے خداوندِ عالم کی تربیت بچے کے پیدا ہونے کے وقت ہی سے شروع ہو جاتی ہے اور مرتے دم تک خدا کی رہنمائی اور مدد اُس کے شاملِ حال رہتی ہے۔

**شیطان کی ایذا رسانی مدت العمر رہتی ہے**

اسی طرح شیطان کی ایذا رسانی بھی پیدائش ہی کے وقت سے شروع ہو کر مرتے دم تک رہتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اُس کے چوکے لگاتا ہے اور جب اُسکے کان میں اسلام کی آواز یعنی اذان دیجاتی ہے تو بھاگ جاتا ہے۔ یہ تو بچپن کی حالت تھی جب انسان کے اس عالم سے کوچ کا وقت آتا ہے تو اُسوقت بھی شیطان کی دشمنی کم نہیں ہوتی بلکہ سارا زور اپنا اُسی وقت لگاتا ہے اور قبضِ روح اور حالتِ نزع میں اسکی انتھک کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح انسان کا خاتمہ ایمان و تعلق باللہ کے ساتھ نہ ہو اور اس کا نامۂ اعمال (ریکارڈ) خراب ہو جائے اور ساری عمر کی محنت اکارت چلی جائے اور عالمِ آخرت میں اسے کوئی پروانۂ ہدایت نہ مل سکے۔ ظاہر ہے کہ اس سے بڑھکر کیا دشمنی انسان کے ساتھ ہو سکتی ہے کہ ایمان کا سرمایہ اُس کا ضائع کر دیا جائے اور عالمِ آخرت میں اُسے مفلس کر کے یکہ و تنہا کھڑا کر دیا جائے۔ یوں تو تمام ہی دشمن بُرے ہوتے ہیں اور اللہ ہی کی پناہ سے انسان دشمنیوں کے جال سے صحیح و سالم نکلتا ہے۔

**خوف کے لائق کونسا دشمن ہو سکتا ہے**

لیکن دشمنوں میں سب سے زیادہ خوف کے لائق وہ دشمن سمجھا جاتا ہے۔ جو نہ ہمیں نظر آئے نہ ہم اُس کا کچھ بنا بگاڑ سکیں اور وہ نظروں سے اوجھل ہو کر ہر وقت انسان کی تاک میں لگا رہے۔

**دوستی کے پیرایہ میں دشمنی**

اور اسپر طرہ یہ کہ اس دشمنِ اعظم کا ضرر بھی بادی النظر میں ضرر نہ معلوم ہو بلکہ یہ دشمنی جو دوستی کے پیرایہ میں ہوتی ہے بہی خواہی نظر آئے حقیقت میں دشمنی کا یہ انتہائی خوفناک مرتبہ ہے۔ شیطان بظاہر انسان کو تکلیف میں مبتلا نہیں کرتا بلکہ مال و دولت زن و فرزند عیش و طرب کے مخمصوں میں پھانس کر ادھر میں دھکا دیتا ہے۔ انسان اس وقتی اور فانی و مکدّر عیش کے چکر میں باسانی پھنس جاتا ہے۔ اور اس کا فہم و ادراک معطّل ہو جاتا ہے۔ نہیں سمجھتا کہ شیطان نے

اسکو دائمی راحت اور ابدی مسرت سے کس طرح محروم کر دیا اور عمر عزیز جو سعادت کی تخم ریزی کے لئے فرصت قلیل اور اسکا بہترین موسم ہے اُس کو کیسے خاردار تخموں کے بونے اور کاٹنے میں صرف کرا دیا۔
غرض شیطان کی دھوکہ بازی کو کہاں تک بیان کیجئے۔

**شیطان کی دھوکہ بازی کی ایک مثال**

بس اسکی حالت بعینہٖ ایسی ہی ہے جیسے کسی بھلے مانس آدمی کو کوئی دھوکہ باز آدمی چاندی کا روپیہ دینے کے بجائے کانسی کا جعلی روپیہ لا کر دیدے ظاہر ہے کہ شکل و صورت تو ان دونوں سکوں اور روپیہ کی ایک ہی سی ہوگی لیکن جب آدمی بازار میں جعلی سکہ چلانے جائیگا تو ایک کوڑی میں بھی اُسے کوئی لینا پسند نہ کریگا۔ بلکہ اُلٹا پولیس کے پھندے میں پھنس جائے تو تعجب نہیں۔ یہی صورت شیطان کی دھوکہ دہی کی ہے کہ مسلمانوں کو اسی طرح دُنیائے فانی کی ان چند روزہ راحتوں اور مسرتوں میں پھانس کر ابدی راحت اور سرمدی مسرت سے محروم کر کے اپنا حسد نکالتا ہے۔

**شیطان کا تمثل جسمانی و روحانی**

قصہ مختصر یہ ہے کہ شیطان بلباس انسانیت بنکر متمثل ہوتا ہے اور ناسوتی لباس میں انسان کو دھوکہ دیتا ہے اور کبھی متمثل نہیں ہوتا بلکہ بُرائیوں کا القاء دل میں کرتا رہتا ہے اور ظلمت و قساوت کے پردے انسان کے دل پر یکے بعد دیگرے اس طرح سے ڈالتا ہے کہ انسان جناب باری کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت ہی نہ پائے اور پراگندگی قلب کی وجہ سے حیات دُنیا پر مطمئن ہو جائے اور اسکے ذہن مصفّا پر شیطان عبادت کا پردہ ایسا ڈالتا ہے کہ جسکی وجہ سے انسان آیات ربّانی میں غور و فکر سے محروم ہو جاتا ہے اور اس کا نظام مدنیت برباد ہو جاتا ہے جیسے آدم کی اولاد میں جب کسی فرد کا اضافہ ہو جاتا ہے تو اسی وقت سے ماں باپ اُسکی تربیت شروع کر دیتے ہیں اسی طرح شیطان بھی ہر ایک انسان کے پیچھے اپنی اولاد کو مقرر کر دیتا ہے اور ہر انسان کے پیچھے ایک شیطان مسلط کر دیتا ہے کما اشار بہ تعالیٰ۔
وکذٰلک جعلنا لکل نبی عدوا شیاطین الانس والجن یوحی بعضھم الیٰ بعض زخرف القول غرورا۔ جیسے انسان بدامنی کی آفات سے بچنے اور امن و برکت کی دولت حاصل کرنے کے لئے کسی نہ کسی حکومت کے زیر فرمان زندگی گذارتا ہے،

**جسمانی آفات میں بادشاہ کی ضرورت ہے تو روحانی آفات میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا توسل ضروری ہے**

اور مدنی الطبع ہونے کی وجہ سے ایک انسان دوسرے انسان کی اعانت و مدد کا محتاج ہے اسی طرح باطنی آفات

وشرورِ کائنات سے بچنے کے لئے بھی انسان رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا محتاج ہے اور طمانینتِ قلب و فراخی صدر کی دولت انسان کو اُسی وقت میسّر آسکتی ہے جبکہ وہ ملک الناس کی حکومت کو قولاً و عملاً تسلیم کرلے اور باطنی احوال کو سپردِ خدا و رسول کردے۔ اور اپنے دِل کے تزکیہ کیلئے پانچوں وقت ملک الناس کی عدالت اور الٰہ الناس کی جائے عبادت میں شیطان کی رپٹ لکھواتا رہے۔ اور اس قوتِ بہیمیہ کو جسکے پس پردہ شیطانِ انسان پرورش کرتا ہے روزہ سے گھٹاتا رہے اور مال و دولت سے جو جذباتِ شیطانیہ پیدا ہونے لگتے ہیں زکوٰۃ اداکرکے اس حملۂ شر کو بھی ناکام کردے اور قوتِ عشقیہ کے غلط استعمال سے بچنے کے لئے دیارِ حبیب کے گلی کوچوں میں چکّر لگاکر محبوبانِ مجازی کے کوچوں میں دردر پھرنے سے بچا رہے۔

**عقل وجسم کے بلوغ اور اُن کے نتائج**

جیسے انسان کے لئے ایک وقتِ بلوغ ایسا آتا ہے کہ اس حد پر پہونچکر عقل اسکی حدِ کمال میں داخل ہوجاتی ہے۔ اسی طرح عالم مثال میں بھی انسان کے لئے باعتبار اسکی سعادت و دناءت کے ایک وقتِ بلوغ مقرر ہے۔ پس عالم مثال میں بالغ وہ کہلاتا ہے جسکی عقل حکمتِ بالغہ حاصل کرلے اور نابالغ وہ کہلاتا ہے جسکی عقل دناءت میں پڑی رہے اسی لئے جس کی روح عالم مثال سے کسبِ فضائل کرتی رہتی ہے عالمِ اجسام میں وہ شخص اپنے ہمسروں میں فائق ہوتا ہے اور بھاری بھرکم کہلاتا ہے۔ اور جسکی روح کسبِ کمالات سے عاجز و عاری ہوتی ہے اور عالمِ مثال سے اُس کا تعلق نہیں ہوتا وہ دنی اور خفیف الحرکات و نابالغ کہلاتا ہے۔ اسی لئے وہ روح جاہِ کے گڑھوں میں لٹکی رہتی ہے۔

**انسان کو ہر دو عالموں میں نورِ الٰہی کے بدُون چارہ نہیں**

پس جب انسان کے لئے دو عالم ہوئے ایک اُسکے جسم کا اور دوسرا اُسکی روح کا تو جیسے جسم کے عالم میں وہ آفتاب و مہتاب کی ضرورت سمجھتا ہے اور امن وبرکت حاصل کرنے کے لئے سب کا محتاج ہوتا ہے۔ اسی طرح روحی برکات حاصل کرنے کے لئے اس کو عالمِ ارواح کے آفتاب و مہتاب کی بھی ضرورت ہے اور جسم کی طرح اپنے قلب وروح کو بھی پاک صاف بنانے کے لئے چشمہائے علومِ نبوت والوہیت سے استفادہ کی لازماً حاجت ہے۔

**انسان کی تینوں حالتوں میں اسکی اعانت پروردگار کی طرف سے**

اسلئے حق تعالیٰ شانہ نے سورہ ناس میں انسان کو اس دشمنِ ملکیت اور مقوی بہیمیت و سبعیت سے بچانے کے لئے جو کبھی عالمِ اجسام میں

انسان کے پیچھے پڑجاتا ہے تو کبھی عالم ارواح میں پہونچکر اُس کی روح کو تیرہ و تاریک کر دیتا ہے۔ اپنے تین اسمائے حسنہ سے تعوّذ سکھلایا۔ اور اپنی صفات ثلاثہ کی غیر متناہی طاقت شیطان کے مقابلہ کے لئے عطا کی یعنی ظاہری دشمنوں سے تعوذ کے لئے تو سورہ فلق میں اسمائے حسنیٰ میں سے صرف ایک اسم رب الفلق سے تعوذ سکھلایا اور باطنی دشمن کے مقابلہ کے لئے اسمائے حسنیٰ میں سے اپنے تین اسموں یعنی ربّ الناس ملکِ الناس الٰہ الناس سے پناہِ باری حاصل کرنا سکھلائی اور لڑکپن اور شباب و شیب تینوں حالتوں میں اسکی دستگیری فرمائی یعنی اگر شیطان لڑکپن میں ستائے تو ربّ الناس سے کنایہ فرمایا گیا کہ تو اس پروردگار کی طرف رجوع کر جو تیرا اور تیرے ماں باپ اور تیرے جملہ آباؤ اجداد یہانتک کہ آدمؑ و حواؑ کا پالنے والا ہے اور اگر جوانی کے عالم میں شیطان تیرے مقابلہ پر آئے تو تو ملک الناس کی عدالت میں جا کھڑا ہو جسکی شہنشاہیت نہ صرف کواکب و سیارات ہی پر ہے بلکہ دُنیا کی تمام سلطنتیں اور زمین و آسمان کا ہر تختہ جسکے زیر فرمان اور دل کی کلیں جسکے ہاتھ میں ہیں جسطرف کو چاہے پلٹ کر رکھدے۔ اور اگر بڑھاپے کی حالت میں شیطان پیچھا نہ چھوڑے تو تو اُس مسجود و معبود کی طرف رجوع کر جسکے ہاتھ میں دُنیائے فانی کا انجام و اتمام ہے اور ہر قسم کے نفع و ضرر کی باگ ڈور ہے۔

**ملخص مضامین منفصل** آخری حاصل اِن سب مضامین کا یہ ہے کہ جس طرح حق تعالیٰ نے ہر انسان میں ملکیت و سبعیت و بہیمیت کی تین قوتیں ودلیعت کی ہیں اور ہر ایک کے نشو و ارتقاء کے لئے ظاہری و باطنی سامان جُدا جُدا پیدا کئے ہیں مثلاً قوتِ بہیمیہ کی ظاہری پرورش کے لئے قسم قسم کے پھل اور پھول غذائیں اور دوائیں پیدا کیں اور قوتِ غضبیہ کو کار آمد بنانے کے لئے لوہے کو زمین پر نازل کر کے امن اور جنگ کو اُس میں مضمر فرمایا۔ اور قوتِ ملکیہ کی تربیت کے لئے بذریعہ انبیاء علیہم السّلام علمِ الٰہی کو قائم کیا تو ان ہر سہ قوتوں کی باطنی تربیت کے لئے خدا نے اپنی صفات ثلثہ ربّ الناس ملک الناس الٰہ الناس کی تجلیات بھی حضرت انسان کامل صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ عطا کیں تاکہ انسان خیر و شر کی مخلوط آزمایش میں تعوذ حق کی راہ سے کامیاب ہو کر دارین کی سرخروئی حاصل کرے۔ وصلے اللہ تعالیٰ علے خیر خلقہ محمد و آلہ وصحبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

العبد الضعیف محمد طاہر بن احمد القاسمی کان اللہ لہٗ

۹ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ
یوم عرفہ

ضمیمہ اول

# فضائلِ استعاذہ

لطائف استعاذہ کو بیان کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوا کہ فضائل استعاذہ کو بھی اپنے رنگ میں کتب معتبرہ سے اخذ کرکے پیش کیا جائے اور معوذتین کے سلسلہ میں سحر کی اہم بحث کی طرح ان کے جزوِ قرآن ہونے کے متعلق جو اختلاف قرن صحابہ میں واقع ہوا تھا اسپر بھی کچھ روشنی ڈالی جائے تاکہ ہر جہت سے رسالہ ہذا مکمل ہو جائے۔ اسلئے ہر دو بحثوں کے متعلق دو جُدا جُدا ضمیمے بھی رسالہ ہذا کے ساتھ شامل کئے جاتے ہیں۔ حق تعالیٰ اُن کو قبول فرمائے۔ آمین۔

استعاذہ کی ضرورت اور اُس کے فضائل پر اگرچہ مختلف مقامات میں روشنی ڈالی جا چکی ہے تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسپر مستقلاً بھی بحث کیجائے اور اس بارہ میں تفاسیر متداولہ و مشہورہ میں جو نکتہ آفرینیاں کی گئیں ہیں ان کا ملخص بھی اپنے مذاق کے موافق پیش کر دیا جائے تاکہ استعاذہ کا کوئی پہلو تشنہ نہ رہے سو بالاختصار اسقدر عرض ہے کہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" مفتاحُ للخیر ہے تو "فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم" مغلاقٌ للشر ہے جیسے کسی مکان کے دروازوں میں سے اُن دروازوں کو تو بند کر دیا کرتے ہیں جن سے چوروں کے آنے کا اندیشہ ہوتا ہے اور اُن دروازوں کو کھول دیا کرتے ہیں جن سے ہوائے لطیف کی درآمد برآمد ہوتی ہے اسی طرح قصر اعمالِ خیر و شر میں سے "استعذ باللہ" سے شر کے اُن تمام دروازوں کو بند کر دیا گیا ہے جن سے شیطان کا دخل ہوتا تھا اور خیر کے اُن تمام دروازوں کو "بسم اللہ" سے کھول دیا گیا ہے جن سے رحمان اور اُس کے فرشتے داخل ہوتے ہیں۔

ابن مسعود رض سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ" گناہوں کو بخشتا ہے تو "اُعوذ باللہ" گناہوں سے بچاتا ہے اور بسم اللہ سے اطاعت کے دروازے وا ہوتے ہیں تو اعوذ باللہ سے معصیت کے دروازے مسدود ہو جاتے ہیں۔

معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص تین بار تعوذ کری

اور تین بار سورہ حشر پڑھے ستّر ہزار فرشتے اُسکے لئے استغفار کرنیکے واسطے حق تعالیٰ معین فرماتے ہیں اور لاکھوں استغفار کرنے والوں کے لئے کروڑوں فرشتوں کا پیدا ہونا خلاف عقل بھی نہیں اسلئے کہ حبیب خدا کے نام بزرگ پر نثار ہونے والی مخلوق میں برکت وسلام آتا ہے اور جتنی مخلوق خدا کیلئے نثار ہوتی ہے اس سے زیادہ پیدا کردی جاتی ہے تو اسی اسلوب پر نورانی مخلوق کو سمجھئے بالخصوص ایسی صورت میں کہ خدا کی نورانیت کے لئے کوئی حد اور کوئی نہایت نہیں ہے۔

**استعاذہ وردِ انبیاء ہے** استعاذہ کی فضیلت بس اس سے ظاہر ہے کہ جسقدر جلیل القدر انبیاء علیہم السّلام گذرے ہیں سب ہی سے استعاذہ منقول ہے۔ اور دونوں جہان کی سعادتیں اسی کی بدولت اُنہوں نے حاصل فرمائی ہیں۔

**برکاتِ استعاذہ** چنانچہ حضرت نوح نجی اللہ علیہ السّلام نے اعوذ بك ان اسئلك ما لیس لی بہ علم فرمایا تو اسکی برکت سے حضرت حق کی مخاطبت کے شرف اور سلام وبرکات کی بے انتہا عزت اور مطمئن کرنے والی بشارت سے معزز وممتاز ہوئے اور ارشادِ حق ہوا یا نوح اھبط بسلام منا وبرکات علیك۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اعوذ بالذی خلقنی فھدانی من شر ما عصاہ فرمایا تو واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا کے خلعتِ محبّت سے نوازے گئے۔ حضرت یوسف صدیق اللہ نے معاذ اللہ انہ ربی احسن مثوای فرمایا تو عصمت کی کرامت سے مشرف وہمکنار ہوئے جیساکہ آیۂ کذلك لنصرف عنہ السوء والفحشاء سے واضح ہے۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا استعاذہ انی عذت بربی وربکم ان ترجمون کے لفظوں سے ہوا تو عزتِ مکالمت وکلم اللہ موسیٰ تکلیما سے بہرہ اندوز ہوئے۔ حضرت عمران رضی کی زوجہ نے انی اعیذھا بك وذریتھا من الشیطان الرجیم فرمایا تو اُس کی بدولت فتقبلھا ربھا بقبول حسن کی نعمت سے نوازی گئیں۔

سب سے آخر میں حضرت شافع یوم المحشر محمّد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے حقیقی مؤدب ومربی کی تعلیم سے اعوذ بك رب ان یحضرون فرمایا تو اس کے صلہ میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے دو نعمتیں عطا فرمائیں اول دنیا میں آپکی محبّت واتباع کو حق تعالیٰ نے اپنی محبّت کا جزو لازم ٹھیرایا۔ کما قال تعالیٰ۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی دوسری مرتبہ شفاعت پر آپکو فائز فرمایا:۔ کما اشار بہ تعالیٰ عسٰے ان یبعثك ربك مقاما محمودا۔

۲

استعاذہ سے دو نعمتیں میسر آتی ہیں

اسی طرح امتِ محمدیہ میں جو استعاذہ کریگا وہ بھی دو ہی نعمتیں پاتا رہیگا اوّل رضائے پروردگار جو رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ سے مستفاد ہے دوسرے آخرت میں حق تعالیٰ کا دیدار جو وجوہ یومئذٍ ناظرۃ الیٰ ربھا ناظرہ سے مستنبط و مستخرج ہے۔

استعاذہ کے اصولی مواقع خمسہ

چونکہ شرور کی بھی پانچ قسمیں ہیں۔ جیسا کہ شر ما خلق شر غاسق شر النفثٰت فی العقد اور شر حاسد اذا حسد شر الوسواس الخناس سے ظاہر ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچ ارکانِ عبادت کی طرح پانچ ہی اصولی مواقع پر استعاذہ کا حکم ہوا۔

اوّل قرأتِ قرآن کے موقعہ پر جیسا کہ فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم سے ظاہر ہے جسکی وجہ بظاہر یہ ہے کہ یہ کلام پاک چونکہ سرتاسر نور ہی نور ہے اسلئے بندۂ عاصی جو آلایشاتِ شیطانی و اثراتِ نفسانی کی وجہ سے دنرات گناہِ دائمی کا شکار ہے اور عیب خلقت کی وجہ سے گناہ سے کسی طرح بھی سوائے فضل مخصوص کے بچ نہیں سکتا۔ اس کلام کا جب ہی اہل ہوسکتا ہے جبکہ اعوذ باللہ کی دیا سلائی سے اولاً شیطان کے ہر قسم کے خار دار درختوں کو اپنی زمینِ قلب سے پھونک ڈالے۔ اور اپنے دل کی زمین کو اثراتِ شیطانیہ سے پاک و صاف بنالے تاکہ بسم اللہ کا تخم خیر اور قرآن پاک کا نورِ لطیف اسمیں قرار پکڑے اسلئے ضرورت ہے کہ جب قاری تلاوتِ قرآن شروع کرے تو اس سے پیشتر استعاذہ سے اپنے دل کو پاک کرلے تاکہ پاکی کا جلوہ بآسانی اس میں نمودار ہوسکے۔

دوسرا موقع استعاذہ کا ہمزات الشیاطین کا وقوع ہے کما قال تعالیٰ قل رّبِ اعوذ بک من ھمزات الشیاطین واعوذ بک ربّ ان یحضرون۔ جیسے چور اسی وقت کسی کے یہاں جاتے ہیں جب دیکھتے ہیں کہ مالک مکان سو رہا ہے یا اس کیطرف سے حفاظت کا کوئی انتظام نہ ہو لیکن جب انہیں معلوم ہوجائے کہ مالک مکان نے کوتوالی سے پولیس منگا رکھی ہے تو پھٹکتے تک نہیں اور اگر آتے بھی ہیں تو فوراً ہی بھاگ پڑتے ہیں اسی طرح ہمزات الشیاطین کو سمجھئے کہ وہ جب ہی آتے ہیں جبکہ انسان کو غافل دیکھیں لیکن جب انسان تعوذِ خداوندی سے لیس ہوگا تو پھر کیا مجال ہے کہ شیطنت کا کوئی وار بھی ہوسکے۔ تیسرا موقع استعاذہ کا شرورِ مخلوقات کا موقع ہے جو اعوذ برب الفلق بتلا رہا ہے۔ چوتھا موقع نزغ نازغات ہے یعنی شیطان کا قوتِ غضبیہ کو حرکت میں لاکر اخلاقِ حمیدہ سے دور کردینا ہے جسکو آیۂ واما ینزغنک من الشیطان نزغ فاستعذ باللہ انہ ھو السمیع العلیم ظاہر فرما رہی ہے اسمیں بھی حکم ہوا کہ خدا سے پناہ

طلب کرو کیونکہ شیطان کے دھوکے کسی طرح بھی کم ہونے والے نہیں جب تک تم خدا کی رحمت کا چھینٹا اپنے قہر و غضب پر نہ ڈال لوگے۔ پانچواں موقع وسوسۂ جنات کا موقع ہی جسکے لئے حکم باری یہ ہے، قل اعوذ برب الناس ملک الناس اللہ الناس

**تعریف استعاذہ** حاصل یہ ہی کہ اعوذ مشتق ہی عاذ یعوذ عوذاً سے اس کا مصدر عوذ بھی آتا ہی اور عیاذاً بھی۔ عوذ التجا کو کہتے ہیں یعنی ماسوی اللہ سے منقطع ہوجانا گو استغفار میں بھی یہ التجا ایک درجہ میں حاصل ہے۔

**استغفار و استعاذہ کا باہمی فرق** لیکن اسمیں انقطاع ماسوی اللہ کا مفہوم اسدرجہ واضح نہیں ہی جیسا کہ تعوذ میں ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی لفظ سے تو اثباتی پہلو مراد ہو اور کسی سے منفی پہلو۔ سو جہاں نفی کا پہلو دکھلانا مقصود ہوگا وہاں وہی لفظ مقدم ہوگا جو منفی پہلو کو واضح کرتا ہو اور جہاں اثباتی پہلو کا دکھلانا مقصود ہوگا وہاں اسکو مقدم کرینگے۔ غرض خدا سے متصل ہونے کے لئے اسکی ضرورت ہی کہ آدمی پہلے غیر اللہ سے منقطع ہولے تب ہی خالق سے مل سکتا ہی کیونکہ اسکی شان مخلوق سے بہت ہی بلند و بالا اور وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے اسی لئے قرآن حکیم کا افتتاح بھی جملہ التعوذ سے کیا جاتا ہی اور اختتام بھی معوذتین پر ہوتا ہی جس سے اشارہ ہے کہ یہ کلام الٰہی از ابتدا تا انتہا شیطان اور اُسکے متبعین کے تصرف اور دخل سے مصئون و مبرا ہے اسکی ابتدا سے شیطان کو نکال دیا جاتا ہی تو اسکی انتہا سے شیطان کے داخلہ ہی کو سرے سے بند کردیا جاتا ہی۔

**امت محمدیہ کے بحیثیت مجموعی گمراہ نہ ہونے کا راز اور ختم نبوت کی حکمت** اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیف تہلک امۃ انا قائدہا وعیسیٰ سائقہا یعنی میری امت (بحیثیت مجموعی) کیسے گمراہ ہوسکتی ہے جبکہ اسکا قاید تو میں ہوں اور سائق اسکے عیسیٰ علیہ السلام ہیں یعنی افراط و تفریط کے وقت اصلی چہرۂ دین محمدی کا کبھی نہیں چھپ سکتا اور نہ حدّ اعتدال ہی گھٹ بڑھ سکتا ہی کیونکہ اس کے ایک سرے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو حدّ اعتدال سے اسکو بڑھنے نہیں دیتے تو دوسرے سرے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جو اس حدّ اعتدال کو پیچھے نہیں ہٹنے دیتے۔ اس حدیث سے یہ بھی سمجھ لو کہ پھر اس امت میں عہدۂ نبوت پر فائز ہوکر کسی نبی کے آنیکی ضرورت کیا ہی جبکہ امت محمدیہ بادشاہِ عالمِ امکان اور اسکے جرنیلِ اعلیٰ کے مابین محصور اور انکی وجہ سے مرحوم ہی اسپر بھی متنبّی قادیاں کا دعویٰ نبوت کرنا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئی کے مطابق فہرستِ دجّالین ہی میں اپنا نام لکھوانا نہیں تو اور کیا ہے۔

**قرائتِ قرآن کیوقت استعاذہ کی ضرورت** جواہر التفسیر میں ہی کہ قرآن شریف پڑھنے کیوقت استعاذہ کی وجہ یہ ہے کہ قاری ہمکلام خدا ہوتا ہی اور شیطان انسان کو اس شرفِ مکالمتِ الٰہی سے باز رکھنا چاہتا ہی اور یہ حسد اسکو اس بنا پر ہے کہ کبھی وہ بھی اس دولت کی بدولت شاد تھا اور رنج نامحرومیت سے آزاد تھا۔ اسی واسطے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت حق کے

شرفِ مکالمت سے بہرہ اندوز ہو رہی تھے تو شیطان حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قدموں کے نیچے سے نکلا اور مکالمت
دم بھر اُن کو باز رکھا پس اسکا دفعیہ بغیر استعاذہ کے ممکن نہ تھا اسلئے وقتِ تلاوۃ قرآن تعوذ کا حکم ہوا۔
تفسیر کبیر میں تعوذ کا سبب اسطرح مرقوم ہے کہ قرآنِ حکیم کے پڑھنے والیکو لازم ہے کہ وہ شیطان کے واقعہ کو پیش نظر
رکھے اور غور کرے کہ وہ لئیم جامع شرِ ذخیم باوجود یکہ ملائکہ کے ہمقرین تھا مگر نافرمانی اور روگردانی کے سبب کیسا مردود
درجیم ہوا۔ غرض جسطرح قرآنِ عزیز کے چھونے کے واسطے طہارتِ ظاہری کی شرط ہے۔

استعاذہ سے طہارتِ باطنی حاصل ہوتی ہے

اسی طرح قراءۃ القرآن کیلئے طہارتِ باطنی بھی ضروری ہے، اور وہ استعاذہ ہی سے ہوتی ہے چنانچہ امام جعفرؓ کا قول ہے التعوذ تطهير الفم من الكذب والغيبة والبهتان تعظيما لقراءة القرآن
اس کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ انسان کی زبان و قلب اکثر غیبت و بہتان کذب و افترا سے ملوث رہتے ہیں اسلئے کلامِ پاک کے اجراء کیوقت ضروری ہے کہ قلب و زبان کو دریائے تعوذ میں پاک کیا جائے۔ اور اس کے بعد کلام پاک قلبِ مطہر و زبانِ طاہر پر جاری کیا جائے اور اسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی رقیق اور لطیف غذا جب انسان چمچے سے اپنے مُنہ میں لیجاتا ہے تو اُس سے پیشتر چمچہ کو اگر وہ گرد آلود ہو تو صاف کر لیا کرتا ہے تاکہ اس غذائے لطیف میں تکدر نہ آئے۔ اور پوری طرح لذت و نفع حاصل ہو ایسے ہی جب اس ذکرِ حکیم کی غذائے روحانی سے انسان تغذیۂ روحانی حاصل کرے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے اپنی زبان و دل کو تعوذ و استعاذہ سے پاک کرلے۔

تعوذ بالملائکہ کیوں نہیں ہوتا

اگرچہ تعوذ بالملائکہ بھی ممکن تھا اور ملائکہ بھی اسپر قادر ہیں کہ شیطان کے مکائد کے جال سے انسان کو نجات دلادیں لیکن حق تعالیٰ نے انسان کو چونکہ اشرفِ کائنات اور خلاصۂ کائنات جامع الحقائق بنایا ہے اور اسکے جملہ تعلقات و معاملات نفع و ضرر کا تعلق براہِ راست حق تعالیٰ نے اپنے ہی سے رکھا ہے اسلئے استعاذہ بھی اپنی ہی ذات سے وابستہ فرمایا اور انسان کو فرشتوں کا محتاج اس بارہ میں نہ فرمایا۔ جس طرح اللہ کے نام کے ساتھ بسم اللہ میں اُسکی صفاتِ کاملہ میں سے دو صفتوں کو ذکر کیا گیا ہے اسی طرح فاستعذ باللہ من الشیطان میں رجیم کی صفت کو ذکر کیا گیا ہے جو اسکی صفاتِ قبیحہ میں بہت ہی اعلیٰ صفت ہے۔

شیطان کی صفتِ رجم اور اُسکی تحقیق

رجم کہتے ہیں پتھراؤ کرنا یعنی بری سے بُری صورت سے کسی کو ہلاک اور قتل کرنا۔ سو شیطان اول عاصی ہونے کی وجہ سے اور اپنے انتہائی اعمالِ خبیثہ و صفاتِ ذمیمہ کی وجہ سے ہر قسم کے عذاب اور ہلاکت و قتل کا سزاوار ہے۔ چنانچہ آسمانوں پر اگر جاتا ہے تو مرجوم بالنجوم ہوتا ہے اور اگر مومنین کے قلوب پر اور مجاریٔ دم میں داخل و وارد ہوتا ہے تو لاحول ولا قوۃ اور استعاذہ

۵

پتھروں سے زخمی ہوتا ہے۔ جیسے مکڑی کی غذا مکھی ہے لیکن مکھی اُسوقت تک مکڑی کے قبضہ میں
نہیں آتی جب تک وہ جالا نہیں تنتی اور جالا تن جانے پر مکھی یہ سمجھکر کہ یہاں کوئی کھانے کی چیز
ہے کھانے کی طمع میں جالے پر جاکر پھنس جاتی ہے اسی طرح شیطان کا اہلِ ایمان کو بھی
یک بیک پھانس لینا آسان نہیں ہوتا۔ اسلئے وہ شہواتِ نفسانیہ ولذاتِ جسمانیہ کے جال
بچھاتا ہے اور جرائم و معاصی کے دانے اُسپر ڈال کر انسان کو بُلاتا ہے جو اُسکو بھلے نظر آتے ہیں
اور پھر بآسانی وہ پھنس جاتا ہے (ماخوذ تفسیر کبیر۔ تفسیر خازن تبصیر الرحمٰن وغیرہ)

پس اس جال سے بچنے کی اگر کوئی صورت ہے تو وہ استعاذہ ہی ہے لیکن استعاذہ محض
زبان ہی پر ہو تو حق تعالیٰ کے ہاں معتبر نہیں ہے جب تک قلب بھی اس کے ساتھ متحد نہ ہو کیونکہ
بحالتِ نفاق استعاذہ کی حقیقت نہ مؤثر ہوسکیگی نہ واضح :۔

**شیطان کی شرکت فی الاموال** بلکہ شیطان انسان کا برابر شریکِ زندگی رہیگا کما قال تعالیٰ وشارکھم
فی الاموال والاولاد۔ شیطان کی شرکت انسان کے ساتھ اموال میں تو اس طرح ہوتی ہے کہ مال و دولت
کا آمد و صرف تخمینۂ الٰہی کے موافق نہ ہو بلکہ میزانِ مصارف سرکار احدیت کے مقررہ اصول کے خلاف
آئے خواہ زیادتی کی صورت میں جسے اسراف کہتے ہیں خواہ تنگی و بخل کے ساتھ جسے امساک کہتے ہیں
سو یہ دونوں علامتیں قلب میں شیطان کی دخیلکاری و موروثی ہونے کی طرف مشیر ہیں۔ کیونکہ
ان دونوں صورتوں میں انسان مال و دولت کے حصول میں دن رات مستغرق رہکر شیطان ہی
کا بھائی بنجاتا ہے۔ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین۔

اور بخل و امساک کی شکل میں روپیہ گو وافر ہوتا ہے مگر اس جمع مال سے حرص کا مادّہ تیز
ہو جاتا ہے اور انسان دن رات کسب زر میں حلال و حرام سے قطع نظر کرتے ہوئے متبع قارون ہو جاتا
ہے۔ اور اسراف کی حالت میں طمع بڑھجاتی ہے کیونکہ جس قدر واہیات خرافات میں روپیہ صرف ہوتا
ہے اُسی قدر حصولِ زر کی تمنا و طمع بڑھتی رہتی ہے پس معلوم ہوا کہ نہ حد سے زیادہ حصولِ زر میں غلو
کرنا مقصودِ شریعت ہے نہ ہر کس و ناکس کا ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہنا اور خدا کے خزائن السموات و
الارض کی برکات کو حاصل نہ کرنا مطلوب اسلام ہے۔ بلکہ جس طرح ہر سلسلہ میں توسط و اعتدال
عمودِ شریعت ہے، اس سلسلہ میں بھی یہی توسط و اعتدال راہ محمود ہے۔

٦

شیطان کی شرکت علی الاولاد

اور اولاد میں شیطان کی شرکت کی صورت یہ ہے کہ انسان کی اولاد مسلوب العقل، مخبوط الحواس، مقلوب الاعضا پیدا ہو۔

چنانچہ آج جو مسلمانوں کی نسلیں اور اولادیں علی العموم بیکار محض لایق سوختنی نہ قابل فروختنی پیدا ہو رہی ہیں اور جوہر انسانیت کسی کسی فردِ بشر میں دیکھا جاتا ہے۔ جسے دیکھو علم سے بیزار نظر آتا ہے۔ جہاں دیکھو کج راہی، کج بحثی، جہل مرکّب میں یہ قوم معاند، مبتلا نظر آرہی ہے۔ اِس کا اصلی سبب یہی تو ہے کہ مسلمانوں کے دلوں سے اللہ و رسول کا ڈر اور اُن کی عظمت نکل چکی ہے۔ دین کو ایک کھیل سمجھتے ہیں۔ مادیات میں دن رات مشغول و منہمک ہیں۔ الٰہیات سے متنفر و بے خبر ہیں۔ اسی لئے اُن کی نسلوں میں بھی اور اُن کے نطفوں میں بھی وہی اثرات شیطنت شریک ہو کر برسرِ ظہور آرہے ہیں جو اُن کے آباء میں تھے۔

مسلمانوں کی موجودہ حالت

جن کا نتیجہ مسلسل یہ ہے کہ مسلمان ہی آج ہر جگہ ہر سلسلہ میں ذلیل و پست نظر آرہے ہیں۔ نہیں سمجھتے کہ جب روح و جسم سے ہم مرکب ہیں اور دونوں عالموں سے ہمارا سابقہ اور واسطہ ہے تو ایک عالم سے بے خبر ہو جاتے کی کیا کیا مضرتیں ہیں۔

آج ایک طائفہ تو وہ ہے جس کا وظیفہ صرف یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو محض عالمِ آخرت ہی کا سبق دے اور دُنیا سے نااہل و ناکارہ بنا دے۔

دوسرے فریق کا عمل یہ ہے کہ اس نے دین کو ہی سرے سے خیرباد کہہ کر دُنیا ہی کو پکڑ لیا تو بھلا انسانیت کیسے مکمل ہو۔ کیا زمین و آسمان کے کمالات و عجائب اور اُن سے اخذِ فیض و برکت مسلمانوں کا حصّہ نہیں۔ کیا خدا کی رضا کا حصول اور سعادتِ دین کا اخذ مسلمان کا وظیفہ نہیں۔؟

مگر دین کو تو یہ سمجھ کر ہمنے ایک طرف رکھدیا کہ خدا غنی عن العالمین ہے۔ طاعت کے لئے کچھ کم نہیں کروبیاں۔ ہماری عبادت کی اُسے کیا پرواہ ہے۔ کی، کی، نہ کی، نہ بھی کی۔

اور دنیا کو یہ سمجھ کر ہمنے برباد کر دیا کہ خدا کا ہم سے وعدہ ہے وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا۔ لیکن افسوس ہمنے حق تعالیٰ کی دوسری ہدایات و ارشادات کو یکسر بھلا دیا۔ اپنی خواہش نفسانی کے مطابق جو بات نظر آئی اُس کو تو لیلیا اور جو بات خلافِ نفس

و خلافِ طبیعت دیکھی اُسے چھوڑ دیا افتؤمنون ببعضٍ و تکفرون ببعض۔

اسی لئے نہ ہمیں عبادت کا ذوق رہا نہ تجارت کا شوق نہ صنعت و حرفت میں دماغ سوزی کا ملکہ ہم میں باقی ہے۔ نہ زراعت کی صعوبتوں سے راحت حاصل کرنے کا چسکہ۔ ہاں ضمیر فروشی نفاق دیے دینے میں ہم طاق ہیں کوئی لڑنے جھگڑنے کا سبق ہم سے لے۔ جُڑے ہوئے دلوں کو پاش پاش کر دینا ہم سے سیکھے۔ بنے بنائے کاموں کو برباد کرنا ہمارے احوال سے معلوم کرے۔ آہ شیطان کی غلامی ہمارا وظیفہ ہے تو بُری راہ سے کمانا ہمارا شعار ہے اور جو بھی دُنیا میں بُرائی کے سلسلے ہو سکتے ہیں آج ہم مسلمان اُن میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔

لیکن اگر اس کے بالمقابل اپنی ہمسایہ قوموں کو دیکھئے تو وہ دُنیا کی لائن میں کہیں ہم سے افضل ہیں۔ اور اپنے مذہب کے موافق خواہ وہ واقع میں کیسا ہی لچر اور پوچ مذہب کیوں نہیں لیکن اُسپر بہی پختہ ہیں۔ ہر روز سب سے پہلے اُنہیں اپنے پرماتما کی بندگی بجالانا ایک کارِ طبعی ہے۔ اور ہم مسلمانوں کے لئے خود کما کر کھانا اور رزق دینے والے مالک کو یاد کرتے رہنے سے زیادہ ہمارے لئے کوئی مشکل کام نہیں۔ اور اسپر ستم یہ ہے کہ قصور وار بھی ہم اپنے نزدیک خود نہیں بلکہ مذہب اسلام ہی کو ہم مانعِ ترقی سمجھنے کا چور دلوں میں پوشیدہ کئے ہوئے ہیں حالانکہ جب اسلامی تعلیمات نے یہ واضح کر دیا کہ علم کی زینت اعمالِ صالحہ ہیں اور اعمال کی زینت علم ہے۔ اور اسلام نے جبکہ ایک طرف لا رھبانیۃ فی الاسلام کی تعلیم دی ہے اور دوسری طرف حیوٰۃ الدنیا و زینتھا کو غیر مقصود ٹھیرایا ہے اور اس افراط و تفریط کے درمیان ایک خطِ اعتدال و خطِ مستقیم کھینچ دیا ہے اور حدِّ اعتدال سے تجاوز کو گمراہی قرار دیا ہے تو خدارا تمہیں انصاف کرو کہ اگر ہم علمِ الٰہی سے بے بہرہ رہیں یا اعمالِ حسنہ سے کورے ہو جائیں اور اس وجہ سے ہمپر ذلت و مسکنت کا عذاب مسلط ہو جائے تو اسمیں قصور کس کا ہے؟ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ ایسی صورت میں اپنے نفس و عقل کے ساتھ ایسا حسنِ ظن رکھنا اور خدا کے ساتھ ایسی بدظنی رکھنا خود ہمارے لئے ایک مستقل آفت ہے۔

حق تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم عطا فرمائے اور شیطان کی ترغیب اور افراط و تفریط سے ہمکو مامون فرمائے ÷ آمین۔

# اقسامِ استعاذہ

گذشتہ صفحات میں استعاذہ کے چند مواقع ہمنے بیان کئے تھے لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ استعاذہ کی جملہ اصولی و فروعی مواقع و اقسام کو قرآن و حدیث سے پوری کاوش کے ساتھ یکجا جمع کر کے ہدیۂ ناظرین کیا جائے۔ اور موقع بموقع ہر مقام کی کیفیت استعاذہ پر بھی کچھ نہ کچھ روشنی ڈالی جائے تاکہ استعاذہ کی ضرورت و اہمیت پوری طرح ذہن نشین اور اس بارہ میں بصیرت پیدا ہو اور یہ خدمت ندرت کی شکل اختیار کرے گویہ جمع و ترتیب کافی وقت اور پوری یکسوئی کو چاہتی ہے لیکن اپنے بعض اکابر کی توجہ دلانے پر یہ خیال ہمیں ایسے وقت میں پیدا ہوا کہ کاتب صاحب رسالہ ہذا کو تقریباً ختم کر چکے تھے پھر ہمارے کاتب صاحب کی رفتارِ کتابت بھی ماشاء اللہ بہت ہی مسلسل اور سریع تھی اسلئے کاتب صاحب ہی کی رفتار کے مطابق ہمیں بھی یہ مسودہ غیر معمولی مصروفیت کے ساتھ تیار کرنا پڑا اسلئے تتبع آیاتِ قرآنی و روایاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے جسقدر مواقع مستحضر ہوئے اُن کا ملخص مع تشریحاتِ ضروریہ کے پیش کیا جاتا ہے۔ اپنی دانست میں تو ہمنے کوئی اہم موقعِ استعاذہ کا کتبِ حدیث وغیرہ سے مع اُسکی تشریح کے چھوڑا نہیں ہے لیکن اگر بعد الطبع کوئی موقع ایسا نظر آیا یا کوئی اور مہذب ترتیب ذہن میں آئی تو طبع ثانی میں انشاء اللہ اس کا لحاظ کیا جاویگا۔ چونکہ استعاذہ قرآن میں بھی آیا ہے اور حدیث میں بھی۔ اور استعاذہ فی القرآن اور استعاذہ فی الحدیث میں وہی نسبت ہے جو اجمال کو تفصیل سے ہوا کرتی ہے یا اصول کو فروع سے یا تخم شجر کو شجر کے ساتھ ہوتی ہے اسلئے اولاً **استعاذہ فی القرآن** کو پیش کیا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد **استعاذہ فی الحدیث** کو بیان کیا جاویگا۔

احادیثِ استعاذہ میں جو امور مکرر نظر آئے اُن کو عنوانات میں حتی الوسع شامل نہیں کیا گیا ہے

آیاتِ استعاذہ میں جو اصولی ترتیب ہمنے قائم کی ہے مناسب ہے کہ قبل التفصیل اسکو بھی پیش کر دیا جائے۔ سو ہمارے علم میں قرآنِ حکیم میں استعاذہ یا اعمال المفرۃ یا اوصاف المفرۃ و اشیاء المفرۃ

فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللّٰه من الشیطان الرجیم

آئینۂ اسلام سالہ

# التعوذ فی الاسلام

۱۳۵۴ھ ۱۹۳۵ء

یعنی

## تشریح مضامین و مطالب سورۂ فلق و سورۂ ناس قرآن حکیم

جس میں

علم الٰہی سے علم سحر کا تقابل دکھلاتے ہوئے شیطان رجیم اور علم سحر کی حقیقت و واقعیت پر شافی و جامع بحث کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ آفاتِ انسانی کی عقلاً و نقلاً پانچ ہی شکلیں ہو سکتی ہیں جن کا واحد علاج تعوذ باللہ اور معوذتین ہی ہے اسی کے ضمن میں متعدد مہماتِ فکریہ و اسرارِ الٰہیہ کو سر کر کے قلوب مسلمین میں ایقان و عرفان کی ایک نئی روشنی پیدا کی گئی ہے۔

مؤلف

جناب مولانا محمد طاہر صاحب بن حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب بن حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب رحمہما اللہ ناظم کتبخانہ دارالعلوم دیوبند

مطبع قاسمی دیوبند ضلع سہارنپور میں طبع ہوا

# اقسامِ استعاذہ

"گذشتہ صفحات میں استعاذہ کے چند مواقع ہمنے بیان کیے تھے لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ استعاذہ کی جملہ اصولی وفروعی مواقع واقسام کو قرآن وحدیث سے پوری کاوش کے ساتھ یکجا جمع کرکے ہدیۂ ناظرین کیا جائے۔ اور موقع بموقع ہر مقام کی کیفیت استعاذہ پر بھی کچھ نہ کچھ روشنی ڈالی جائے تاکہ استعاذہ کی ضرورت واہمیت پوری طرح ذہن نشین اور اس بارہ میں بصیرت پیدا ہو اور یہ خدمت ندرت کی شکل اختیار کرے گو یہ جمع وترتیب کافی وقت اور پوری یکسوئی کو چاہتی ہے لیکن اپنے بعض اکابر کی توجہ دلانے پر یہ خیال ہمیں ایسے وقت میں پیدا ہوا کہ کاتب صاحب رسالہ ہذا کو تقریباً ختم کرچکے تھے پھر ہمارے کاتب صاحب کی رفتارِ کتابت بھی ماشاء اللہ بہت ہی مسلسل اور سریع تھی اسلئے کاتب صاحب ہی کی رفتار کے مطابق ہمیں بھی یہ مسودہ غیر معمولی مصروفیت کے ساتھ تیار کرنا پڑا اسلئے تتبع آیاتِ قرآنی وروایاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے جسقدر مواقع مستحضر ہوئے اُن کا ملخص مع تشریحاتِ ضروریہ کے پیش کیا جاتا ہے۔ اپنی دانست میں تو ہمنے کوئی اہم موقعِ استعاذہ کا کتب حدیث وغیرہ سے مع اُسکی تشریح کے چھوڑا نہیں ہے لیکن اگر بعد الطبع کوئی موقع ایسا نظر آیا یا کوئی اور مہذب ترتیب ذہن میں آئی تو طبع ثانی میں انشاء اللہ اس کا لحاظ کیا جاویگا۔ چونکہ استعاذہ قرآن میں بھی آیا ہے اور حدیث میں بھی۔ اور استعاذہ فی القرآن اور استعاذہ فی الحدیث میں وہی نسبت ہے جو اجمال کو تفصیل سے ہوا کرتی ہے یا اصول کو فروع سے یا تخم شجر کو شجر کے ساتھ ہوتی ہے اسلئے اولاً **استعاذہ فی القرآن** کو پیش کیا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد **استعاذہ فی الحدیث** کو بیان کیا جاویگا۔

احادیثِ استعاذہ میں جو امور مکرر نظر آئے اُن کو عنوانات میں حتی الوسع شامل نہیں کیا گیا ہے

آیاتِ استعاذہ میں جو اصولی ترتیب ہمنے قائم کی ہے مناسب ہے کہ قبل التفصیل اسکو بھی پیش کردیا جائے۔ سو ہمارے علم میں قرآنِ حکیم میں استعاذہ یا اعمال المفرۃ واوصاف المفرۃ واشیاء المفرۃ

سے ہوا ہے یا استعاذہ اعیان واشخاص سے ہوا ہے۔ پھر جن اعیان واشخاص سے استعاذہ کیا گیا ہے یا وہ خاص ہیں یا عام اور اُن میں بھی یا اعیان مرئی ہیں یا غیر مرئی۔ اس اعتبار سے استعاذہ فی القرآن کی چار قسمیں ہوگئیں۔"

# الاستعاذة فی القرآن

| | |
|---|---|
| قسم اول الاستعاذة من الاعمال المضرة والاوصاف المضرة | جنکی آیتیں حسب ذیل ہیں (۱) واذ قال موسیٰ لقومه ان الله یامرکم الخ پ ۱ ع د (۲) ونادی نوح ربه فقال رب ان |

ابنی من اهلی الخ پ ۱۲ ع ۳ (۳) قال معاذ الله انه ربی احسن مثوای پ ۱۲ ع ۱۲ (۴) قال معاذ الله ان ناخذ الا من وجدنا متاعنا عنده پ ۱۳ ع ۳ (۵) ان الذین یجادلون فی آیات الله بغیر سلطان اتٰهم الخ پ ۲۴ ع ۱۰ - (۶) انی عذت بربی وربکم ان ترجمون پ ۲۵ ع ۱۴ - (۷)

| | |
|---|---|
| قسم دوم الاستعاذة من اعیان العامة | (۱) اعوذ برب الفلق من شر ما خلق۔ |

قسم سوم الاستعاذة (۱) واذکر فی الکتاب مریم الخ پ ۱۶ ع (۲) النفوس

| | |
|---|---|
| من اعیان الخاصة المرئیة | الحاسدة کما قال تعالیٰ من شر حاسد اذا حسد۔ |

(۳) والنفوس الساحرة کما قال تعالیٰ من شر النفّٰثٰت فی العقد پ عم آخر۔

| | |
|---|---|
| قسم چہارم الاستعاذة من اعیان الخاصة المخفیة | (۱) واما ینزغنک من الشیطان نزغ فاستعذ بالله پ ۹ ع ۱۳ (۲) انی اعیذها بک وذریتها من الشیطٰن الرجیم پ ۳ ع ۱۱ (۳) اذا قرأت القرآن فاستعذ بالله |

من الشیطان الرجیم پ ۱۴ ع ۱۸ (۴) قل رب اعوذ بک من همزات الشیاطین الخ پ ۱۸ ع ۵ (۵) قل اعوذ برب الناس الخ پ عم آخر (۶) لا تستوی الحسنة ولا السیئة (الیٰ) فاستعذ بالله من الشیطان الرجیم پ ۲۴ ع ۱۸۔

# الاستعاذة من الاعمال المضرة

| | |
|---|---|
| (۱) استعاذہ موسیٰ علیه السلام | قال تعالیٰ واذ قال موسیٰ لقومه ان الله یامرکم ان تذبحوا |

بقرة قالوا اتتخذنا هزوا قال اعوذ بالله ان اکون من الجاهلین پ ۱ ع ۸

(ترجمہ) اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے اللہ فرماتا ہے تمکو ذبح کرو ایک گائے وہ بولے کیا تو ہم سے ہنسی کرتا ہے کہا پناہ خدا کی کہ ہوں میں جاہلوں میں سے۔

(تشریح) مضمونِ رکوع سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل نے خدا کے اس حکم کو کہ مس بقرہ سے مقتول زندہ ہوگا اپنی عقل کوتاہ کے خلاف سمجھکر استہزا کیا اور اس بات کی کوشش نہیں کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو واقف اسرارِ آلہیۃ اور حِکَم عقلیہ و نقلیہ پر مطلع تھے حقیقت حال معلوم کرتے اسی بنا پر حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کے اس استہزا کو جہل کہکر تعوذ کیا۔

(نتیجہ) پس معلوم ہوا کہ احکامِ آلہیہ جو فی الحقیقت حکم و مصالح کائنات پر مشتمل اور اُن کو حاوی ہیں اُن کی حقیقت و مصلحت کو معلوم کرنے سے قبل اپنی عقل قاصر سے کوئی شخص اگر انہیں خلافِ عقل اور مزاحم فطرت قرار دیکر استہزا کرے تو یہ ایک اسرائیلی جہالت ہوگی۔ جس سے متبعینِ انبیاء کو تعوذ کرنا چاہیئے۔ تاکہ انسان ایسی جہالتوں میں نہ پڑے پس یہ استعاذہٗ موسوی جہل پر واقع ہے جو قسم اول میں داخل ہے۔

(۲) استعاذہ نوح علیہ السّلام | اسی طرح نا معلوم الحقیقت اشیاء پر حضرت نوح علیہ السّلام نے استعاذہ فرمایا۔ کما قال تعالیٰ۔ ونادیٰ نوح ربہ فقال رب ان ابنی من اھلی وان وعدک الحق وانت احکم الحاکمین۔ قال یا نوح انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح فلا تسئلن مالیس لک بہ علم انی اعظک ان تکون من الجاھلین۔ قال رب انی اعوذبک ان اسئلک مالیس بہ علم والا تغفرلی وترحمنی اکن من الخاسرین۔

11

(ترجمہ) (یعنی طوفان آجانے کے بعد) جب پکارا نوح نے اپنے پروردگار کو کہ اے پروردگار میرا بیٹا ہے میرے گھر والوں میں (اور گھر والوں کی سلامتی کے لئے) بیشک تیرا وعدہ (سلامتی) سچا اور حق ہے اور تو سب سے بڑا حاکم ہے تو فرمایا اللہ تعالیٰ نے اے نوح (وہ تیرا بیٹا کافر) تیرے اہل میں سے نہیں ہے کیونکہ اُس کے افعال خراب ہیں سو مت پوچھ مجھسے جو تجکو معلوم نہیں میں نصیحت کرتا ہوں تجکو کہ نہ ہو جاوے تو جاہلوں میں۔ فرمایا اے رب میں پناہ لیتا ہوں تیری اس سے کہ پوچھوں تجھسے جو معلوم نہ ہو مجھکو اور اگر تو نہ بخشے مجھکو اور رحم نہ کرے تو میں ہوں نقصان والوں میں۔

(التشریح) حضرت نوح علیہ السّلام نے بارگاہِ آلہی میں ایک ایسے مقصد کی تکمیل کے متعلق درخواست دی تھی کہ جس کا وقوع مصلحت خداوندی کے خلاف تھا یعنی حضرت نوح نے اپنے فرزند

بچاؤ کی درخواست اس خیال سے دی کہ ان کا فرزند اہل کی سلامتی کے وعدہ الٰہی میں داخل ہے حضرت نوح علیہ السّلام نے اہل کے لغوی معنے سمجھے اور علمِ الٰہی میں اسکے شرعی معنے مراد تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے قبل از استفسار منشائے الٰہی جوشِ محبت میں اکبو درخواست کرنے میں عجلت فرمائی جسپر عتابِ الٰہی ہوا وہ نبی تھے اور بذریعہ وحی منشأِ خداوندی اُن کو معلوم ہوسکتا تھا کہ اہل سے خدا کی کیا مراد ہے لیکن اُنہوں نے بجائے استفسار کے اپنے کافر بیٹے کے لئے سلامتی کی درخواست پیش کی جو مصلحتِ خداوندی کے مخالف ہوئی لیکن اگر یہ کہا جائے کہ ہماری بھی بہت سی تمنائیں اور خواہشیں ایسی ہوتی ہیں جو مصلحتِ خداوندی کے خلاف ہوتی ہیں اور ہم ایسی درخواست کیا کرتے ہیں تو اس قاعدہ سے ہمپر بھی عتاب ظاہر ہونا چاہیئے لیکن ایسا نہیں ہوتا تو اسکے متعلق یہ عرض ہے کہ ہماری درخواستیں اور انبیاء کی درخواست میں زمین و آسمان کا فرق ہے وہ اپنے مقاصد کی درخواست کرنیسے قبل منشأ الٰہی معلوم کرسکتے تھے کیونکہ وہ نبی تھے اور ہم ایسا نہیں کرسکتے اسلئے ہم مکلّف بالعتاب بھی نہیں قرار دئے گئے۔ ہماری درخواست اگر مصلحتِ خداوندی کے موافق ہوگی تو منظور ہوگی ورنہ رد کردی جائیگی۔

(نتیجہ) پس معلوم ہوا کہ انسان اگر اپنی محبتِ طبعی کی بنا پر اپنے اہل کے لئے یا اپنے اعزہ واقربا کے لئے خدا سے کوئی ایسی چیز طلب کرے جس کا اثر مرسلہ و منزلہ قواعد و کلیاتِ نظمِ الٰہی پر پڑتا ہو یا کوئی ایسا سوال کیا جاوے جو واقعہ کے تو مطابق نہو مگر انسان کی قوتِ متخیلہ اسے واقعہ کے مطابق سمجھے تو بیشک ایسے وقت میں استعاذہ اپنے پروردگار سے ہونا چاہیئے یہ استعاذہ بھی پہلی قسم میں داخل ہے۔

۱۲

(۳) استعاذہ یوسف علیہ السّلام | قال تعالیٰ ولما بلغ اشدہ اتینٰہ حکما

وعلما وکذلک نجزی المحسنین وراودتہ التی ھو فی بیتھا عن نفسہ وغلقت الابواب وقالت ھیت لک قال معاذ اللہ انہ ربی احسن مثوای انہ لا یفلح الظلمون۔ پ ۱۲ ع ۱۲

(ترجمہ) اور جب (حضرت یوسفؑ) پہنچ گئے اپنی قوت کو دیا ہمنے اُنکو حکم اور علم اور ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں ہم نیکی والوں کو اور پھسلایا اُن کو اُس عورت نے جسکے گھر میں تھا اپنا جی تھامنے سے اور بند کردئے دروازے اور بولی شتابی کر۔ کہا خدا کی پناہ وہ عزیز مالک ہے میرا اچھی طرح

رکھا ہے مجھکو بیشک بھلائی نہیں پاتے جو لوگ کہ بے انصاف ہوں۔

(تشریح) یہاں قوتِ شہوانی سے استعاذہ ہے جس کا شر درحقیقت نظم عالم کو برباد کرنیوالا ہے اور یہ استعاذہ بھی اسی قسم میں داخل ہے لہذا بطور استنباط معلوم ہوا کہ جب انسان پر بہار انسانیت مرتبۂ شباب کو پہونچے اور اُسے قدرت کے مرتبۂ رفیع پر بھی قدرت پہونچا دے اور اسباب نشاط بھی سب کے سب مہیا ہوں جن سے انسان کا راہِ مستقیم سے بھٹک جانا قریب تر ہو تو انسان کو چاہیئے کہ وہ خدا سے استعاذہ کرتا رہے جیساکہ حضرت یوسف علیہ السّلام کو حق تعالیٰ نے اس سخت امتحان میں کامیاب فرمایا۔ یہ استعاذہ بھی قسم اول میں داخل ہے۔

(۴) حضرت یوسف علیہ السّلام کا استعاذہ ثانی

قال تعالیٰ قالوا ان یسرق فقد سرق اخ له من قبل فاسرها یوسف فی نفسه ولم یبدها لهم قال انتم شر مکانا والله اعلم بما تصفون ۔ قالوا یا ایها العزیز ان له ابا شیخا کبیرا فخذ احدنا مکانه انا نراك من المحسنین ۔ قال معاذ الله ان ناخذ الا من وجدنا متاعنا عنده انا اذا لظالمون ٥ پ۱۳ ع۹

(ترجمہ) کہا انہوں نے (برادرانِ حضرت یوسفؑ) اگر اسنے چرایا تو چوری کی تھی اس کے ایک بھائی (یوسف) نے اس سے پہلے تب اپنے جی میں کہا یوسف نے اور اُن کو نہ جتایا کہ تم بدتر ہو درجہ میں اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم بیان کرتے ہو کہنے لگے اے عزیز اس کا ایک باپ ہے بوڑھا بڑی عمر کا سو رکھ لے ایک کو ہم میں سے اسکی جگہ ہم دیکھتے ہیں تو ہے احسان کرنے والا۔ فرمایا اللہ پناہ دے کہ ہم کسی کو پکڑیں مگر جسکے پاس پائی ہمنے اپنی چیز، نہیں تو ہم ضرور بے انصاف ہونگے۔

(تشریح) ظلم کو بربادی عالم میں جو خاص علاقہ ہے وہ اہلِ بصیرت پر مخفی نہیں اسلئے حضرت یوسفؑ کا اپنے بھائیوں کے سامنے ۲ استعاذہ ظلم نقل کرکے متوجہ کیا گیا ہے کہ اس وصف مہلک سے ہر مسلمان کو چاہیئے کہ استعاذہ کیا کرے اور کسی پر کوئی تہمت نہ لگائے کہ جس کا وہ مرتکب نہ ہوا ہو۔

(۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مجادلۂ آیات اور غرور سے استعاذہ کا حکم

قال تعالیٰ ان الذین یجادلون فی ایات الله بغیر سلطان اتٰهم ان فی صدورهم الا کبر ما هم ببالغیه فاستعذ بالله انه هو السمیع البصیر۔ پ۲۴ ع۱۱

(ترجمہ) وہ جو کہ جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں بغیر کسی سند کے جو پہونچی ہو اُن کو اور کوئی بات نہیں اُن کے دلوں میں غرور ہے کہ کبھی نہ پہونچیں گے اس تک سو تو پناہ مانگ اللہ کی بیشک وہ سنتا دیکھتا ہے۔

(تشریح) یہاں پر مجادلہ فی آیات اللہ میں کافروں کی نخوت وانانیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو استعاذہ کا حکم ہوا - یہ استعاذہ بھی قسم اول میں داخل ہے۔

(۶) سنگساری کی ایذا سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا استعاذہ | قال تعالیٰ انی عذت بربی وربکم ان ترجمون پ۲۵ (ترجمہ) میں پناہ لیچکا ہوں اپنے اور تمہارے رب سے کہ تم مجھکو سنگسار کرو۔ ۴

## ۲ الاستعاذۃ من اعیان العامۃ

(۱) شر ما خلق سے استعاذہ | قال تعالیٰ۔ قل اعوذ برب الفلق من شر ما خلق پ عم آخر۔

(ترجمہ) تو کہہ میں پناہ میں آیا صبح کی رب کی ہر چیز کی بُرائی سے جو اُسنے بنائی۔

(تشریح) عالم کی دو قسمیں ہیں ایک عالم امر اور ایک عالم خلق - کما قال تعالیٰ الا له الخلق والامر - عالم امر سراسر خیر محض ہے وہاں کسی قسم کا شر و فساد نہیں - البتہ عالم خلق میں خیر کے ساتھ شر و فساد رکھدیا گیا ہے لیکن فطرتِ انسانی میں غلبہ خیر ہی کو دیا گیا ہے کیونکہ اگر غلبہ شر کو ہوتا تو خلقت کا نفع معدوم رہتا اسلئے ہر قسم کے شر سے ہر انسان کو استعاذہ سکھلایا گیا۔

## ۳ الاستعاذۃ من اعیان الخاصۃ (المرئیۃ)

(۱) حضرت مریمؑ کا استعاذہ | قال تعالیٰ - واذکر فی الکتاب مریم اذ انتبذت من اهلها مکانا شرقیا فاتخذت من دونهم حجابا فارسلنا الیها روحنا فتمثل لها بشرا سویا قالت انی اعوذ بالرحمن منك ان کنت تقیا پ۱۶ ۴۶۔

(ترجمہ) اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس کتاب میں مریم کا بھی ذکر کیجئے جبکہ وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر ایک ایسے مکان میں جو شرق کیجانب میں تھا (غسل کیلئے گئیں پھر اُن (گھر والے) لوگوں کے سامنے سے اُنہوں نے پردہ ڈال لیا۔ بس (اس حالت میں) ہمنے اُن کے پاس اپنے فرشتہ (جبرئیل) کو بھیجا اور اُن کے سامنے ایک پورا آدمی بنکر ظاہر ہوا۔ کہنے لگیں کہ میں

(تشریح) یہ استعاذہ کی وہ کیفیت ہے کہ جب خدا انسان یا فرشتہ کے ذریعہ انسانیت کی بنیاد رحم میں ڈالتا ہے چونکہ شیطان کی ضرر رسانی رحمان کی نفع رسانی کی طرح نسل بنی آدم میں از پیدائش تا مرگ

قایم رہتا ہے اور جس طرح انسان کے طبعی اوصاف کم وبیش ہو کر ایک نسل سے دوسری نسل میں اور دوسری سے تیسری نسل میں منتقل ہوتے رہتے ہیں اسی طرح شیطان کی دشمنی بھی اسی نہج سے کم وبیش ایک نسل سے دوسری نسل میں اور دوسری سے تیسری نسل میں منتقل ہوتی رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ کبھی نسل مؤمن سے کافر پیدا ہو جاتے ہیں تو کبھی کافروں کی نسل سے مؤمن پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسلئے شیطان انسانیت کی بنیاد جس وقت قایم ہوتی ہے اسی وقت سے اپنا اثر بد نطفۂ انسانی میں شامل کر دینے کی سعی کیا کرتا ہے اسلئے حق تعالیٰ نے شیطان کی اس ابتدائی دشمنی پر جو درحقیقت انتہائی دشمنی ہے حضرت مریم کی زبان پر بوقت آمد روح حضرت مسیح کلمات استعاذہ جاری فرمائے۔ تاکہ اس اثر نفسانی سے حضرت روح اللہ محفوظ رہکر اسکی مغلوبیت کے باعث ہوں۔ یہ استعاذہ بھی قسم سوم میں داخل ہے۔

| | |
|---|---|
| (۲) نفوس حاسدہ سے استعاذہ | قال تعالیٰ ومن شر حاسد اذا حسد پ عم آخر۔ |

(ترجمہ) اور بدی سے برا چاہنے والے کی جب لگے ٹوکنے۔

(تشریح) یہاں صرف دکھلانا یہ ہے کہ یہ بھی اعیان مرئیہ کی قسم میں داخل ہے۔

| | |
|---|---|
| (۳) نفوس ساحرہ سے استعاذہ | ایضاً ہر دو کی تفصیل حصہ اول میں گذر چکی |

## الاستعاذۃ من اعیان الخاصۃ (المخفیۃ)

| | |
|---|---|
| (۱) افعال و اعمال میں شیطان کے غیرمرئی دخل سے استعاذہ | قال تعالیٰ - وقل رب اعوذ بک من ھمزات الشیاطین واعوذ بک رب ان یحضرون پ ۱۸ ع ۶ |

(ترجمہ) اور آپ یوں دعا کیا کیجئے کہ اے میرے رب میں آپکی پناہ مانگتا ہوں شیطان کے وسوسوں سے اور اے میرے رب میں آپکی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ شیطان میرے پاس بھی آویں

(تشریح) یہ قسم چہارم اعیان غیرمرئی کی ہے یہ استعاذہ کی وہ کیفیت ہے جبکہ شیطان انسان کے کاموں میں روڑے اٹکائے اور اسکی قوت غضبیہ کو بھڑکائے اور انسان سے چھیڑ چھاڑ کرے مگر نظر نہ آئے۔

| | |
|---|---|
| (۲) شیطان کے دخل سے قرأت قرآن کے وقت استعاذہ | قال تعالیٰ - اذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم - پ ۱۴ ع ۱۸ - |

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جہل سے استعاذہ کا حکم

قال تعالیٰ خُذِ العفو وَأمُرْ بِالعُرْفِ وَأعْرِضْ عن الجاهلين - واما ينزغنك من الشيطٰن نزغٌ فاستعذ بالله انه سميع عليم - پ ۹ ع ۱۴

(ترجمہ) سرسری برتاؤ کو قبول کرلیا کیجئے اور نیک کام کی تعلیم کردیا کیجئے اور جاہلوں سے ایک کنارہ ہو جایا کیجئے۔ اور اگر آپکو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے۔ بلاشبہ وہ خوب سُننے والا خوب جاننے والا ہے۔

(تشریح) بقرینہ صفت سمیع وعلیم معلوم ہوا کہ یہاں پر بھی شیطان غیر مرئی سے اور جن جاہلوں کے پس پردہ وہ کام کر رہا ہے انکی جہل سے استعاذہ کیا گیا ہے کیونکہ یہ جاہل غیبی معاملات کی نزاکت کو محسوس کئے بغیر اس میں قسم قسم کے جو شبہات و اعتراضات کرتے تھے اور قیامت پر استہزار کرتے تھے اسلئے شیطان غیر مرئی سے استعاذہ کیا گیا۔ یہ آیت بھی چوتھی قسم کے استعاذہ میں شامل ہے

(۴) حضرت مریم کی پیدائش پر اُن کیلئے اور اُنکی نسل کیلئے اُن کی والدہ کا استعاذہ

قال تعالیٰ وانی سمیتہا مریم وانی اعیذها بك وذریتہا من الشیطان الرجیم - پ ۳ ع ۱۱-



(۵) عالم باطن میں شیطان کی شرارت وسواس سے استعاذہ

پانچویں آیت اس سلسلہ میں یہ ہے - قال تعالیٰ قل اعوذ برب الناس ملك الناس اله الناس من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنة والناس ۵

(ترجمہ) آپ کہئے کہ میں آدمیوں کے مالک آدمیوں کے بادشاہ آدمیوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں۔ وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے (شیطان لعین غیر مرئی) کے شر سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے خواہ وہ (وسوسے ڈالنے والا) جن ہو یا آدمی (ہو)۔

(۶) شدتِ عداوت میں بدی کا بدلہ نیکی سے دینے کے وقت شیطان سے استعاذہ

قال تعالیٰ ولا تستوی الحسنة ولا السیئة - ادفع بالتی هی احسن فاذا الذی بینك وبینه عداوة كانه ولی حمیم ۵ وما یلقّٰها الا الذین صبروا وما یلقّٰها الا ذو حظ عظیم ۵ واما ینزغنك من الشیطان نزغ فاستعذ بالله انه هو السمیع العلیم ۵

غرض چاروں قسم کے شرور اقع میں حق تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو استعاذہ کی ضرورت و حقیقت پر مطلع و متنبہ کردیا جسکی تفصیل حضور نے اپنے صحابہ سے وقتاً فوقتاً دنیا کے ہزاروں واقعات میں فرمائی اور کوئی بُرائی ایسی نہ چھوڑی جسکے وقوع سے پہلے اور جسکے وقوع کے بعد استعاذہ نہ سکھلایا ہو - (اسکے بعد استعاذہ فی الصلٰوۃ ملاحظہ ہو)

# الاستعاذة فی الحدیث

## حزن و غم ۔ عاجزی و سستی ۔ بزدلی و بار قرض اور غلبہ رجال سے استعاذہ

) قال انس بن مالکؓ کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول اللھم انی اعوذ
بک من الھم والحزن والعجز والکسل والجبن وضلع الدین وغلبۃ الرجال
(بخاری ج ۲ مجتبائی ص۹۴۲ )

(تشریح ) انسان کو جو کمزوری پیش آتی ہے یا وہ لازمی ہوتی ہے یا متعدی اگر لازمی کمزوری ہے تو
وہ قلب سے متعلق ہوگی یا اعضاء سے ۔ قلب سے اگر تعلق رکھتی ہے تو ایسی کمزوری کا نام ہم اور
حزن ہے جو جہل عن التقدیر سے پیدا ہوتی ہے ۔ چنانچہ ہم اسکو کہتے ہیں کہ انسان کا کوئی مطلب
فوت ہو جائے اور اس پر انسان غم کرے ۔ گو اسکے فوت ہونے کے اسباب انسان کو معلوم نہوں
اور حزن اسکو کہتے ہیں کہ معلوم اسباب کی بنا پر انسان کا مطلب فوت ہو جائے اور اس وجہ سے
سوز غم لاحق ہو ۔ بہر حال غم کی یہ دونوں قسمیں روح انسانی کو کمزور کرتی ہیں اور انسان کی
عملی زندگی میں اسکو مقاصد اعلیٰ سے باز رکھتی ہیں کیونکہ ایسی صورتوں میں انسان صرف
اپنے نفس ہی کیطرف متوجہ ہوتا ہے اور اپنے فوت شدہ مطلب کے لئے رونا ہی لیکن اگر
اسے یہ معلوم ہو جائے کہ مطلب کا یہ فوت ہو جانا خدائے حکیم و قدیر کی تقدیر سے واقع ہوا ہے
جو کسی حال میں ٹل نہیں سکتی تھی اور میرا یہ غم اس فوت شدہ مطلب پر کوئی اثر نہیں ڈال
سکتا لہذا یہ غم کرنا بے سود ہے ۔ نیز مطلب کا فوت ہو جانا اگرچہ دارو ئے تلخ کی مانند ایک
ناگوار حالت ہے مگر چونکہ حکیم مطلق کے ہاتھ سے یہ حالت رونما ہوئی ہے اسلئے پُر از منفعت ہے
تو پھر اسے ایک صبر حاصل ہو جاتا ہے ۔ اسلئے ہم اور حزن سے تعوذ کی تعلیم دی گئی تاکہ انسان
اپنی عملی زندگی میں بدستور قوت قلب کے ساتھ مصروف کار رہے اور اگر وہ کمزوری اعضا سے متعلق ہے
تو اسکی حسب ذیل شکلیں ہونگی (۱ ) جو مقصد اعضائے انسانی سے متعلق ہے اسکی تکمیل میں چند رکاوٹیں

پیش آیا کرتی ہیں مثلاً یہ کہ انسان اپنے مقصد کی تکمیل سے اپنے آپکو قاصر و عاجز سمجھکر نا اُمید ہو جائے اور کوئی عملی قدم تکمیلِ مقصد کے لئے نہ اُٹھائے اس حالت کا نام عجز ہے۔

(۲) دوسری رکاوٹ یہ ہو کہ انسان کو اپنے مقصد کی تکمیل کا یقین ہے نا اُمیدی نہیں ہے لیکن تکمیلِ مقصد کے لئے بدن اور اعضائے جسم کو مشقت اور تعب اُٹھانا پڑتا ہے جس کے لئے وہ تیار نہیں ہیں اس حالت کا نام کسل اور سستی ہے (۳) تیسرے یہ کہ تکمیلِ مقصد کا یقین بھی ہے اور عملی مستعدی بھی مگر تکمیلِ مقصد میں جان کی اضاعت کا اندیشہ لاحق ہے اسلئے جان کے خوف کے سبب سے انسان اپنے مقصد سے دست بردار ہو جاتا ہے اور اُسے قربان کر دیتا ہے۔ اس حالت کا نام جبن اور نامردی ہے انسے بھی تعوذ کی تعلیم دیگئی۔

اور اگر متعدّی کمزوری ہے یعنی غیروں کے ہاتھ سے پیش آئے تو وہ جانی ہوگی یا مالی۔ مالی کمزوری تو یہ ہے کہ انسان طلبِ معیشت میں سُست ہے یا خرچ کے طریقوں میں اسراف کرتا ہے جسکی وجہ سے اُسے معیشت کے باب میں غیروں کی احتیاج ہوتی ہے۔ اور ان سے قرض لیتا ہے مگر ادا نہیں کر سکتا۔ اسی بنا پر قرض خواہ کی قوت کے نیچے حیوانات کی مانند مغلوبانہ زندگی بسر کرتا ہے اس بوجھل حالت اور اس قرضہ کی فراوانی کا نام ضلع الدین ہے۔ جانی کمزوری یہ ہے کہ ایک قوم اپنے اعلیٰ مقاصد کے لئے جانی قربانی کے لئے تیار نہیں ہے اور دوسری قوم تیار ہے لہذا پہلی قوم دوسری قوم کی محکوم اور غلام بنکر اُسکے زیرِ اقتدار مغلوبانہ زندگی بسر کرتی ہے اس حالت کا نام غلبۃ الرجال ہے

ان سب صور توں میں حق تعالےٰ کے رسول، خاتم صلے اللہ علیہ وسلم نے تعوذ کی تعلیم دی تاکہ انسان کی فوادی اور قلبی کمزوری ہو یا بدنی کمزوری ہو، لازمی ہو یا متعدّی ہو تمام کیفیاتِ مذکورۃ الصدر میں انسان خدا کی پناہ میں رہکر درجۂ اعتدال حاصل کرے۔

## بڑھاپا۔ عذابِ قبر۔ فتنۂ حیات و ممات سے استعاذہ

(۲) قال انس بن مالک رض کان نبی اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول اللّٰھم انی اعوذ بک من العجز والکسل والجبن والھرم واعوذ بک من عذاب القبر واعوذ بک

من فتنة المحيا والممات (بخاری ج ۲ ص ۹۴۳)

(تشریح) عمل سے انتہائی کمزوری اور بے چارگی کا نام ہرم ہے جسکو بڑھاپا کہتے ہیں۔ اسلئے کہ اس حالت کو پہونچکر انسان اپنے عملی فرائض کی وابستگی کے باوجود عمل نہیں کر سکتا اور اس حالت بیچارگی سے موت بہتر ہے کہ اسکی وجہ سے انسان عملی فرائض سے سبکدوش تو ہو جاتا ہے اسلئے اس حالت کیلئے بھی تعوذ کی تعلیم دی گئی تاکہ خداوند قادر و توانا کی مدد اس کیفیت کو انسان پر آسان کر دے۔

## ارذل عمر۔ تاوان۔ گناہ اثم۔ عذاب نار۔ فتنۂ نار۔ فتنۂ قبر۔ فتنۂ فقر فتنۂ غنا و شر مسیح الدجال سے استعاذہ

(۳) عن عائشة رض ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم کان یقول اللھم انی اعوذ بك من الکسل والھرم والمغرم والمأثم اللھم انی اعوذبك من عذاب النار وفتنة النار وفتنة القبر وعذاب القبر وشر فتنة الغنی وشر فتنة الفقر ومن شر فتنة المسیح الدجال۔ اللھم اغسل خطایای بماء الثلج والبرد ونق قلبی من الخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس وباعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب

19

(تشریح) یہ ایک قانون فطرت اور الٰہی منشاء ہے کہ جملہ امور میں توسط و اعتدال ہو اور یہی دنیا میں مطلوب و مستحسن ہے اور اسی کو صراط مستقیم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جو افراط و تفریط کے لفظوں سے ایک خط مستقیم کی مانند ہے اور اُن کے درمیان ہے اسی لئے اگر انسان کی حاجت روائی معتدل طریق پر ہو تو یہ بہترین زندگی ہے لیکن اگر زندگی اعتدال سے نکل جائے مثلاً انسان فقر اور تنگدستی میں مبتلا ہو جائے یا مال اتنا بڑھ جائے کہ حاجت سے بہت زیادہ ہو جس کا نام غنی ہے تو یہ دونوں حالتیں انسانی حیات پر تخریبی اثر ڈالتی ہیں۔ فقر کی حالت میں انسان خوشامدی ضمیر فروش، جرائم پیشہ اور افعال خسیسہ کا مرتکب ہوتا ہے اور غنا کی کیفیت میں انسان مغرور و متکبر خدا کی بندگی سے غافل اور سرکش ہو جاتا ہے۔ کلا ان الانسان لیطغٰی ان راٰہ استغنٰی اسلئے ان دونوں مضر اور غیر معتدل حالتوں سے تعوذ سکھلایا گیا۔ پس جو لوگ مال و دولت کے

حاصل کرنے میں انہماک کو قرآن وحدیث کی تعلیم قرار دیتے ہیں یا جو لوگ مسلمانوں کو بالکل اپاہج بناتے چلے جا رہے ہیں وہ ذرا اس تعلیم رسولؐ پر غور کریں کہ مقصود شریعت کیا ہے۔

شر مسیح الدجال | جس طرح ظاہری ظلمت کے بعد نور آتا ہے اور نور کے بعد ظلمت اسی طرح معنوی اور غیبی سلسلہ میں بھی یہی نظام جاری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال نورانیت کے بعد عقل اسکو مقتضی ہے کہ شیطنت کا بھی کمال آپ ہی کے دور نبوت میں ہو کر مغلوب ہو اور اسکی شکل یہی ہے کہ جس طرح حضور معجزات باہرہ کے ساتھ دنیا میں مبعوث ہوئے آپکی تعلیمات کے بالمقابل مسیح الدجال بھی اپنی ساحرانہ و باطلانہ قوت سے دنیا میں ظاہر ہو کر ایمانوں کی آزمائش کا ذریعہ قرار پائے۔ پس ایسی شر عظیم سے جسمیں محض انسان اپنی عقل کے زور سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا اسی رب اکبر کی طرف تعوذ کی تعلیم دی گئی جو نور و ظلمت، ایمان و کفر دونوں کا پیدا کرنیوالا اور پہلے کو دوسرے پر غالب و اغلب فرمانے والا ہے۔

## گدھے کی آواز سننے پر استعاذہ

(۴۰) عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا سمعتم صياح الديكة فسئلوا الله من فضله فانها رأت ملكا واذا سمعتم نهيق الحمار فتعوذوا بالله من الشيطان الرجيم - فانه رأى شيطانا (متفق علیہ) (مشکوٰة باب الدعوات فی الاوقات ص۲۱۳ مجتبائی)

(التشریح) مخلوق الٰہی میں سے بعض مخلوق ایسی ہے کہ جو شیطان سے قوی مناسبت رکھتی ہے اور بعض مخلوق وہ ہے جو صفات کمالیہ کا پرتو اپنے اندر رکھتی ہے۔ گدھا اس مخلوق میں سے ہے جسکو شیطان سے قوی مناسبت ہے جیسے گدھا بیوقوفی میں ضرب المثل ہے اسی طرح شیطان سے بڑھکر بھی حقیقت میں کوئی بیوقوف ہستی نہیں ہے جیسے گدھے کی آواز اپنی کراہت اور ناگواری سے روح انسانی پر برا اثر ڈالتی ہے یہی حال شیطانی وسوسوں کا بھی ہے وہ بھی انسان کی روح پر برا اثر ڈالتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ گدھے کی آواز کی ناگواری ظاہر ہے اور وسوسہ باطنی کی ناگواری پوشیدہ ہے اسلئے اس سے بھی تعوذ کی تعلیم دیگئی کیونکہ وہ اپنے دوست اور ہم جنس شیطان کو جب دیکھتا ہے تو آواز لگاتا ہے۔

## اہل اور مال میں برائی دیکھنے سے اور مشقت و مصائب سفر و انقلاب احوال اور بد دعائے مظلوم اور بعد خوشحالی کے تنگ حالی وغیرہ سے استعاذہ

(۵) عن عبد اللہ بن سرجس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سافر یتعوذ من وعثاء السفر وکآبۃ المنقلب والحور بعد الکور ودعوۃ المظلوم وسوء النظر فی الاھل والمال (رواہ مسلم) (مشکوۃ صـ ۲۱۳)

(تشریح) بکیسی انسان کے لئے جسقدر روح فرسا چیز ہے ظاہر ہے۔ سفر میں انسان غریب الوطن ہوتا ہے کسی سے کوئی شناسائی نہیں ہوتی ہے اور جو ملنے والے ہوتے بھی ہیں تو اُن کا درجہ بے تکلفی میں وہ نہیں ہوتا جو اپنے اعزہ کا ہوتا ہے۔ اسلئے انسان کو سفر میں ہر قسم کی جسمانی و روحانی تکلیفیں پہونچتی ہیں پس ایسے وقت میں کہ انسان سفر کے لئے آمادہ ہو اُس کو تعلیم دیگئی کہ وہ تعوذ کرے تاکہ پناہِ خداوندی سے راحت و آرام اُسکو مل سکے۔ اور حور بعد الکور سے بھی تعوذ سکھلایا گیا جسمیں انسان راحت کے بعد مصیبت اُٹھاتا ہے جو اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا کی فطری کیفیت کا عکس ہے۔

## کسی مکان میں اُترنے کے وقت استعاذہ

(۶) عن خولۃ بنت حکیم قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من نزل منزلا فقال اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق لم یضرہ شیء حتی یرتحل من منزلہ ذٰلک (رواہ مسلم) (مشکوۃ صـ ۲۱۳)

(تشریح) انسان چونکہ زمین پر مکین ہے اور زمین اُسکے لئے مکان ہے اس لئے اُس کو جسقدر بھی منفعت و مضرت پہونچتی ہے مکانی چیزوں ہی سے پہنچتی ہے مثلاً انسان جب کسی مکان میں ٹھیرتا ہے تو اُس میں اگر کوئی دشمن چھپا ہوا ہے یا درندہ موجود ہے جسکے حملہ کا ڈر ہے یا سانپ بچھو نکلنے کا خوف ہے یا آب و ہوا کی خرابی سے بیماری کا ڈر ہے ان جملہ حالات میں انسان کو تکلیف و ضرر پہونچیگا۔ اسلئے خدا سے تعوذ کے بغیر چارہ نہیں اور ان خطرات کی واحد صورت یہی ہے کہ جو ان چیزوں کا پیدا کرنیوالا ہے اُس کی پناہ میں انسان آجائے

تاکہ نہ پھر مکین سے اذیت ہو نہ مکان سے نہ جو اُس میں مخلوق ہو اُس سے۔

## حالتِ سفر میں رات کے وقت استعاذہ (نیز)

شر ارض وشر مافی الارض اور شر الدواب اور شیر اور سانپ بچھو اور سکانِ شہر اور جو چیزیں کہ پیدا ہونے والی ہیں یا پیدا ہو چکی ہیں ان تمام امور سے استعاذہ

(۷) عن ابن عمرؓ قال کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا سافر فاقبل اللیل قال یا ارض ربی و ربک اللہ اعوذ باللہ من شرک وشر ما فیک وشر ما خلق فیک وشر ما یدب علیک واعوذ باللہ من اسد واسود ومن الحیۃ والعقرب ومن شر ساکن البلد ومن والد وما ولد (رواہ ابوداؤد) (مشکوٰۃ ص۲۱۵)

(تشریح) مجوسیوں کا عقیدہ ہے کہ تمام مضرتوں کی جڑ شبِ تاریک ہی یہ عقیدہ گو اس شکل میں غلط ہے کیونکہ موثرِ حقیقی خدا ہے لیکن اسمیں شک نہیں کہ جسقدر موذی جانور ہیں وہ اپنی ایذارسانی میں رات ہی کے وقت کامیاب ہوتے ہیں دن کیوقت اُن کو زیادہ موقع نہیں ملتا اس لئے رات کی تاریکی سے خصوصیت سے تعوذ کیا گیا۔

۲۲

## گھر سے باہر نکلتے وقت استعاذہ

راستہ بھول جانے یا بھلائے جانے اور ظلم کرنے یا ظلم کئے جانے اور افعالِ جہالت سے استعاذہ

---

(۸) قالت ام سلمۃ ما خرج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من بیتی قط الا رفع طرفہ الی السماء فقال اللھم انی اعوذ بک ان اَضِلَّ او اُضَلَّ او اَظْلِمَ او اُظْلَمَ او اَجْھَلَ او یُجْھَلَ عَلَیَّ (رواہ ابن ماجہ) (مشکوٰۃ ص۲۱۵)

(تشریح) ظلمتِ معنوی تو یہ ہے کہ انسان خدا کے راستہ کو گم کرے اور اس سے استعاذہ فرمایا گیا ہے مگر ظلمتِ ظاہری کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ انسان راستہ بھٹک جائے یا کوئی اُسکو غلط راستہ بتلادے اور وہ ناواقف بجائے منزلِ مقصود پر پہونچنے کے غیر مقصود جگہ جا اترے یہ صورت بھی نہایت تکلیف دہ صورت ہے اسلئے اس ظلمت طرائق سے بھی استعاذہ فرمایا گیا تاکہ جو اللہ صراطِ مستقیم دکھلانے والا ہے وہی اس حالت میں اُس کا رہبر ہو۔

# بازار میں داخل ہوتے وقت استعاذہ

## شر سوق اور نقصان والی خرید و فروخت وغیرہ سے استعاذہ

(۹) عن بریدۃ قال کان النبی صلے اللہ علیہ وسلم اذا دخل السوق قال بسم اللہ اللھم انی اسئلک خیر ھذہ السوق وخیر ما فیہا واعوذبک من شرھا وشر ما فیہا اللھم انی اعوذ بک ان اصیب فیہا صفقۃ خاسرۃ۔ (رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر) مشکوۃ ص۲۱۷

(تشریح) تجارت فطرتِ انسانی میں داخل ہے کیونکہ انسان جملہ ضروریات وحاجات کو تجارت اور تبادلہ کے بغیر حاصل نہیں کرسکتا اس حیثیت سے بازار جانا تو ضروری ہوگا لیکن چونکہ ہر خیر کے ساتھ شر متعلق ہے اور ہر نفع کے ساتھ ضرر وابستہ ہے اور خرید و فروخت کے معاملات میں بائع ومشتری کے مابین بسا اوقات منازعت ومخاصمت کی نوبت آجاتی ہے جو بعض مرتبہ قتل وقتال تک پہنچ جاتی ہو نیز انسان ایک چیز کو بہتر سمجھکر بازار میں خریدتا ہے اور وہی بسا اوقات ضرر کا باعث ہوجاتی ہے مثلاً اس میں کوئی عیب پوشیدہ ہوتا ہے یا اس چیز کا خریدنا قانونِ الٰہی کے خلاف ہوتا ہے یا اسکو انسان گران قیمت پر خریدتا ہے جس سے نفع کم اور نقصان زیادہ ہوجاتا ہے۔ یا مثلاً اسکو خرید و فروخت کرتے ہوئے چوروں نے بھی دیکھ لیا اور مالدار سمجھکر اسکے پیچھے ہولئے اور موقع پاکر اس کا کل سامان چھین لیا اور اسے قتل کرڈالا ایسی جملہ کیفیات ومضرات سے بچاؤ کے لئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بازار میں داخل ہوتے وقت تعوذ سکھلایا تاکہ انسان خدا کی پناہ میں آکر ان تمام مضرتوں سے بچ جائے

۲۳

## اپنے اعمال کے شر سے استعاذہ

(۱۰) عن عائشۃ رض قالت کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول اللھم انی اعوذبک من شر ما عملت ومن شر مالم اعمل بہ (رواہ مسلم) مشکوۃ ص۲۱۷

(تشریح) انسان کے خمیر میں خیر بھی ہے اور شر بھی لیکن مطلوب الٰہی یہ ہے کہ خیر کا اعمال سے ظہور ہو اور شر پر انسان غالب آئے اسلئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مادہ کو ہمیشہ خیر سے مغلوب رہنے کے لئے استعاذہ کی تلقین فرمائی۔

## فقر۔ تنگدستی اور ذلت ظالمیت ومظلومیت سے استعاذہ

(۱۱) عن ابی ھریرۃ رض ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان یقول اللھم انی اعوذبک

من الفقر و القلة والذلة و اعوذ بك من ان اظلم او اظلم (رواه ابوداؤد والنسائی)

## بد خلقی اور باہمی اختلاف اور نفاق سے استعاذہ

(۱۲) عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان یقول اللھم انی اعوذ بک من الشقاق والنفاق وسوء الاخلاق (رواہ ابوداؤد والنسائی)

(تشریح) انسانی حیات کی تعمیر اتحاد و اتفاق باہمی پر موقوف ہے لیکن اگر یہ کیفیت اتفاق و اتحاد جو محض خداوند عالم کا مخصوص اور مشاہد فضل ہے اور اُسکی عطا ہے نفاق و اختلاف سے بدل جائے تو وہ انسان جو بحالت اتفاق ایک دوسرے کے لئے معین و مددگار تھے بدترین دشمن بن جاتے ہیں اور قوموں کے زوال کا بہت بڑا سبب یہی اختلاف اور نفاق ہے جس کا دور کرنا باہمی قدرت ہی کے ہاتھ میں ہے اسلئے جب نفاق و اختلاف پیدا ہو جائے تو تعوذ کی تعلیم دیگئی۔

## بھوک اور خیانت سے استعاذہ

(۱۳) عن ابی ھریرۃ رض ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان یقول اللھم انی اعوذ بک من الجوع فانہ بئس الضجیع واعوذ بک من الخیانۃ فانھا بئست البطانۃ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ)

(تشریح) بھوک اُس کیفیت کا نام ہے جب انسان اپنی خواہشِ تغذیہ کو پورا کئے بغیر نہ رہ سکے اور مضطرب ہو جائے علےٰ ہذا خیانت اُس کیفیت کا نام ہے کہ کسی کا روپیہ انسان کے ہاتھ میں آئے اور وہ اُسکو صحیح و سالم رکھنے پر قادر نہ رہے اور اپنے غلبۂ حرص و طمع سے مجبور ہو کر امانت غیر میں خیانت کرے اسلئے اس حالت میں بھی انسان کے صابر و قانع بننے کی صرف یہی صورت ہے کہ وہ تعوذ کرے۔

## برص - جذام - جنون - امراض خبیثہ سے استعاذہ

(۱۴) عن انس رض ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان یقول اللھم انی اعوذ بک من البرص والجذام والجنون ومن سیئ الاسقام (رواہ ابوداؤد والنسائی)

(تشریح) بیماریاں دو قسم کی ہوتی ہیں ایک وہ جن سے انسانی طبائع نفرت کرتی ہوں جیسے برص جذام جنون وغیرہ۔ دوسرے وہ بیماریاں جن سے انسانی طبائع نفرت نہیں کرتیں جیسے بخار، درد سر وغیرہ اول الذکر بیماریاں ایسی ہیں کہ اُن میں مبتلا ہونیکے بعد انسان اپنے ہم جنسوں کے ساتھ بیٹھنے

قابل نہیں رہتا جس سے انسانی تمدن کی تباہی لازم آتی ہے۔ اور مؤخر الذکر بیماریوں میں تمدن قائم رہتا ہے پہلی قسم سے تعوذ سکھلایا گیا۔ اور دوسری قسم سے نہیں۔

## اخلاقِ بد۔ اعمالِ سیئہ و ہوائے نفسانی سے استعاذہ

(۱۴) عن قطبة بن مالک رضی اللہ عنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللّٰھم انی اعوذ بک من منکرات الاخلاق والاعمال والاھواء (رواہ الترمذی)

(تشریح) اخلاقِ حسنہ واخلاقِ سیئہ گو تبدیل نہیں ہو سکتے بلکہ جیسے اخلاق قدرت نے کسی کے بنا دئیے ہیں ویسے ہی اخلاق رہتے ہیں لیکن تعوذ کی برکت سے یہ ضرور ہوتا ہے کہ اعمالِ حسنہ اخلاقِ رذیلہ کو غالب نہیں ہونے دیتے اسلئے اخلاقِ سیئہ سے تعوذ سکھلایا گیا۔

## مکان اوپر گر جانے۔ کسی اونچے مکان سے گر پڑنے۔ پانی میں ڈوب جانے آگ میں جل جانے۔ موت کے وقت شیطان کے بدحواس کردینے میدانِ جہاد میں پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہوئے مرجانے اور ایسی موت سے جو زہریلے جانوروں کی وجہ سے ہو استعاذہ

۲۵

(۱۵) عن ابی الیسر رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یدعو اللّٰھم انی اعوذ بک من الھدم واعوذ بک من التردی ومن الغرق والحرق والھرم واعوذ بک من ان یتخبطنی الشیطان عند الموت واعوذ بک من ان اموت فی سبیلک مدبرا واعوذ بک من ان اموت لدیغا (رواہ ابوداؤد والنسائی)

(تشریح) موت کے اقسام متعدد ہیں۔ ایک قسم تو موت کی یہ ہے کہ جسمیں انسان دیر سے مرتا ہے اور انسان کو توبہ وصیت وغیرہ کی توفیق ہو جاتی ہے۔ دوسری وہ موت ہے کہ جس میں انسان اچانک مرجاتا ہے اور اُسے توبہ وصیت وغیرہ کی توفیق کا موقع نہیں ملتا۔ مذکورہ بالا صورتوں سے اس لئے تعوذ سکھلایا گیا ہے تاکہ انسان کا آخر توبۃ النصوح پر ہو

## شرِ نفس سے استعاذہ

(۱۶) عن عمران بن حصین قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لابی یا حصین اما انک لو اسلمت علمتک کلمتین تنفعانک قال فلما اسلم حصین قال یا رسول اللہ علمنی الکلمتین اللتین وعدتنی فقال قل اللّٰھم الھمنی رشدی واعذنی

من شر نفسی (رواہ الترمذی)

(تشریح) شر نفسانی کا چونکہ شیطان کے ساتھ بعینہ ایسا ہی تعلق ہے جیسے بجلی کا تعلق اپنے کنکشن سے ہوا کرتا ہے اس لئے اس سے بھی تعوذ کی تعلیم دی گئی۔ تاکہ انسان کا نفس سیدھا چلے۔

## نیند میں چونک جانے کیوقت غضب الٰہی و عذاب الٰہی اور لوگوں کے شر اور وساوس شیطانی سے استعاذہ

(۱۷) عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال اذا فزع احدکم فی النوم فلیقل اعوذ بکلمات اللہ التامات من غضبہ وعقابہ وشر عبادہ ومن ھمزات الشیاطین وان یحضرون فانھا لن تضرہ وکان عبد اللہ بن عمرو یعلمہا من بلغ من ولدہ ومن لم یبلغ منھم کتبہا فی صک ثم علقہا فی عنقہ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

اس کا مضمون استعاذہ کے بارہ میں اس قدر ظاہر ہے کہ محتاج تشریح نہیں

## کفر سے استعاذہ

(۱۸) عن مسلم بن ابی بکرۃ قال کان یقول فی دبر الصلوۃ اللھم انی اعوذبک من الکفر والفقر وعذاب القبر فکنت اقولہن فقال ای بنی عمن اخذت ھذا قلت عنک قال ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان یقولہن فی دبر الصلوۃ (رواہ الترمذی)

اسکی تشریح بھی محتاج بیان نہیں۔

## وضو کرتے وقت نحوست اور تباہی سے استعاذہ

(۱۹) ان للوضوء شیطانا یقال لہ الولھان فاستعیذوا باللہ منہ۔ اللھم انی اسئلک الیمن والبرکۃ واعوذبک من الشوم والھلکۃ (احیاء العلوم جلد ۲)

تشریح کی حاجت نہیں۔

## فتنۂ دُنیا اور بخل سے استعاذہ

(۲۰) عن مصعب بن سعد عن ابیہ قال کان یعلمنا خمسا کان یقول کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یدعو بھن ویقولھن اللّٰھم انی اعوذ بک من البخل واعوذ بک من الجبن واعوذ بک ان ارد الی ارذل العمر واعوذ بک من فتنۃ الدنیا واعوذ بک من عذاب القبر (رواہ النسائی)

(تشریح) بخل چونکہ مناع للخیر اور مضیق فیض الٰہی ہے اس لئے اس سے بھی استعاذہ ضروری ہے

## شرِ سمع وبصر ولسان وقلب اور مادۂ منویہ کے شر سے استعاذہ

(۲۱) عن شکل بن حمید قال اتیت النبی صلے اللہ علیہ وسلم فقلت یا نبی اللہ علمنی تعوذا انعوذ بہ فاخذ بیدی ثم قال قل اعوذ بک من شر سمعی وشر بصری وشر لسانی وشر قلبی وشر منیی قال حتی حفظتہا قال سعد والمنی ماءہ (رواہ النسائی)

(تشریح) بدن انسانی کا حصۂ مکرم انسان کا دماغ اور چہرہ ہے اسی حصہ میں حواس خمسہ کی قوتیں مجتمع رہتی ہیں اور یہی قوت منویہ کا منبع ومخزن ہے اسلئے شر سمع وبصر ولسان وغیرہ سے استعاذہ کی تعلیم کے ساتھ شر قوت منویہ سے بھی تعوذ سکھلایا گیا کیونکہ اگر یہ قوت غیر محل میں صرف ہوگی تو انسان کیلئے ابدی راحت اور نجات کی کوئی شکل ہی نہ ہوگی۔

## علم غیر نافع۔ قلب غیر خاشع۔ نفس غیر قانع۔ اور دعاء غیر مستجاب سے استعاذہ

(۲۲) انہ سمع اباھریرۃ یقول کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول اللّٰھم انی اعوذبک من الاربع من علم لا ینفع ومن قلب لا یخشع ومن نفس لا تشبع ومن دعاء لا یسمع۔ (رواہ النسائی)

(تشریح) کارخانۂ عالم کے جملہ کاروبار حضرت حق جل مجدہ کے تحت قدرت جاری ہیں اسی لئے انسان جس طرح بادشاہوں کے آگے اپنی وہ حاجتیں اور ضرورتیں پیش کیا کرتا ہے جو خود نہیں کرسکتا اسی طرح انسان احکم الحاکمین کے روبرو بھی ان کاموں کے انجام وانصرام کی درخواست کیا کرتا ہے جسکو اسکی قوت انجام نہیں دے سکتی۔ اور اس سے اعانت کی درخواست کیا کرتا ہے لیکن اگر حاکم ناراض ہو اور وہ درخواست کو قبول نہ کرتا ہو تو ایسی حالت میں جبکہ

اس کام کو انسان نہ خود کر سکتا ہے نہ ہی حاکم اسکی درخواست سنتا ہے سخت پریشانی کا موقع ہوگا اور انسان کو ایسی حالت میں تلخ زندگی بسر کرنی پڑیگی اسلئے اس حالت میں رحمتِ ربی کو متوجہ کرنے کے لئے تعوذ سکھلایا گیا۔

یہاں پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ تعوذ تو امر مذموم سے ہوتا ہے اور عدم استجابتِ دعا کو مذمت سے کیا علاقہ ہے۔ اسلئے یہ عرض ہے کہ استجابت کے معنیٰ ہیں توجہ رب الی العبد کے اور اس کا عدم بلاشبہ ایک امر غیر محمود ہے جسپر تعوذ سکھلایا گیا ہے۔

## قرض سے استعاذہ

(۴۳) عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اعوذ باللہ من الکفر والدّین فقال رجل اتعدل الدین بالکفر قال نعم (رواہ النسائی)

اس کی تشریح نمبر (۱) میں گذر چکی ہے

## غلبۂ عدو اور شماتتِ اعداء سے استعاذہ

۲۸ (۴۴) عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یدعو بھٰذہ الکلمات اللّٰھم انی اعوذ بک من غلبۃ الدّین وغلبۃ العدو وشماتۃ الاعداء (رواہ النسائی)

(تشریح) دشمنوں کے لعن وطعن اور اُن کے اندر گھر جانے اور اُن کے غلبہ پا جانے کی مصیبتیں کچھ ایسی پوشیدہ نہیں کہ جسکی تشریح کی ضرورت ہو ہر شخص ایسے وقت میں خود بخود اپنے مالک کو یاد کیا کرتا ہے اور اُسی کی پناہ لیا کرتا ہے۔

## سوءِ خاتمہ، سوءِ قضاء اور مصیبتِ عظیمہ سے استعاذہ

(۴۵) عن ابی ھریرۃ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتعوذ من ھٰذہ الثلثۃ من درک الشقاء وشماتۃ الاعداء وسوء القضاء وجھد البلاء۔ (رواہ النسائی)

(تشریح) نظامِ عالم، الٰہی پروگرام کا عکس ہے جس کا نام تقدیر ہے اگر قلم تقدیر کسی انسان کے مطالب ومقاصد کے خلاف چلے تو وہ انسان تاابد اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا اسلئے کامیابی کی کنجی تقدیرِ الٰہی کی موافقت ہے۔ اور لبسا اوقات ناموافقتِ تقدیر کسی دعا کے اثر سے

موافق بنجاتی ہے جسکو تقدیر معلق کہتے ہیں۔ اس بناء پر سوء تقدیر کو حسن تقدیر سے بدلنے کے لئے تعوذ سکھلایا گیا۔

## انسان اور جنات کی نظر بد سے استعاذہ

(۲۶) عن ابی سعید قال کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یتعوذ من عین الجان وعین الانس فلما نزلت المعوذتان اخذ بھما وترک ما سوی ذلک (رواہ النسائی)

(تشریح) فن مسمریزم نے یہ راز طشت از بام کر دیا ہے کہ انسان کی نگاہ نہایت طاقتور چیز ہے اور میں تو کہتا ہوں کہ حدیث میں جو سمع و بصر کے شر سے پناہ الٰہی طلب کی گئی ہے۔ اس پناہ الٰہی سے انہیں محفوظ کہنا درحقیقت اس راز کو طشت از بام کرنا تھا کہ جو قوت سمع و بصر میں ہوتی ہے۔ بہر حال انسان کی نگاہ صحت و مرض میں بڑا اثر رکھتی ہے جیسا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "العین حق" سے واضح ہے۔ گویا انسان آنکھوں کی راہ سے اپنی نظر کے زہریلے جراثیم منظور کے قلب میں پہونچایا کرتا ہے جس سے اسکی صحت خراب ہو جاتی ہے اور اسکی روح بیماری کے جال میں پھنس جاتی ہے۔ اس مخفی ایذاء سے بچنے کے لئے تعوذ سکھلایا گیا۔

۲۹

سبحان اللہ اسلام کیسا مکمل دین ہے جسنے زندگی کا کوئی شعبہ اور اسکا کوئی ظاہر و مخفی جزو ایسا نہ چھوڑا جسمیں مسلمان کے لئے ہر قسم کی بھلائیاں نہ مجتمع کر دی ہوں۔ اور کوئی برائی ایسی نہ چھوڑی جس سے بچایا نہ ہو۔

## ہمسایۂ بد سے استعاذہ

(۲۷) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تعوذوا باللہ من جار السوء فی دار المقام فان جار البوادی یتحول عنک۔ (رواہ النسائی)

(تشریح) انسان پر جو اثرات طاری ہوتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں ایک لازمی اور دوسرے متعدی پھر یہ دونوں اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی ہمسایۂ بد کے اثرات بد جسقدر انسان کے لئے تکلیف دہ ہیں ظاہر ہے مثلاً ایک شخص نہایت دیندار ہے لیکن اُس کا ہمسایہ بالکل اُس کی ضد ہے تو اُس حالت میں جسقدر زندگی دوبھر ہوگی ظاہر ہے اسلئے اس مصیبت غیر اختیاری پر کہ انسان ہمسایہ کو کسی طرح بھی اپنا پابند نہیں کر سکتا صرف اُسی ذات وحدہٗ لاشریک سے فریاد کر سکتا ہے

جسکے قبضہ میں اُسکے دل کی کلیں ہیں۔ اسی لئے ہمسایہ سے تعرض کے بجائے استعاذہ سکھلایا گیا۔

## شیاطین الجن والانس سے استعاذہ

(۲۸) عن ابی ذر قال دخلت المسجد ورسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فیہ فجئت فجلست الیہ فقال یا اباذر تعوذ باللہ من شر شیاطین الجن والانس قلت او للانس شیاطین قال نعم۔ (رواہ النسائی)

اس کا مضمون جابجا آچکا ہے۔

## مسح کرتے وقت جہنم کی زنجیروں اور طوقوں سے استعاذہ

(۲۹) اللّٰھم فك رقبتی من النار واعوذ بك من السلاسل والاغلال (احیاء العلوم جلد ۲)

تشریح کی حاجت نہیں۔

## مہلکاتِ ارضی سے استعاذہ

(۳۰) عن ابن عمر قال سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول اللّٰھم انی اعوذ بعظمتك ان اغتال من تحتی (رواہ النسائی)

(تشریح) زمین میں اسباب ہلاکت بہت سے ہیں منجملہ اُن کے زمین میں کسی شخص کا دھنس جانا بھی ہے یہ جسقدر غیر اختیاری مصیبت ہے اسکا نقشہ بہار اور کوئٹہ کے موجودہ ہولناک واقعات سے بخوبی معلوم ہوچکا ہے اسلئے ایسی تمام آفتوں سے بھی تعوذ سکھلایا گیا۔

## برا خواب دیکھنے پر استعاذہ

(۳۱) قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم اذا رای احدکم فلیحدث بہ واذا رای ما یکرہ فلیتحول الی جنبہ الاخر و یستفل عن یسارہ ثلاثا ویستعذ باللہ من شرھا ولا یحدث بھا احدا فانھا لن تضرہ۔

(تشریح) روح انسانی نیند کی حالت میں بدنی تدبیر سے سبکدوش ہوکر اپنے آشیانۂ اصلی یعنی عالمِ ارواح و عالمِ مثال کیطرف متوجہ ہوجاتی ہے جسمیں بعض امور مستقلہ جنکے نقشے عالمِ مثال میں موجود ہیں اُسپر منکشف ہوجاتے ہیں اور بسا اوقات ہیبت ناک وقائع دکھلائے جاتے ہیں جس سے انسان ڈر جاتا ہے۔ اس بناپر تعوذ کے رنگ میں دعا سکھلائی گئی،

کہ اسکے پڑھنے سے امورِ مستقبلہ اور اُن کے نقشے انسان کے موافق بنجادیں۔

## صحت بگڑ جانے اور آفتِ ناگہانی اور خدا کی ہر قسم کی ناراضی اور زوالِ نعمت سے استعاذہ

(۳۲) عن عبد اللہ بن عمر قال کان من دعاء رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اللّٰھم انی اعوذبک من زوال نعمتک وتحول عافیتک وفجاءۃ نقمتک وجمیع سخطک

(تشریح) زوالِ نعمت ایک ایسا عنوان ہے جس سے خدا پناہ ہی میں رکھے۔ یہ وہ دردناک کیفیت ہے جسمیں انسان اپنے تمام فضائلِ فطری کو چھوڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے اس لئے اس سے استعاذہ سکھلایا گیا تاکہ انسان عروجِ نعمت کے وقت میں زوالِ نعمت کیوقت کو بھی یاد کر کے درجۂ اعتدال کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ اور صحت و عافیت کیوقت مصیبت اور مرض کو نہ بھولے۔

## گمراہی سے استعاذہ

(۳۳) عن ابن عباس ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان یقول اللّٰھم لک اسلمت وبک اٰمنت وعلیک توکلت والیک انبت وبک خاصمت اللّٰھم انی اعوذ بعزتک لا الٰہ الا انت ان تضلنی انت الحی الذی لا یموت والجن والانس یموتون (متفق علیہ) ۳۱

اسکی تشریح موقع بموقع آچکی ہے

## طمع سے استعاذہ

(۳۴) عن معاذ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال استعیذوا باللہ من طمع یھدی الی طبع (رواہ احمد والبیھقی فی الدعوات الکبیر)

حاجت تشریح نہیں۔

## چاند گرہن کے وقت استعاذہ

(۳۵) عن عائشۃ ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم نظر الی القمر فقال یا عائشۃ استعیذی باللہ من شر ھذا فان ھذا ھو الغاسق اذا وقب۔ (رواہ الترمذی)

(تشریح) چاند گرہن ہونا قدرتِ الٰہی کا ایک نشان ہے لیکن یہ معاملہ چونکہ رات میں واقع ہوتا ہے اور اتفاقی طور پر کبھی عین گرہن کی حالت میں رات کو بعض خطرناک امور واقع ہو جاتے ہیں جسکو بدعقیدہ لوگ چاند گرہن کی تاثیر سمجھ لیتے ہیں اسی بنا پر

ایسے غلط عقیدوں سے بچنے کے لئے چاند کے گرہن ہونے پر تعوذ سکھلایا گیا۔ علاوہ ازیں چونکہ چاند کو حضور انور سے بھی کافی مشابہت ہی چنانچہ آپ عالم غیب کے مہتاب ہیں تو یہ عالم شہادت کا مہتاب ہے اسلئے بھی حضور نے اسکے گرہن ہونے کے لئے استعاذہ سکھلایا

## آگ کی گرمی سے استعاذہ

(۳۶) عن عائشة رض قالت قال رسول الله صلے الله علیہ وسلم اللھم رب جبرئیل ومیکائیل ورب اسرافیل اعوذ بك من حر النار وعذاب القبر (رواہ النسائی)

تشریح کی حاجت نہیں

## قیامت کے دن ضیق مقام سے استعاذہ

(۳۷) عن عاصم بن حمید قال سألت عائشة رض بما کان رسول الله صلے الله علیہ وسلم یفتتح قیام اللیل قالت سألتنی عن شیٔ ما سألنی عنه احد کان یکبر عشرا ویسبح عشرا ویستغفر عشرا ویقول اللھم اغفرلی واھدنی وارزقنی وعافنی ویتعوذ من ضیق المقام یوم القیامة (رواہ النسائی)

(تشریح) جب ایک مقام میں چند مقام کے لوگ جمع ہو جاتے ہیں تو تل رکھنے کو جگہ نہیں رہتی تو اس سے قیاس کر لیجئے کہ قیامت کے دن جبکہ تمام دنیا کے اولین و آخرین جمع ہوں گے تو کسقدر تنگی ہو گی اور باہم کشاکش ہو گی اسلئے اُسوقت کی کیفیت پر تعوذ سکھلایا گیا تاکہ اُس دن فراخی ہو۔

## شر لیل سے استعاذہ

(۳۸) اللھم انی اسئلك من خیر ھذہ اللیلة وخیر ما فیھا واعوذ بك من شرھا وشر ما فیھا۔ (رواہ مسلم) (تشریح کی حاجت نہیں)

## تکبر سے استعاذہ

(۳۹) رب اعوذ بك من الکسل ومن سوء الکبر او الکفر وفی روایة من سوء الکبر والکبر۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

(تشریح) کسی خادم کا اپنے آقا کے ہمسر ہو جانا ایک ناقابل برداشت کیفیت ہے، چونکہ تکبر میں مملوک مالک کی حیثیت میں آنا چاہتا ہے اور تکبر میں انسان خدا کا ہمسر بننا چاہتا ہے اور یہ جسقدر سخت چیز ہے ظاہر ہے

اسلئے اس کیفیتِ مہلکہ سے استعاذہ سکھلایا گیا۔

## آندھی سے استعاذہ

(۴۰) عن ابی بن کعبؓ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا تسبوا الریح فاذا رایتم ما تکرھون فقولوا اللھم انا نسئلک من خیر ھذہ الریح وخیر ما فیھا وخیر ما امرت بہ ونعوذ بک من شر ھذہ الریح وشر ما فیھا وشر ما امرت بہ (رواہ الترمذی)

(تشریح) آندھی سے بسا اوقات درخت گر جاتے ہیں کھیتوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ انسان اپنے کاروبار سے رُک جاتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ جراثیم وبائیہ آندھی کے ذریعہ سے پھیلتے ہیں جو گوناگوں امراض کے موجب ہوتے ہیں اسلئے آندھی کی مضرتوں سے محفوظ ہونے کیلئے استعاذہ سکھلایا گیا۔

## حشرات الارض سے استعاذہ

(۴۱) عن ابن عباسؓ قال کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یعوذ الحسن والحسین اعیذکما بکلمات اللہ التامۃ من کل شیطان وھامۃ (الیٰ اخر الحدیث) (مشکوٰۃ) ۳۳

(تشریح) انسان کا زمین سے گہرا تعلق ہے اسلئے زمینی موذیوں سے بچنا بسا اوقات بہت مشکل ہوجاتا ہے۔ مثلاً سانپ کاٹتا ہے۔ بچھو ڈستا ہے۔ شیر پھاڑتا ہے۔ کتّا کاٹتا ہے۔ مچھر، پسو، جوئیں ستاتی ہیں جنمیں سے بعض مچھروں کا کاٹنا طب کی رو سے مختلف جراثیم کو بدنِ انسانی میں منتقل ہونے کا سبب ہوتا ہے اسلئے بطور حفظ ماتقدم تعوذ کی تعلیم دی گئی۔

## ہر قسم کے درد اور بخار اور جوش مارنیوالی رگ سے استعاذہ

(۴۲) عن ابن عباسؓ ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم کان یعلمھم من الحمّی ومن الاوجاع کلھا ان یقولوا بسم اللہ الکبیر اعوذ باللہ العظیم من شر کل عرق نعّار ومن شر حر النار (رواہ الترمذی)

(تشریح) بخار اور اسی قسم کے دیگر امراض میں بہت فوائد ہیں مثلاً بخار ہی انسانی گناہ کا کفارہ ہے اور اسی سے جسمانی حالت درجہ اعتدال پر آجاتی ہے اور اسی سے انسان اپنا عجز محسوس کرکے خدا کی بندگی کیطرف متوجہ ہوتا ہے لیکن ان فوائد کے ساتھ ایک مضرت بھی ہے اور وہ یہ کہ بخار کی حالت میں انسان بسا اوقات اعمالِ حسنہ مثل نماز روزہ سے قاصر ہوجاتا ہے اس بنا پر اصلی

چیز سے تعرض نکرتے ہوئے اُس کی مضرت کو دور کرنے کے لئے اُسکے شر سے تعوذ کی تعلیم دیگئی - اور یہی فرق امراض خبیثہ اور اس قسم کے امراض غیر خبیثہ میں الفاظ حدیث سے ظاہر ہے -

## باندی غلام اور بی بی کی پیشانی کے بال پکڑ کر اور اونٹ کا کوہان پکڑ کر استعاذہ

(۴۳) عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال اذا تزوج احدکم امرأۃ او اشتری خادما فلیقل اللھم انی اسئلک خیرھا وخیرما جبلتھا علیہ واذا اشتری بعیرا فلیاخذ بذروۃ سنامہ ولیقل مثل ذلک وفی روایۃ فی المرأۃ والخادم ثم لیاخذ بناصیتھا ولیدع بالبرکۃ (رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ)

(تشریح) انسان، لونڈی غلام اونٹ وغیرہ کا بہت سے کاموں میں محتاج ہے لیکن اگر کوئی غلام شریر اور لونڈی خبیث اور اونٹ سرکش ہو تو یہ چیزیں ایک مستقل وبال ہیں اس بنا پر اُن چیزوں کی شرارت سے پناہ مانگنے کی تعلیم دیگئی -

## امارت صبیان سے استعاذہ

(۴۴) عن ابی ھریرۃ رض قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تعوذوا باللہ من راس السبعین وامارۃ الصبیان (مسند احمد)

(تشریح) ہر امیر و حاکم کے لئے کمال عقل و کمال علم و قدرت کی ضرورت ہے تاکہ وہ نظام رعیت کو درست رکھ سکے لیکن اگر وہ ناقص العقل لہو و لعب کی طرف مائل، اہم مقاصد ملکیہ سے غافل ہے تو وہ رعیت کے لئے ایک عذاب ہے جس سے بچنے کے لئے دعا سکھلائی گئی - اور اسی حدیث امارت صبیان سے یہ بھی مترشح ہوا کہ جب تک براہین قاطعہ عزل امیر کے لئے نہوں اُسوقت تک تعوذ تو کرتے رہو مگر مقابلہ کے لئے کھڑے نہ ہو ہاں جب شرائط شرعیہ مقابلہ کے پائے جاویں تو اُسوقت ایسا اقدام کرو

## وبال جان اولاد سے استعاذہ

(۴۵) اللھم انی اعوذ بک من امرأۃ تشیبنی قبل المشیب واعوذ بک من ولد یکون علیّ وبالا واعوذ بک من مال یکون علیّ عذابا واعوذ بک من صاحب خدیعۃ ان رای حسنۃ دفنھا وان رای سیئۃ

سیئۃ ا فشا ھا (الحزب الاعظم ص ۱۲۳ مطبوعہ مطبع مرتضوی)

## بُرے پڑوسی - بُرے دن - بُری رات - بُری گھڑی سے استعاذہ

(۴۶) اللّٰھُمَّ اِنّی اعوذ بك من یوم السُّوء ولیلۃ السُّوء وساعۃ السوء ومن جار السوء فی دار المقام - (رواہ الطبرانی)

(تشریح) انسانی حیات کی شیرینی اور اُس کا لطف ماحول کی شیرینی اور اُس کے خوشگوار ہونے پر مبنی ہے اگر انسان کا ماحول درست ہو تو حیات خوشگوار حاصل ہوگی - لیکن اگر ایسا نہ ہوگا تو زندگی تلخ رہیگی - انسانی ماحول کی تین قسمیں ہیں - زمانؔ - مکانؔ - اور مکینؔ - اگر یہ تینوں درست ہوں تو زندگی کا لُطف آتا ہے - ورنہ زندگی موت سے بدتر ہو جاتی ہے - اسلئے بُری ساعت، بُرے دن، اور بُرے انسان اور بُرے مقام سے تعوذ سکھلایا گیا - اور اگر یہ سب بُرائیاں اکٹھی ہو جاویں تو پھر تو انسان ایسی مصیبتِ عظیمہ میں گرفتار ہو جاتا ہے کہ بجز پناہِ خداوندی کے چارہ ہی نہیں ہو سکتا -

۳۵

## نیا لباس پہنتے وقت اُسکے شر سے استعاذہ

(۴۷) اللّٰھُمَّ لك الحمد انت کسوتنیہ اسئلك خیرہ وخیر ما صنع لہ واعوذ بك من شرہ وشر ما صنع لہ (ابوداؤد - ترمذی - ابن حبان - حاکم)

(تشریح) لباس خدائی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے لیکن ہر نعمت شکریہ کی مستحق ہے اگر اسکا شکر ادا نہ کیا جائیگا تو "لَتُسئلُنَّ یومئذٍ عن النعیم" کے مطابق باز پُرس ہوگی جسمیں اُس کو ضرر اُٹھانا پڑیگا - نیا لباس پہننے میں بسا اوقات انسان کہنہ لباس پہننے والوں کی تحقیر پر آمادہ ہو جاتا ہے اور خود اُسکے اندر ایک قسم کا تکبر اور انانیت پیدا ہو جاتی ہے - اسلئے نئے لباس پہننے کے وقت تعوذ سکھلایا گیا -

## تکبر - سحر - وسوسۂ شیطان سے استعاذہ

(۴۸) اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم من نفخہ ونفثہ وھمزہ (ابوداؤد - ابن ماجہ - ابن حبان - بیہقی)

اسکی تشریحات موقع بموقع گذر چکی ہیں حاجتِ اعادہ نہیں

## فتنۂ لیل و نہار و آفاتِ سماوی و ارضی سے استعاذہ

(۴۹) اعوذ بکلمات اللہ التامات التی لا یجاوزھن بر ولا فاجر من شر ما ینزل من السماء وما یعرج فیہا ومن شر ما ذرء فی الارض وما یخرج منہا ومن شر فتن اللیل وفتن النہار ومن شر طوارق اللیل والنہار الا طارقا طریقا یطرق بخیر یا رحمٰن (رواہ الطبرانی)

حاجتِ تشریح نہیں

## اپنے نفس یا کسی مسلمان کو برائی پہونچانے سے استعاذہ

(۵۰) اعوذ بك ان اقترف علی نفسی سوءا واجرہ الی مسلم (رواہ الطبرانی)

اسکی تشریحات پہلے گذر چکی ہیں

## نیا چاند دیکھکر اُسکے شر سے استعاذہ

(۵۱) اللھم انی اسئلك من خیر ھذا الشھر واعوذ بك من شرہ (رواہ الطبرانی)

(تشریح) انسان کے ساتھ خدا کے ہاتھوں سے جو واقعات خیر و شر ہوتے ہیں وہ معینہ اوقات سے وابستہ ہیں یہ ضروری نہیں کہ اگر ایک مہینہ میں انسان خوشحال اور آسودہ رہا تو دوسرے مہینہ میں بھی ایسا ہی ہوگا۔ بہت ممکن ہے کہ انسان کی نسبت دوسرے مہینہ میں تقدیر نے جن واقعات کو وابستہ کردیا ہے وہ واقعات اُس کے حق میں خطرناک اور مضر ہوں لیکن خدا کی رحمتِ کبرے کی بنا پر اُن واقعات کو اپنے موافق بنانے کے لئے شریعت میں علاج موجود ہے اور وہ یہ کہ شروع مہینہ میں چاند دیکھنے کے ساتھ ہی تعوذ کیا جائے تو انشاء اللہ ناگوار واقعات سے محفوظ رہیگا۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ چاند نصف اول میں راحتوں کو لانے کا موجب ہے تو اسی کی حرکتِ زوال نصفِ آخر میں مضرتوں کے لانے کا موجب ہے۔ تو تب بھی ہم کہتے ہیں کہ ان مادی اسباب کی تاثیرات تبدیل کرنے کے لئے بھی ایک فوق المادیات قوت موجود ہے۔ جس سے تعوذ کرکے ان تاثیرات میں انقلاب پیدا کیا جاسکتا ہے

## حسدِ حاسد سے استعاذہ

(۵۲) قال عبادۃ بن الصامت اتی جبرئیل علیہ السلام النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یوعك فقال بسم اللہ ارقیك من کل شیٔ یوذیك من حسد حاسد ومن کل عین اللہ یشفیك (رواہ ابن ماجہ)

تشریح کی حاجت نہیں۔

## فتن سے استعاذہ

(۵۳) ونعوذ باللہ من الفتن۔ (رواہ ابن حبان و الحاکم و ابن ابی شیبۃ)

(تشریح) دُنیا ایک تغیر پذیر جگہ ہے اسلئے انسان ایک حالت پر نہیں رہ سکتا کبھی مالدار ہے تو کبھی نادار، کبھی تندرست ہے تو کبھی مریض کبھی قوی ہے تو کبھی ضعیف، کبھی نیکی کی طرف مائل ہے تو کبھی بدی میں مصروف، اور اُسکی طرف میلان۔ غرض اس قسم کے سینکڑوں دینی و دنیوی احوالِ پُر فتن کا توارد انسان پر ہوتا ہے جو انسان کے لئے غیر اختیاری امر ہے اور اس کے پاس اسکی مدافعت کا کوئی حربہ نہیں بجز اس کے کہ وہ اللہ کی پناہ کے قلعہ میں آئے۔ اسلئے فتن سے تعوذ کی تعلیم دی گئی۔

## اہلِ نار سے استعاذہ

(۵۴) واعوذ باللہ من اھل النار۔ (رواہ النسائی و الحاکم)

تشریح کی ضرورت نہیں

## بازار میں جھوٹی اور بری قسم کھانے سے استعاذہ

(۵۵) اللھم انی اعوذ بک ان تصیب فیھا یمینا فاجرۃ او صفقۃ خاسرۃ۔ (رواہ الترمذی و ابن السنی)

حاجتِ تشریح نہیں۔

## رات کو اُٹھتے وقت استعاذہ

(۵۶) عن ابی سلمۃ کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا قام من اللیل قال اللھم انی اعوذ بک من الشیطان الرجیم۔

حاجت تشریح نہیں۔

## چھوٹے بچوں کیلئے استعاذہ

(۵۷) کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یعوذ الحسن والحسین اعیذ کما بکلمات اللہ التامات الحدیث۔ (کتاب الاذکار للنووی)

(تشریح) اطفال کی فطرت ضعیف واقع ہوئی ہے اور مضرت کی مدافعت اُن میں بہت کمزور ہے اسلئے بالغین و عاقلین کی بہ نسبت وہ زیادہ خطرہ میں ہیں۔ پھر بہت سے خطرات اُن کو ایسے

لاحق ہیں کہ انسان کو اُن کے اسباب پر اطلاع بھی نہیں ہے اور اگر علم ہو بھی جائے تو بسا اوقات اُن کا ہٹانا انسان کے بس کا نہیں ہوتا اسلئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رض وحسین رض کے لئے ان خطرات سے محفوظ ہونے کے لئے تعوذ فرمایا جس سے بطور استنباط معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے تمام بچوں کو تعوذ کی پناہ میں لایا جانا اُنکی سلامتی وکامیابی کے لئے ایک ناگزیر امر ہے۔

## اعمال عبادت میں شیطان کے وسوسہ ڈالنے کیوقت استعاذہ

(۵۸) عن ابی العاص قال قلت یا رسول اللہ ان الشیطان قد حال بینی وبین صلوٰتی وقرآنی یلبسہا علی قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ذلک شیطان یقال لہ خنزب فاذا احسستہ فتعوذ باللہ منہ واتفل علی یسارک ثلاثا الحدیث - (رواہ مسلم)

حاجت تشریح نہیں۔

## ہر قسم کے درد سے استعاذہ

۴۸ (۵۹) عن ابن عباس رض ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان یعلمہم من الاوجاع والحمی ومن ان یقول بسم اللہ الکبیر نعوذ باللہ العظیم من شر عرق نعار ومن شر حر النار (کتاب الاذکار للنووی)

اوپر کی حدیثوں میں تشریح گذر چکی ہے

## بچھو کے کاٹ لینے پر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا استعاذہ

(۶۰) ولدغت النبی صلے اللہ علیہ وسلم عقرب وھو یصلی فلما فرغ قال لعن اللہ عقربا لا تدع مصلیا ولا غیرہ ثم دعا بماء وملح فجعل یمسح علیہا ویقرء قل یا ایہا الکافرون وقل اعوذ برب الفلق وقل اعوذ برب الناس - (رواہ الترمذی)

(تشریح) مادی مضرات میں زہریلے حیوانات کو خاص مرتبہ حاصل ہے اور بچھو کا کاٹنا دیگر سمی جانوروں کی بہ نسبت کثیر الوقوع بھی ہے اس مدافعت کے لئے حضرت علیہ السلام نے مادی وروحانی علاج کو جمع کیا ہے چنانچہ نمکین پانی کا موضع نیش میں لگانا دفع سمیت کا ایک مادی علاج ہے تو سورہ کافرون اور معوذتین کا پڑھنا اس کا روحانی علاج ہے معوذتین کے روحانی علاج

ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہو سکتا لیکن سورہ کافرون کا روحانی علاج ہونا محل اشتباہ ہے کیونکہ اسمیں کوئی استعاذہ مذکور نہیں ہے لیکن اگر استعاذہ کی حقیقت سمجھ لیجائے گی تو گہری نظر میں خود بخود یہ معلوم ہو جائیگا کہ اس سورۃ کو بھی استعاذہ سے خاص تعلق ہے۔

استعاذہ کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے اعداء اور دشمنوں کی مضرت سے بچنے کے لئے خدائی اعانت حاصل کرے لیکن خدائی اعانت اُسوقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ انسان خدائی دشمنوں کا کُلّی بائیکاٹ نہ کرے کیونکہ اگر خدا کے دشمنوں سے تعلق ہو تو وہ بھی خدائی دشمنوں میں منسلک سمجھا جاویگا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسوں کو کیونکر خدائی اعانت حاصل ہوگی۔ بنائً علیہ اعانتِ الٰہی کے اس مقدمہ و موقوف علیہ یعنی مقاطعہ عن الکفار کی تکمیل کے لئے سورۃ کافرون کا شمول بھی معوذتین کے ساتھ وقتِ استعاذہ فرمایا گیا۔

## فسق۔ قساوتِ قلبی۔ غفلت و مسکنت۔ ریاء و نمود۔ گونگا و بہرا پن سے استعاذہ

(۶۱) اعوذ بك من القسوة والغفلة والذلة والمسكنة۔ واعوذ بك من الفقر والكفر والفسوق والشقاق والسمعة والرياء واعوذ بك من الصمم والبكم والجنون والجذام وسيئ الاسقام وضلع الدين۔ (رواہ البخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی وابن حبان والحاکم والطبرانی)

۳۹

(تشریح) انسان کی ساتھ چونکہ ہر وقت ایک دشمن لگا ہوا ہے جو اسکی ملکیت و بہیمیت دونوں کو عیبدار بنانے کی فکر میں مشغول ہے۔ اسلئے حدیثِ بالا میں اُن عیوب سے بھی استعاذہ سکھلایا گیا جو اُسکی روح کو عیب دار بنانے والے ہیں جیسے مثلاً فسق۔ غفلت عن اللہ۔ قساوتِ قلبی ریاء و نمود وغیرہ اور اُن چیزوں سے بھی تعوذ سکھلایا گیا جو اُسکی بہیمیت کو عیبدار کرتی ہیں۔ جیسے گونگاپن اور بہرا پن وغیرہ۔ پس جس طرح بجلی اپنے خزانہ میں ہوتی ہے یا کنکشن سے چلکر تاروں پر دوڑتی ہے تو کسی کو نظر نہیں آتی۔ لیکن وہی بجلی جب قمقمہ میں آجاتی ہے تو ہر کس و ناکس کو اُسکے تاروں پر دوڑنے کا اور خزانہ میں موجود ہونے کا یقین ہو جاتا ہے اسی طرح شیطان بھی جب قلب انسانی پر آکر مسلط ہوتا ہے تو اُسوقت تو کسی کو نظر نہیں آتا البتہ آئینۂ افعال میں جب فسق و فجور، شہوت و غفلت عجب و ریاء، ذلت و مسکنت دکھلاتا ہے

تو آئینۂ افعال ہیں وہ بھی بجلی کی طرح نمایاں ہوجاتا ہے اور اس کے وجود کا بھی پھر طبائع سلیمہ انکار نہیں کرسکتیں۔

## خدا کے مخلوق ہونے کے وسوسہ پر استعاذہ

(۶۲) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یاتی الشیطان احدکم فیقول من خلق کذا من خلق کذا حتی یقول من خلق ربک فاذا بلغ ذلک فلیستعذ باللہ ولینتہ (رواہ البخاری)

(تشریح) چونکہ خدا کی ذات بحث اور مجادلہ سے پاک ہے اور واجب الوجود کے وجود پر بحث کرنا درحقیقت اپنی حقیقت کو بھولکر دہریت وشیطان کی طرف آنا ہے اسلئے اس سے تعوذ سکھلایا گیا۔

## عقائد باطلہ سے استعاذہ

(۶۳) عن عمرؓ ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم کان یتعوذ من الجبن والبخل وفتنۃ الصدر وعذاب القبر۔ (رواہ النسائی صـ۲۶۶)

تشریح کی حاجت نہیں

## تشتت کار وغیرہ سے یوم عرفہ میں استعاذہ

(۶۴) عن علی رضؓ قال اکثر دعاء النبی صلے اللہ علیہ وسلم یوم عرفۃ فی الموقف اللھم لک الحمد کالذی نقول وخیرا مما نقول اللھم لک صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی والیک مآبی ولک رب تراثی اللھم انی اعوذبک من عذاب القبر ووسوسۃ الصدر وشتات الامر اللھم انی اعوذ بک من شر ما تجیٔ بہ الریح۔ (رواہ الترمذی فی مسندہ)

تشریح یوم عرفہ میں مختلف العادات، مختلف الاوطان، مختلف الطبائع، مختلف المزاج انسانوں کا اجتماع ایک خاص مقام یعنی میدان عرفات میں ہوتا ہے اور ہر شریک ہونے والا انسان اپنی نیک وبد طبیعت کو لیکر عرفات میں حاضر ہوتا ہے اور اس کے اثرات دیگر قلوب میں جاری وساری ہوتے ہیں۔ چنانچہ صحبت کی زبردست تاثیر کا انکار کسی طرح نہیں ہوسکتا لہذا اس اجتماع کے خلط واختلاط کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ انسان کے افکار واعمال وخیالات میں مجمع کے اثر صحبت سے

۲۴۰

ایک انتشار اور تشتت ہو اور نیکی کے لئے ایک مستقل مرکز جو قلب مومن کے لئے ضروری ہے وہ زائل ہوجائے اسلئے یوم عرفہ میں حج کی غرض وغایت اصلی یعنی کیفیتِ عشقیہ وجمعیت خاطر کے تحفظ کے لئے تشتتِ کار وغیرہ سے استعاذہ کی تعلیم دی گئی۔

علاوہ ازیں جس طرح ہر گھر میں ایک ہی بڑا ہوتا ہے اور سلطنت میں ایک سی بادشاہ ہوتا ہے اور ہر قبیلہ کا ایک ہی سردار ہوتا ہے۔ اسی طرح تمام دنوں میں بھی ایک ہی دن باعتبار اپنی کیفیت واحوال کے سردار تسلیم کیا جانا ناگزیر ہے اور حسب ارشاد نبوی وہ یوم عرفہ ہی ہے پس اسمیں اگر انسان کو دلجمعی نصیب ہو جاویگی تو گویا سمجھنا چاہیئے کہ سال بھر اس دلجمعی کا مستحکم ہونا ایک امر یقینی ہے اور اگر اُسدن تشتت کار ہوگا تو سمجھنا چاہیئے کہ تمام سال اسی کے اثرات رہیں گے اسلئے حضورؐ نے اس یوم اعظم ومعظم میں استعاذہ فرمایا یہیں سے معلوم ہوا کہ استعاذہ کے باب میں مقام ووقت کے اثرات کو بھی دخل ہوتا ہے۔

## دشمن سے خوف کیوقت استعاذہ

(۶۵) عن ابی موسی الاشعریؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا خاف قوما قال اللّٰھم انا نجعلك فی نحورھم و نعوذبك من شرورھم۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

۱۴۱

حاجتِ تشریح نہیں۔

## رات کو کتّا بھونکنے پر استعاذہ

(۶۶) عن جابر بن عبد اللہؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سمعتم نباح الکلاب ونھیق الحمار باللیل فتعوذوا باللہ فانھن یرین مالا ترون۔

(رواہ ابوداؤد)

اسکی تشریح اوپر گذر چکی ہے۔

## سب وشتم اور غصہ کے وقت استعاذہ

(۶۷) عن سلیمان بن صرد قال کنت جالسا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ورجلان یستبان واحدھما قد احمر وجھہ وانتفخت اوداجہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لاعلم کلمۃ لو قالھا لذھب عنہ ما یجد لو قال اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ذھب عنہ ما یجد فقالوا لہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال تعوذ باللہ

من الشیطان الرجیم۔ (رواہ البخاری ومسلم)

اسکی تشریح ص۴۵ میں گذر چکی

## حمام میں داخل ہوتے وقت استعاذہ

(۶۸) عن ابی ہریرۃ رضؓ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نعم البیت الحمام یدخلہ المسلم اذا دخلہ سأل اللہ عز وجل الجنۃ واستعاذہ من النار (رواہ ابن السنی فی عمل)

(تشریح) حمام ایک ایسی جگہ ہے جہاں پر عموماً برہنگی، ہیجان شہوات، نظر علی الاجنبیات اور اس قسم کی دیگر خرابیاں واقع ہوتی ہیں اور اس طور سے واقع ہوتی ہیں کہ انسان بے اختیار ہو جاتا ہے پس اگر اس قسم کی خرابیوں سے انسان بچ جائے تو اس کا ثمرہ جنت ہی اور نہ بچے تو نتیجہ دوزخ ہے۔ اس بنا پر یہاں جنت سے سوال اور دوزخ سے استعاذہ کیا گیا۔ یہیں سے بطور استنباط یہ بھی معلوم ہوا کہ استعاذہ اصل میں دوزخ اور اُس کے آثار فی الدنیا والآخرۃ سے بچنے کے لئے وضع ہوا ہے۔ اور استغفار ومغفرت جنت اور اُس کے آثار فی الدنیا والآخرۃ کو حاصل کرنے کے لئے وضع ہوا ہے۔ اور ان دونوں میں ایک خاص نسبت ہے۔ ۲۳۴

## آندھی کے اندھیرے سے استعاذہ

(۶۹) عن ابن عباس رضؓ ان جاء مع الریح ظلمۃ تعوذ بالمعوذتین۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر)

اسکی تشریح کی حاجت نہیں۔

## حالت سفر میں وقت صبح استعاذہ

(۷۰) عن ابی ہریرۃ رضؓ قال کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا کان فی سفر فاسحر یقول سمع سامع بحمد اللہ ونعمتہ وحسن بلائہ علینا اللّٰھم صاحبنا فافضل علینا عائذاً باللہ من النار (رواہ ابوداؤد)

حاجت تشریح نہیں۔

## بیت الخلا جاتے وقت استعاذہ

(۷۱) عن انس رضؓ اذا دخل الخلاء قال اللّٰھم انی اعوذ بک من الخبث والخبائث (رواہ الترمذی)

(تشریح) انکی مخلوق میں شیاطین و ملک متضاد الفطرت ہیں فرشتوں کو طہارت سے الفت اور

نجاست سے نفرت ہے تو شیاطین اور اکثر جنوں کو نجاست سے الفت اور طہارت سے نفرت ہے اسی وجہ سے انسان کے یہ بدترین دشمن مواضع نجاست یعنی بیت الخلا وغیرہ میں اکثر جمع ہوتے ہیں اور انسان نہ انہیں دیکھ سکتا ہے نہ اُن کے ضرر سے بچ ہی سکتا ہے لہذا ایسے مواقع پر فطرت کا اقتضاء تھا کہ استعاذہ کیا جائے۔ چنانچہ اکمل الفطرۃ کے شرف سے مشرف ہونیوالے نبی الانبیاء نے اسی لئے ایسے مواضع میں استعاذہ فرمایا۔

## دو شخصوں میں جھگڑے کے وقت استعاذہ

(۷۲) عن سلیمان بن صرد قال رأیت رجلین اختصما عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فغضب احدھما حتی احمر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لاعلم کلمۃ لو قالھا لذھب عنہ ما یجد قال اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ (عمل الیوم واللیلۃ)

اسکی تشریح گذر چکی ہے

## صبح و شام حوادثات ناگہانی سے استعاذہ

(۷۳) عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یدعو بھذہ الدعوات اذا اصبح واذا امسی اللھم انی اسئلک من فجاءۃ الخیر واعوذبک من فجاءۃ الشر فان العبد لا یدری ما یفجأہ اذا اصبح واذا امسی (عمل الیوم واللیلۃ۔)

تشریح کی حاجت نہیں۔

## تمام دن شیطان سے محفوظ رہنے کے لئے صبح کے وقت استعاذہ

(۷۴) عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من قال حین یصبح اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم اجیر من الشیطان حتی یمسی (عمل الیوم واللیلۃ)

تشریح کی ضرورت نہیں۔

## مسجد سے نکلنے کے وقت استعاذہ

(۷۵) عن ابی ھریرۃ رض ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا دخل احدکم المسجد او الی المسجد فلیسلم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولیقل اللھم فتح لی ابواب رحمتک واذا خرج فلیسلم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولیقل اللھم اعذنی من الشیطان الرجیم۔ (عمل الیوم واللیلۃ)

حاجت تشریح نہیں۔

۴۳

## سفر میں بعد فجر استعاذہ

(۷۶) عن ابی برزۃ الاسلمی عن ابیہ قال کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا صلے الصبح قال ولا اعلمہ الا قال فی سفر رفع صوتہ الی اٰخر الحدیث - وفیہ اللھم انی اعوذ برضاک من سخطک اللھم انی اعوذبک منک ثلاث مرات (عمل الیوم واللیلۃ)

تشریح کی ضرورت نہیں

## شیطان اور اُسکے لشکر سے استعاذہ

(۷۷) عن ابی امامۃ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال ان احدکم اذا اراد ان یخرج من المسجد تداعت جنود ابلیس واجلبت واجتمعت کما تجتمع النحل علے یعسوبھا فاذا قام احدکم علے باب المسجد فلیقل اللھم انی اعوذبک من ابلیس وجنودہ فانہ اذا قالھا لم یضرہ (عمل الیوم واللیلۃ)

تشریح مضمون سے ظاہر ہے

## آسمان غبار آلود دیکھکر استعاذہ

(۷۸) عن عائشۃ رض قالت کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا رأی فی السماء ناشئاً غباراً او ریحاً استقبلہ من حیث کان وان کان فی الصلوٰۃ نعوذ باللہ من شرہ (عمل الیوم واللیلۃ)

(تشریح) غبار اور دھواں ایسی چیزیں ہیں کہ انسانی مسامات یعنی منہ اور ناک وغیرہ جیسے راستوں سے داخل ہوکر قلب اور اندرونی اعضاء میں پھیلکر گوناگون امراض کا موجب ہوتے ہیں ابن سینا کا قول ہے لولا الغبار والدخان لعاش بنوآدم الف سنۃ یعنی غبار اور دھواں اگر نہ ہوتے تو انسان ہزار برس تک زندہ رہا کرتے چنانچہ پہاڑوں کی آب وہوا میں جو خاص کیفیت ہے وہ محض اسی کا نتیجہ ہے کہ وہاں غبار اور دھواں پہاڑوں کی مرتفع آب وہوا کی لطافت پر غالب نہیں آتا اس بناپر اس مضرحیات مادہ سے استعاذہ کیا گیا - اور حضرت نبی امی صلے اللہ علیہ وسلم نے حکمت یونان کا عقدۂ لاینحل ابن سینا سے کئی سو سال پہلے اس طرح حل فرما دیا - پس جو لوگ ابن سینا کی عقل پر ایمان لائے ہوئے ہیں وہ ذرا اسلام کی اس گہری اور لطیف تعلیم پر نظر فرمائیں کہ اسلام کو جیسا نعوذ باللہ ردی مذہب اُنھوں نے یا نا واقف مسلمانوں نے سمجھ رکھا ہے وہ نفس الامر میں

کیا کامل دینِ فطرت ہے اور انہیں ایسے خیالاتِ فاسدہ سے کس درجہ اپنی فہموں اور عقلوں پر ماتم کی ضرورت ہے۔

## سامنے سے بادل آتے دیکھکر استعاذہ

(۷۹) عن عائشۃ رض ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان اذا رای سحابا مقبلا من افق من الآفاق ترک ماھو فیه وان کان فی صلوتہ حتے یستقبله فیقول اللهم انا نعوذبک من شر ما ارسلت به - (عمل الیوم واللیلة)

تشریح کی حاجت نہیں۔

## بعد نماز جمعہ استعاذہ

(۸۰) عن عائشۃ رض قالت قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من قرأ بعد صلوة الجمعة قل ھو اللہ احد وقل اعوذ برب الفلق وقل اعوذ برب الناس سبع مرات اعاذہ اللہ عز وجل من السوء الی الجمعة الاخری (عمل الیوم واللیلة)

تشریح مضمون حدیث سے ظاہر ہے

## بدن کی ماؤف جگہ کے لئے استعاذہ

(۸۱) من اشتکی المأ او شیئاً فی جسدہ فلیضع یدہ الیمنے علے المکان الذی یالم ولیقل بسم اللہ ثلث مرات ولیقل سبع مرات اعوذ باللہ وقدرتہ من شر ما اجد واحاذر (رواہ مسلم واصحاب الاربعۃ)

اسکی تشریح کی ضرورت نہیں۔

## شیطان کے قلب پر گذرنے سے استعاذہ

(۸۲) عن ابن مسعود رض قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان للشیطان لمة بابن آدم وللملک لمة فاما لمة الشیطان فایعاد بالشر وتکذیب بالحق واما لمة الملک فایعاد بالخیر وتصدیق بالحق فمن وجد ذلک فلیعلم انه من اللہ فلیحمد اللہ ومن وجد الاخری فلیتعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ثم قرأ الشیطان یعدکم الفقر ویأمرکم بالفحشاء - (رواہ الترمذی)

(تشریح) ہم گذشتہ فوائدِ حدیث میں بیان کر چکے ہیں انسان کے ساتھ ہر وقت ایک غیر مرئی دشمن لگا ہوا ہے جو اسکی ملکیت وبہیمیت کو برباد وتباہ کرنے پر تلا ہوا ہے اور یہ دشمن مخفی ایک لحظہ کیلئے بھی اپنی مضرکارروائیوں سے غافل نہیں لیکن بیچارہ انسان نہ اُسکو دیکھ سکتا ہے نہ مدافعت کی تدبیر کر سکتا ہے اسلئے ایسے دشمن کو کسی غیبی طاقت کی پناہ میں آکر ہی شکست دیجا سکتی ہے اسی لئے جب شیطان کا انسان کے قلب پر گذر ہو تو معاً استعاذہ سکھلایا گیا +

## کھانا کھانے کے بعد استعاذہ

(۸۳) اللّٰھم اطعمنا طیبًا فاستعملنا صالحًا فاجعلہ عونًا لنا علٰی طاعتک ونعوذبک ان نستعین بہ علٰی معصیتک (احیاء العلوم)

(تشریح) کھانا کھانیکے بعد بظاہر استعاذہ بے محل معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس موقع کو شکر سے زیادہ مناسبت ہے، لیکن یہ خیال صحیح نہیں اگر بہ نظرِ تعمق دیکھا جائے تو یہ موقع بھی استعاذہ کے لئے ایک اہم موقع ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ کھانے ہی سے انسان کی زندگی قائم رہتی ہے اور یہی وہ چیز ہے کہ جس کے لئے انسان طرح طرح کے دھندے کرتا ہے یہی پیٹ وہ بڑی بلا ہے جسکے لئے انسان چوری کرتا ہے ڈاکہ ڈالتا ہے ضمیر فروشی کشت وخون سب کچھ اسی کے لئے کرتا ہے اور یہی کھانا ہے جسکے بعد انسان کے دماغ میں طرح طرح کے بڑے بھلے عزائم آتے ہیں اور اسکو قسم قسم کے گناہوں میں پھنسواتے ہیں غرض پیٹ کی خاطر انسان بلا تکلف خدا ورسول سے غداری کرنے پر آمادہ ہوجاتا ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے شیطان سے پوچھا کہ کبھی تو مجھ پر بھی قابو پاتا ہے شیطان نے کہا نہیں، مگر اسوقت میں کہ آپ پیٹ بھر کر کھانا کھائیں اور اس کے سبب سے نماز اور ذکرِ الٰہی وغیرہ میں کاہلی اور سستی پیدا ہو۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اس کے بعد کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہ کھایا۔ اس لئے اوّلاً تو شکم پری سے منع فرمایا گیا اور اسکے بعد بھی چونکہ اکثر لوگ پیٹ بھر کر کھانا کھانیکے عادی ہیں جس سے کسل اور سستی وغفلت کا پیدا ہونا ایک یقینی امر ہے تو اُن کو کھانا کھانے کے بعد تعوذ سکھلایا گیا تاکہ یہ کھانا خدا کی اطاعت کا جذبہ پیدا کرے اور نافرمانی سے انسان کو بچائے ایک طرف اگر بھوک سے استعاذہ فرمایا گیا تو دوسری طرف شکم پری کے بعد بھی استعاذہ کی تلقین کی گئی جن ہر دو امور سے یہی واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے نہ صرف اسی سلسلہ میں بلکہ ہر ایک سلسلہ میں اعتدال قائم کیا ہے اور اسی بناء پر وہ تمام مذاہبِ عالم میں فطرت کا حامل ہے اور وہی انسان کو صراطِ مستقیم دکھلانے والا ہے اسی لئے اسلام کے علاوہ جس مذہب نے خدا تک پہونچنے کا جو راستہ بھی پیش کیا ہے وہ صراطِ مستقیم سے علیحدہ ہے اسی لئے فرمایا گیا ان الدین عند اللّٰہ الاسلام۔ اور دوسرے مذاہب کے متعلق فرمایا گیا ومن یبتغ غیر الاسلام دینًا فلن یقبل منہ — وھو فی الاٰخرۃ من الخاسرین

## وضو میں پانوں دھوتے وقت پل صراط یعنی صراطِ مستقیم سے پاؤں پھسل جانے پر استعاذہ

(۸۴) اعوذ بک ان تنزل قدمی علی الصراط المستقیم - (احیاء العلوم)

(تشریح) چونکہ عالمِ شہادت عالمِ غیب کا آئینہ ہے اور اسکی جس قدر بھی تجلّیات ہیں وہ اس عالم میں ہر مخلوق کے افعال و اعمال میں محسوس و شاہد ہیں اسلئے طہارت کے حصول کے وقت یعنی وضو میں پاؤں دھوتے وقت پل صراط یعنی صراطِ مستقیم سے لغزش ہو جانے پر استعاذہ کی تلقین کی گئی صراطِ مستقیم کیا ہے درحقیقت افراط و تفریط کے دونوں نقطوں سے جو خط اعتدال قائم ہوتا ہے جو درحقیقت بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے اسی کو صراطِ مستقیم کہتے ہیں یہی مخفی اعتدال عالمِ آخرت میں بشکل صراط ظاہر ہو جاویگا - پس جن لوگوں نے دُنیا میں اعتدالِ حقیقی پا لیا ہوگا وہ تو قیامت میں بلا تکلف فراٹے بھرتے ہوئے اُس راستہ پر سے گذر جاوینگے - اور جن لوگوں کے اعمال و افعال میں یہاں افراط و تفریط ہو گی وہ دُنیا کی طرح قیامت میں بھی ہچکولے کھائینگے - اور صحیح نہ چل سکیں گے - فاما من ثقلت موازینہ فھو فی عیشۃ راضیہ و اما من خفت موازینہ فامہ ھاویہ وما ادراک ماھیہ نار حامیہ - اسلئے پاؤں دھوتے وقت کہ چلنے اس دنیا میں لغزش ہوتی ہے اس لغزش کو یاد دلا کر بھی استعاذہ کرایا گیا -

## زمانہ پُر مظالم سے استعاذہ

(۸۵) اللّٰھم انی اعوذ بک من شر ما یلج فی اللیل و شر ما یلج فی النھار و شر ما تھب بہ الریاح و من شر بوائق الدھر - (احیاء العلوم)

اسکی تشریح کی حاجت نہیں

## مانع خیر امید و توقع سے استعاذہ

(۸۶) اللّٰھم انی اعوذ بک من دنیا تمنع خیر الاخرۃ و اعوذ بک من حیا تمنع خیر الممات و اعوذ بک من امل یمنع خیر العمل - (احیاء العلوم)

تشریح کی حاجت نہیں مطلب ظاہر ہے -

## ناک سنکنے (صاف کرلنے) کے وقت استعاذہ

(۸۷) اللّٰھم انی اعوذ بک من روائح النار ومن سوء الدار (احیاء العلوم جلد)

تشریح عبارت سے واضح ہے

## نفاق آمیز خشوع سے استعاذہ

(۸۸) نعوذ باللہ من خشوع النفاق ۔ (احیاء العلوم)

(تشریح) اس مرض میں آجکل نوسے فیصدی لوگ گرفتار ہیں ۔ حدیث میں فرمایا ہے کہ آخر زمانہ میں ایسے گمراہ کن امام پیدا ہوں گے جنکی زبانوں پر تو قرآن وحدیث ہوگا لیکن انکے قلوب اس سے کورے ہونگے ۔ نفاق آمیز خشوع میں اسی کیفیت کو ظاہر فرمایا گیا ہے کہ ظاہری صورت تو خشوع کی ہوگی یعنی بیچارے عوام سمجھینگے کہ فلاں شخص بڑا متقی پرہیزگار ہے لیکن آئینۂ افعال میں اس کے اعمال کو جب پرکھو گے تو معلوم ہوگا کہ یہ جو کچھ بھی خشوع وخضوع ہے سب بناوٹی ہے اسلئے حدیث شریف میں ایسے پُر نفاق خشوع سے بھی استعاذہ کیا گیا کہ جس کیفیت کی صورت تو اچھی ہو مگر اصلیت بری ہو اور جس سے ناواقف لوگ دھوکہ میں مبتلا ہوں

## رسوا کن عمل اور موذی رفیق سے استعاذہ

(۸۹) اللّٰھم انی اعوذ بک من کل عمل یخزینی واعوذ بک من کل صاحب یوذینی واعوذ بک من کل فقر ینسینی واعوذ بک من غنی یطغینی ۔ (حزب الاعظم)

(تشریح کی ضرورت نہیں)

## قطع رحمی سے استعاذہ

(۹۰) عن ابی ھریرۃ ان اللہ تعالیٰ خلق الخلق حتی اذا فرغ من خلقہ قالت الرحم قالت ھذا مقام العائذ بک من القطیعۃ الخ (کنز العمال ص ۷۶ جلد ثالث)

## شمالی ہوا سے استعاذہ

(۹۱) اللّٰھم انی اعوذ بک من شر الریح ومن شر ما تجئ بہ الریح ومن ریح الشمال فانھا

ریح العقیم - (کنز العمال جلد۴ ص۱۷۱)

(تشریح) چونکہ اس ہوا سے قوم عاد کو تباہ کیا گیا تھا اور اسکی شان ماتذر من شئ اتت علیہ الا جعلتہ کالرمیم ہے اس لئے اس سے استعاذہ فرمایا گیا۔

## نمازِ تہجد شروع کرتے وقت استعاذہ

(۹۲) کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا قام من اللیل فاستفتح صلوتہ کبر قال سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الٰہ غیرک ثم ھلل ثلاثا ثم یقول اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم (کنز العمال جلد۴ ص۲۰۵)

حاجت تشریح نہیں ہے۔

## بدنام کنندہ پڑوسی اور زوجہ سوء اور امام سوء سے استعاذہ

(۹۳) تعوذوا باللہ من ثلاث فواقر جار السوء ان رای خیرا کتمہ وان رای شرا اذاعہ وزوجۃ سوء ان دخلت علیھا لسنتک وان غبت عنھا خانتک وامام سوء ان احسنت لم یقبل وان اسأت لم یغفر (کنز العمال ص۱۱ جلد۵)

اسکی تشریح کی حاجت نہیں

## قاریوں کے متکبرانہ فخر سے استعاذہ

(۹۴) عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تعوذوا باللہ من فخر القراء فانھم اشد فخرا من الجبابرۃ ولا احد ابغض الی اللہ تعالیٰ من قارئ متکبر (کنز العمال ج۵ ص۲۲۳)

(تشریح) قرآن پاک کی برکات وانوار کے پیدا ہونے کے لئے قرأت قرآن میں چونکہ فخر انسیت دینی تحریبی حاصل ہے جو لوہ کو برگ وگیاہ کے ساتھ ہے اس لئے اس وصف مہلک سے بھی استعاذہ کیا گیا جسمیں آج فیصدی ۹۹ قاری مبتلا ہیں اس وعید کو قراء پیش نظر رکھیں بلکہ اپنی درسگاہوں میں لکھکر لگالیں تو بہتر ہے تاکہ تذکیر وموعظت ہوتی رہے۔

## حضرت علی وحضرت فاطمہؓ کے نکاح کیوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکے لئے اور انکی ذریت کے لئے استعاذہ

(۹۵) ولما زوج النبی صلے اللہ علیہ وسلم علیاؓ فاطمۃؓ دخل البیت فقال لفاطمۃ ائتنی بماء

فقامت الی قعب فی البیت فاتت فیہ بماء فاخذہ و مج فیہ ثم قال لھا تقدمی فتقدمت فنضح بین ثدییھا وعلی راسھا وقال اللھم انی اعیذھا بک وذریتھا من الشیطان الرجیم ثم قال لھا ادبری فادبرت فصب بین کتفیھا ثم قال اللھم انی اعیذھا بک وذریتھا من الشیطان الرجیم ثم قال ائتونی بماء قال علی فعلمت الذی یرید فقمت فملأت القعب ماء واتیتہ بہ فاخذہ ومج فیہ ثم قال تقدم فتقدمت فصب علی راسی وبین یدی ثم قال اللھم انی اعیذہ بک وذریتہ من الشیطان الرجیم ثم قال ادبر فادبرت فصب بین کتفی وقال اللھم انی اعیذہ بک وذریتہ من الشیطان الرجیم ثم قال ادخل باھلک بسم اللہ والبرکۃ

(ابن حبان) (حصن حصین ص ۱۲۰ مطبوعہ یوسفی)

**حاصل** اس حدیث کا یہ ہے کہ جب نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے فرمایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کے مکان پر تشریف لیگئے۔ حضرت فاطمہؓ سے فرمایا پانی لاؤ حضرت فاطمہؓ کھڑی ہوئیں اور ایک پیالہ پانی کا بھر لائیں حضورؐ نے اُس پیالہ کو لیا اور متبرک کیا یعنی جو پانی اُس میں سے اپنے دہن مبارک میں لیا تھا وہ پھر اُسی پیالہ میں لوٹا دیا۔ پھر آپ نے حضرت فاطمہ کو فرمایا:- اے فاطمہ آگے آؤ وہ آگے آئیں آپ نے وہ متبرک پانی اُن کے سر اور سینہ پر چھڑکا یعنی سینہ کے اُس مقام پر اُس پانی کو چھڑکا جہاں سے بچوں کا دودھ تیار کرکے حق تعالیٰ بچوں کو بڑھاتے اور جوان کرتے ہیں۔ اور فرمایا اے اللہ میں تیری پناہ میں دیتا ہوں فاطمہ کو اور اُس کی اولاد کو شیطان رجیم سے پھر آپ نے حضرت فاطمہ سے فرمایا کہ پیٹھ پھیرو۔ اُنہوں نے پیٹھ پھیری آپ نے وہ متبرک پانی اُن کے مونڈھوں کے درمیان چھڑکا اور فرمایا اے اللہ تیری پناہ میں دیتا ہوں فاطمہ کو اور اُسکی اولاد کو شیطان رجیم سے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو فرمایا آگے آؤ وہ آگے آئے اور آپ نے اُن کے سر اور سینہ اور پشت پر بھی اسی طرح پانی چھڑکا اور تعوذ کیا اور اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اب اپنے اہل کے پاس جاؤ اور خدا کے نام کے ساتھ اور اُسکی برکت کے ساتھ

**(تشریح)** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پانی منگوا کر اُسکو متبرک فرمانا اور حضرت علی و فاطمہ پر چھڑکنا اور اُن کے لئے اور اُن کی نسل کے لئے شیطان سے تعوذ کرنا اس حقیقت کو ظاہر کر رہا ہے کہ مقصود نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ اور اُن کی اولاد شیطان کے اثر سے محفوظ ہو

آپ نے اس مقصد کے لئے دو علاج فرمائے ایک قولی دوسرا فعلی - فعلی علاج تو یہ کیا کہ پانی منگوا کر اپنے اپنے پاک اور معصوم جسم مبارک کا اثر اس میں پہونچا کر اسے ان کے اجسام پر چھڑکا یہ ظاہر ہے کہ حضرت علیہ السلام کا متبرک کیا ہوا پانی بوجہ انتساب الی المعصوم کے عصمت پیدا کرنے میں موثر ہوگا اور اس کے چھڑکنے کے ساتھ ہی عصمت کا اثر پیدا ہو جانا قطعی اور یقینی ہے - اور تمام مذاہب تبرک بآثار الصالحین کے معتقد ہیں اور اُن سے برکت حاصل کرتے ہیں لیکن عصمت کے درجات مختلف ہیں ہر شخص کو اپنے ظرف و استعداد کے مطابق عصمت حاصل ہوتی ہے اسلئے وہ عصمت جو خواص انبیاء علیہم السلام میں تھی وہ تو کسی غیر نبی میں نہیں آسکتی البتہ انبیاء سے کم اور عام لوگوں سے زیادہ عصمت اُن میں آسکتی ہے - قولی علاج یہ کیا کہ آپ نے تعوذ کیا اور انہیں لفظوں سے جن لفظوں سے حضرت مریم کی والدہ نے حضرت مریم اور اُن کی نسل کے لئے خدا سے تعوذ کیا تھا یعنی فرمایا انی اعیذ ھابك وذریتھا من الشیطان الرجیم یہیں سے سادات کا شرف بھی شریف اقوام پر ظاہر ہوگیا اور اس قوم بزرگ کے افراد و آحاد گو انفرادی حیثیت سے کسی قدر خراب کیوں نہ ہو جاویں مگر بہ حیثیت مجموعی و نوعی یقیناً وہ دیگر نسلوں سے اعلیٰ و افضل ہی رہینگے - باقی فعلی علاج میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا پانی کو مخصوص فرمانے کا نکتہ یہ ہے کہ پانی اسمانی جہت سے نازل ہوتا ہے اور وہی انسانی حیات کا موجب ہے - قرآن حکیم میں ہے وجعلنا من الماء کل شئی حی غرض پانی کو حیات سے خاص مناسبت اور علاقہ ہے -

حیات کی دو قسمیں ہیں - ایک حیاتِ جسمانی دوسری حیاتِ روحانی - پانی کو دونوں قسم کی حیات میں ایک قوی مناسبت ہے، چنانچہ یہی پانی لبشکل ماء دافق انسانی تولد کا موجب بھی بنتا ہے اسلئے حیاتِ روحانی و جسمانی کو اثر شیطانی سے پاک رکھنے کے لئے پانی ہی کو تجویز فرمایا گیا -

## (مکار دوست نما دشمنوں سے استعاذہ)

(۹۶) اللھم انی اعوذ بك من خلیل ماکر عیناہ تریانی وقلبہ یرعانی ان رای حسنة دفنھا وان رای سیئة اذاعھا - (حزب اعظم ص۹۹ مطبوعہ مطبع مرتضوی)

(التشریح) نافع اور مضر حقائق و اشیاء پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو تین قسم کے حقائق نظر آتے ہیں - اول وہ جو مضر ہیں اور جنکی مضرت اظہر من الشمس ہے - دوم وہ جو نافع ہیں اور جن کا نفع محسوس

اور مشاہد ہے۔ سوم ایسی اشیاء اور حقائق ہیں کہ جن کا نفع نقصان مخلوط اور باہم ملتبس ہے۔ انسان عاقل کو سمجھا گیا ہے کہ وہ بھلی چیزوں کو لے لے اور بُری چیزوں کو چھوڑ دے اور بھلی اور بُری چیزوں میں امتیاز قائم کرے۔ لیکن جہاں کہیں یہ صورت ہو کہ مضر چیز کے پردہ میں نافع اور نافع چیز کے پردہ میں مضر چیز ہو تو یہ حالت انسان کے لئے سخت خطرناک ہوتی ہے کیونکہ اس بات کا قوی امکان ہوتا ہے کہ کسی چیز کو وہ اپنے لئے محمود سمجھے اور وہ اُس کے لئے حقیقتاً مذموم ہو۔ اور کسی چیز کو وہ مذموم سمجھے حالانکہ وہ اُس کے لئے محمود ہو یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے کفار ظاہری کی بہ نسبت کفار باطنی یعنی منافقین کی زیادہ مذمت کی ہے کیونکہ وہ منفعت کے پردہ میں مضرت پہنچاتے ہیں۔ اسی اصول کے ماتحت دوستی اور دشمنی کو بھی ہم جب پرکھتے ہیں تو ظاہری دشمن اور حقیقی دوست کی صورت میں تو انسان کے لئے کھلی ہوئی راہِ عمل موجود ہے اور اُن میں انسان امتیاز کر سکتا ہے۔ اور اُسے کوئی دھوکہ نہیں لگ سکتا لیکن دوستی کے بھیس میں دشمنی اگر ہو تو چونکہ ایسے شخص کو انسان اپنا دوست سمجھتا ہے اور پرہیز کا اُسکو خطرہ تک بھی نہیں ہوتا اسلئے بسا اوقات انسان ایسے دوست نما دشمنوں کے دامِ تزویر میں پھنس کر مخفی دشمنی کا شکار ہو جاتا ہے اس بنا پر ایسے دوست نما دشمنوں سے تعوذ کی تعلیم دی گئی۔ جنگلی مضرتوں سے بچنا انسانی تدبیر اور طاقت سے خارج ہے۔ لیکن یہاں پر اگر یہ شبہ ہو کہ دوست نما دشمنوں سے تو تعوذ کیا گیا لیکن دشمن نما دوست سے کیوں تعوذ نہیں کیا گیا۔ تو اسمیں حکمت یہ ہے کہ تعوذ کا مقصد درحقیقت مضرت سے بچانا ہے اور دشمن نما دوست چونکہ حقیقت میں دوست ہی ہوتا ہے اور اُس سے کوئی مضرت نہیں پہونچتی۔ اسلئے اس سے تعوذ نہیں فرمایا گیا۔ یہ فتنہ آجکل جسقدر عام ہو گیا ہے اور مسلمانوں کے اکثر کاروبار جسقدر اس سے تباہ ہوتے چلے جا رہے ہیں وہ کوئی پوشیدہ حقیقت نہیں آج مسلم کاروبار کی تباہی کا سبب ہی یہ ہے کہ انسان دوست نما دشمنوں کو مخلص صادق سمجھکر اپنے دل کے تمام بھید کہہ دیتا ہے جو انجام کار اُسکے لئے موجب نقصان ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس کیفیت پر تلبیس سے ضرور استعاذہ کیا کریں۔ حق تعالیٰ احقر کو اور کل مخلص مسلمانوں کو اس عذابِ الیم سے اپنی پناہ میں رکھے اور اس ضررِ عظیم سے بچائے۔ آمین

۵۲

# تفصیل مواقع استعاذہ سے مدعا کیا ہے

اب میں اس مفید و مبارک سلسلہ کو حق سبحانہ و تعالیٰ کے شکر پر ختم کرتا ہوں جسکی توفیق رفیق نے اس عاجز کی رہنمائی کی اور استعاذہ کے منتشر مواقع کو یکجا جمع کرنے کی سعادت اُسے میسر آئی۔ آیندہ ایڈیشن میں اگر زندگی نے وفا کی تو انشاءاللہ جو حدیثیں اس بارہ میں اور ملینگی یا جو بلا تشریح کے رہ گئیں ہیں وہ بھی مشرح درج ہونگی۔ اور تعوذات قرآنی کو جس طرح چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اسی طرح ان تعوذات حدیث کو بھی منقسم کیا جاویگا۔

جس طرح بدنِ انسانی میں ہاتھوں کو پیروں کے ساتھ اور سر کو اعضاء کے ساتھ جمع کرنے سے خلاقِ عالم کا مقصد یہ ہے کہ انسان خدا کی زمین اور اُسکی عجائباتِ قدرت کا معاینہ و مشاہدہ کرتے ہوئے فریضۂ عبادت کو ادا کرکے اس مجموعۂ جسم سے سرتاپا ملک بنجاوے اسی طرح ان منتشر کیمیائی اجزاء استعاذہ کو یکجا کرنیسے احقر کی غرضِ اصلی یہ ہو کہ اسکے دینی بھائی اپنے مقاصد و عزائم، احوال و خیالات میں ان ادعیہ سے کوئی بہتر تبدیلی پیدا کریں اور ان تیر بہدف دعاؤں سے جو درحقیقت فطرتِ انسانی کو ہر قسم کے نقائص اور خرابیوں سے ایسی ہی طرح پاک صاف بناتی ہیں جیسے بھٹی سونے کو تپا کر خالص کیا کرتی ہو کوئی معتدبہ فائدۂ روحانی حاصل کریں۔ یہ زود اثر دعائیں بلسانِ شفاء اہلِ ایمان کو یہ بشارت دے رہی ہیں کہ جس طرح جسمانی نقائص اور خرابیوں کو دور کرنے کے لئے قدرت نے قسم قسم کی مختلف الاثر دوائیں پیدا کی ہیں اور وہی عالمِ اجسام میں جسمانی مزاج کو اعتدال پر قائم کرنے کی ضامن بنا دی گئی ہیں اسی طرح ہر قسم کی روحانی آفتوں اور بیماریوں سے انسان کو نجات دلانے کیلئے اور صحت و اعتدالِ روحانی کو قائم کرنے کے لئے خدا نے ہمکو بصورتِ دعا نباضِ عالم حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ظاہر کیا ہے چنانچہ یہی کیمیائی اجزاء جب مسلمانوں کے زیرِ استعمال تھے اور وہ اُن کا صحیح استعمال جانتے تھے تو دنیا نے دیکھا اور تاریخ کے بیشمار اوراق نے اسکی شہادت دی کہ ذلت و مسکنت، تنگدستی و مصائب میں گرفتار مخلوق کے افعال و اعمال میں یکایک تجلیاتِ الٰہی کا کس طرح ظہور ہوا اور وہی جاہل قوم جو صدیوں سے محکوم اور غلام تھی یکایک دنیا کی سرداری کی تختِ پر کس معجزانہ انداز سے متمکن ہوگئی۔ آخر میں جو طالبانِ حقیقت معوذتین اور ان جملہ تعوذات کو بصورتِ دعا اپنا ورد و معمول بنانا چاہتے ہیں اُن کی آسانی کے لئے حضرت حکیم الامت سیدی و سندی مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہم العالی نے ان جملہ تعوذات کو جو بصورتِ دعا ایک جا جمع کر دیا ہے وہ مناجات مقبول کو بجنسہ مع ترجمہ نقل کرتا ہوں جو اس کتاب کے لئے اور احقر کے حسنِ خاتمہ کے لئے انشاءاللہ ایک فال نیک ہو۔

۵۳

# دُعائے استعاذہ

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْهَرَمِ وَالْمَغْرَمِ وَالْمَأْثَمِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ

یا اللہ میں تیری پناہ پکڑتا ہوں کم ہمتی سے اور سستی سے اور بزدلی سے اور بہت بڑھاپے سے اور قرض سے اور گناہ سے اور دوزخ کے عذاب سے

وَفِتْنَةِ النَّارِ وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَشَرِّ فِتْنَةِ الْغِنٰى وَشَرِّ فِتْنَةِ الْفَقْرِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ

اور دوزخ کے فتنہ سے اور قبر کے فتنہ سے اور قبر کے عذاب سے اور مالداری کے بُرے فتنہ سے اور محتاجی کے بُرے فتنہ سے اور مسیح دجال کے بُرے

الدَّجَّالِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنَ الْقَسْوَةِ وَالْغَفْلَةِ وَالْعَيْلَةِ وَالذِّلَّةِ وَالْمَسْكَنَةِ وَالْكُفْرِ

فتنہ سے اور زندگی اور موت کے فتنہ سے اور سخت دلی سے اور غفلت سے اور تنگدستی سے اور ذلت سے اور خواری سے اور کفر سے

وَالْفُسُوْقِ وَالشِّقَاقِ وَالسُّمْعَةِ وَالرِّيَاۗءِ وَمِنَ الصَّمَمِ وَالْبَكَمِ وَالْجُنُوْنِ وَالْجُذَامِ وَسَيِّئِ الْاَسْقَامِ

اور فسق سے اور ضد ا ضدی سے اور سنانے سے اور دکھانے سے اور بہرے ہونے سے اور گونگے ہونے سے اور جنون سے اور جذام سے اور بری بیماریوں سے

وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَمِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْبُخْلِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ وَمِنْ اَنْ اُرَدَّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ وَفِتْنَةِ

اور بارِ قرضہ سے اور فکر سے اور غم سے اور بخل سے اور لوگوں کے دبا لینے سے اور اس سے کہ ناکارہ عمر تک پہونچوں اور دنیا کے

الدُّنْيَا وَمِنْ عِلْمٍ لَّا يَنْفَعُ وَقَلْبٍ لَّا يَخْشَعُ وَمِنْ نَّفْسٍ لَّا تَشْبَعُ وَمِنْ دَعْوَةٍ لَّا يُسْتَجَابُ لَهَا وَسُوْٓءِ ۵۴

فتنہ سے اور اس علم سے جو نفع نہ دے اور اس دل سے جس میں خشوع نہ ہو اور اس نفس سے جو سیر نہ ہو اور اس دعا سے جو مقبول نہ ہو۔ اور بری

الْعُمُرِ وَفِتْنَةِ الصَّدْرِ اَعُوْذُ بِعِزَّتِكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَنْ تُضِلَّنِیْ وَمِنْ جُهْدِ الْبَلَاۗءِ وَدَرْكِ الشَّقَاۗءِ

عمر اور دل کے فتنہ سے پناہ مانگتا ہوں میں بوسیلہ تیری عزت کے نہیں ہے کوئی معبود سوائے تیرے اس سے کہ گمراہ کرے تو مجھ کو اور بلا کی شقت سے

وَسُوْٓءِ الْقَضَاۗءِ وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَاۗءِ وَمِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ اَعْمَلْ وَمِنْ شَرِّ مَا

اور بدبختی کے پالینے سے اور بری تقدیر سے اور دشمنوں کے طعنہ سے اور اس کام کی برائی سے جو میں نے کیا اور اس کام کی برائی سے جو میں نے نہیں کیا اور اس چیز کی برائی سے

عَلِمْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ اَعْلَمْ وَمِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفُجَاۗءَةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِيْعِ سَخَطِكَ

جو مجھے معلوم ہے اور اس چیز کی برائی سے جو مجھ کو معلوم نہیں اور تیری نعمت کے جاتے رہنے سے اور تیرے امن کے پلٹ جانے سے اور تیرے عذاب کے ناگہاں آجانے سے اور تیرے تمام غصوں سے

وَمِنْ شَرِّ سَمْعِیْ وَمِنْ شَرِّ بَصَرِیْ وَمِنْ شَرِّ لِسَانِیْ وَمِنْ شَرِّ قَلْبِیْ وَمِنْ شَرِّ مَنِيِّیْ وَمِنَ الْفَاقَةِ

اور اپنی شنوائی کی برائی سے اور اپنی بینائی کی برائی سے اور اپنی زبان کی برائی سے اور اپنے دل کی برائی سے اور اپنی منی کی برائی سے اور فاقہ سے

وَمِنْ اَنْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ وَمِنَ الْهَدْمِ وَمِنَ التَّرَدِّیْ وَمِنَ الْغَرَقِ وَالْحَرْقِ وَاَنْ يَّتَخَبَّطَنِیَ الشَّيْطٰنُ

اور اس سے کہ میں ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جاوے اور کسی چیز کے میرے اوپر گر جانے سے اور کسی چیز پر سے گر پڑنے سے اور ڈوب جانے سے اور جل جانے سے اور اس سے کہ گرا دے مجھ کو شیطان

عِنْدَ الْمَوْتِ وَمِنْ اَنْ اَمُوْتَ فِیْ سَبِيْلِكَ مُدْبِرًا وَّاَنْ اَمُوْتَ لَدِيْغًا وَّمِنْ مُّنْكَرَاتِ الْاَخْلَاقِ

موت کے وقت اور اس سے کہ مروں میں جہاد سے بھاگ کر اور اس سے کہ مروں میں زہریلے جانور کے کاٹنے سے اور ناپسندیدہ اخلاق

وَالْاَعْمَالِ وَالْاَهْوَاۗءِ وَالْاَدْوَاۗءِ نَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ

اور اعمال اور نفسانی خواہشوں اور بیماریوں سے پناہ چاہتے ہیں ہم تیری اُن بُری چیزوں سے جن سے پناہ مانگی ہے تیرے نبی محمد صلے اللہ علیہ وسلم

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِنْ جَارِ السُّوْۗءِ فِيْ دَارِ الْمُقَامَةِ فَاِنَّ جَارَ الْبَادِيَةِ يَتَحَوَّلُ وَغَلَبَةِ الْعَدُوِّ

نے اور بُرے پڑوس سے قیام کی جگہ میں کیونکہ سفر کا ساتھی تو چل ہی دیتا ہے اور دشمن کے غلبہ

وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَاۗءِ وَمِنَ الْجُوْعِ فَاِنَّهٗ بِئْسَ الضَّجِيْعُ وَمِنَ الْخِيَانَةِ فَبِئْسَتِ الْبِطَانَةُ وَاَنْ

اور مخالفین کے طعنہ سے اور بھوک سے کہ وہ بُرا ہم خواب ہے اور خیانت سے کہ وہ بُرا ہمراز ہے اور اس سے

نَرْجِعَ عَلٰۤى اَعْقَابِنَا اَوْ نُفْتَنَ عَنْ دِيْنِنَا وَمِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَمِنْ يَوْمِ

کہ پچھلے پیروں لوٹیں ہم یا اپنے دین سے الگ ہو کر فتنہ میں پڑیں ہم اور تمام فتنوں سے جو ظاہری ہیں اُن میں سے اور جو باطنی ہیں اور بُرے

السُّوْۗءِ وَمِنْ لَيْلَةِ السُّوْۗءِ وَمِنْ سَاعَةِ السُّوْۗءِ وَمِنْ صَاحِبِ السُّوْۗءِ وَمِنَ الْبَرَصِ وَمِنَ

دن سے اور بُری رات سے اور بُری گھڑی سے اور بُرے ساتھی سے اور برص سے اور ضدا

الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْۗءِ الْاَخْلَاقِ وَمِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ حَالِ اَهْلِ النَّارِ وَمِنَ النَّارِ

ضدی سے اور نفاق سے اور بُرے اخلاق سے اور اُس چیز کی بُرائی سے جس کو تو جانتا ہے پناہ پکڑتا ہوں میں اللہ کی اہل دوزخ کے حال سے

وَمَا قَرَّبَ اِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ وَعَمَلٍ وَمِنْ شَرِّ مَا اَنْتَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهٖ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيْ هٰذَا

اور اس چیز سے کہ قریب کرے اس سے قول ہو یا عمل اور اُس چیز کی بُرائی سے جو تیرے قبضہ میں ہے اور پناہ چاہتا ہوں میں تیری اس چیز کی بُرائی سے

الْيَوْمِ وَشَرِّ مَا بَعْدَهٗ وَمِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَشَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهٖ وَاَنْ نَقْتَرِفَ عَلٰۤى اَنْفُسِنَا سُوْۗءًا اَوْ

جو اس دن میں ہے اور اس چیز کی بُرائی سے جو اس کے بعد ہے اور اپنے نفس کی بُرائی سے اور شیطان کی بُرائی سے اور اسکے شرک سے اور اس سے کہ حاصل کریں ہم اپنی جان پر کسی بُرائی کو

نَجُرَّهٗ اِلٰى مُسْلِمٍ اَوْ اَكْتَسِبَ خَطِيْئَةً اَوْ ذَنْبًا لَا تَغْفِرُهٗ وَمِنْ ضِيْقِ الْمَقَامِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْۤ

یا اسکو کسی مسلمان تک پہونچائیں یا کروں میں کوئی ایسی خطا یا گناہ جسے تو نہ بخشے اور مقام کی تنگی سے قیامت کے دن یا اللہ میں پناہ

اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَاۤ اُحْصِيْ ثَنَاۗءً عَلَيْكَ

چاہتا ہوں تیری رضا کے ساتھ تیری ناخوشی سے اور تیرے عفو کے ساتھ تیری عقوبت سے اور پناہ چاہتا ہوں تیری تجھ سے نہیں کر سکتا ہوں میں تعریف تیری

اَنْتَ كَمَاۤ اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ نَزِلَّ اَوْ نُزِلَّ اَوْ نَضِلَّ اَوْ نَظْلِمَ اَوْ يُظْلَمَ عَلَيْنَا

تو اُسی تعریف کے لائق ہے کہ خود کی ہے تو نے اپنی ذات کی ۔ یا اللہ ہم پناہ چاہتے ہیں تیری اس سے کہ ہم ڈگ جائیں یا کسی کو ڈگا دیں یا ہم کسی کو

اَوْ نَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَيْنَاۤ اَوْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الْكَرِيْمِ الَّذِيْۤ اَضَاۗءَتْ لَهُ السَّمٰوٰتُ

یا ہم جہالت کریں یا ہم پر جہالت کیجائے یا گمراہ ہوں میں یا گمراہ کیا جاؤں چاہتا ہوں میں پناہ تیری ذات گرامی کے نور کی جس سے روشن ہیں آسمان

وَاَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَصَلَحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اَنْ تُحِلَّ عَلَيَّ غَضَبَكَ وَتُنْزِلَ عَلَيَّ سَخَطَكَ

اور چمک رہی ہیں اُس سے ظلمتیں ۔ اور درست ہیں اس سے کام دنیا اور آخرت کے اس سے کہ اتارے تو مجھ پر غصہ اپنا اور نازل کرے تو مجھ پر ناخوشی اپنی

۵۵

وَلَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ اَللّٰهُمَّ وَاقِيَةً كَوَاقِيَةِ الْوَلِيْدِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ

اور تیرا ہی حق ہے تجھکو منانا یہاں تک کہ تو راضی ہو جاوے اور نہیں ہے پھرنا گناہ سے اور طاقت عبادت کی مگر تیری مدد سے یا اللہ چاہتا ہوں نگہبانی مثل نگہبانی

مِنْ شَرِّ الْاَعْمَيَيْنِ السَّيْلِ وَالْبَعِيْرِ الصَّؤُوْلِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ خَلِيْلٍ مَاكِرٍ عَيْنَاهُ تَرَيَانِیْ وَقَلْبُهٗ

بچہ کی یا اللہ میں پناہ چاہتا ہوں تیری برائی سے دو اندھوں یعنی رَو اور حملہ آور اونٹ کے یا اللہ میں پناہ چاہتا ہوں تیری مکار دوست سے کہ آنکھیں تو اسکی

يَرْعَانِیْ اِنْ رَاٰى حَسَنَةً دَفَنَهَا وَاِنْ رَاٰى سَيِّئَةً اَذَاعَهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبُؤْسِ وَالتَّبَاؤُسِ

مجھے دیکھتی ہوں اور دل اسکا مجھے چرائے لیتا ہو اگر دیکھے بھلائی تو دبا دے اور اگر دیکھے برائی تو فاش کرے یا اللہ میں پناہ چاہتا ہوں تیری

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ اِبْلِيْسَ وَجُنُوْدِهٖ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ النِّسَاءِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ

یا اللہ میں پناہ چاہتا ہوں تیری شیطان سے اور اُس کے لشکروں سے یا اللہ میں پناہ چاہتا ہوں تیری عورتوں کے فتنہ سے یا اللہ میں پناہ

بِكَ مِنْ اَنْ تَصُدَّ عَنِّیْ وَجْهَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ كُلِّ عَمَلٍ يُّخْزِيْنِیْ وَاَعُوْذُ بِكَ

چاہتا ہوں تیری اس سے کہ منہ پھیرے تو مجھ سے قیامت کے دن یا اللہ میں پناہ چاہتا ہوں تیری ہر اس عمل سے کہ رسوا کرے مجھ کو اور پناہ

مِنْ كُلِّ صَاحِبٍ يُّؤْذِيْنِیْ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ كُلِّ اَمَلٍ يُّلْهِيْنِیْ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ كُلِّ فَقْرٍ يُّنْسِيْنِیْ وَاَعُوْذُ

چاہتا ہوں تیری ہر اس ساتھی سے کہ تکلیف دے مجھ کو اور پناہ چاہتا ہوں تیری ہر ایسی منصوبہ سے کہ غافل کر دے مجھے اور پناہ چاہتا ہوں تیری ہر فقر سے کہ بھول میں ڈال دے مجھے

بِكَ مِنْ كُلِّ غِنًى يُّطْغِيْنِیْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ مَّوْتِ الْهَمِّ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ مَّوْتِ الْغَمِّ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ

اور پناہ چاہتا ہوں تیری ہر اس مالداری سے کہ دماغ چلا دے میرا یا اللہ میں پناہ چاہتا ہوں تیری فکر کی موت سے اور پناہ چاہتا ہوں تیری غم کی موت سے یا اللہ میں

۵۶

اَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا وَّاَنَا اَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا اَعْلَمُ بِهٖ وَاَعُوْذُ بِكَ اَنْ يَّدْعُوَ

پناہ چاہتا ہوں تیری اس سے کہ تیرے ساتھ کچھ بھی شرک کروں اور اسکو میں جانتا ہوں اور معافی چاہتا ہوں تجھ سے اسکی کہ میں نہیں جانتا ہوں اور پناہ چاہتا ہوں تیری کہ بد دعا دے مجھے

عَلَیَّ رَحِمٌ قَطَعْتُهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَنْ يَّمْشِیْ عَلٰى بَطْنِهٖ وَمِنْ شَرِّ مَنْ يَّمْشِیْ عَلٰى رِجْلَيْنِ

کوئی رشتہ دار جس سے میں نے قطع رحم کیا ہو یا اللہ میں پناہ چاہتا ہوں تیری اس حیوان کی برائی سے کہ پیٹ کے بل چلتا ہے اور اس حیوان کی برائی سے کہ دو پیروں

وَمِنْ شَرِّ مَنْ يَّمْشِیْ عَلٰى اَرْبَعٍ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنِ امْرَاَةٍ تُشَيِّبُنِیْ قَبْلَ الْمَشِيْبِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ

اور اس حیوان کی برائی سے کہ چار پیروں سے چلتا، یا اللہ میں پناہ چاہتا ہوں تیری ایسی عورت سے کہ مجھ بوڑھا کر دے بڑھاپے سے پہلے اور پناہ چاہتا ہوں تیری

وَلَدٍ يَّكُوْنُ عَلَیَّ وَبَالًا وَّاَعُوْذُ بِكَ مِنْ مَّالٍ يَّكُوْنُ عَلَیَّ عَذَابًا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّكِّ

ایسی لڑکے سے کہ ہو مجھ پر وبال اور پناہ چاہتا ہوں تیری ایسے مال سے کہ ہو مجھ پر عذاب یا اللہ میں پناہ چاہتا ہوں تیری شک کرنے سے حق بات

فِی الْحَقِّ بَعْدَ الْيَقِيْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ يَوْمِ الدِّيْنِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ

میں بعد یقین کے اور پناہ چاہتا ہوں تیری شیطان مردود سے اور پناہ چاہتا ہوں تیری سختی روز جزا سے یا اللہ میں پناہ

اَعُوْذُ بِكَ مِنْ مَّوْتِ الْفُجَاءَةِ وَمِنْ لَّدْغِ الْحَيَّةِ وَمِنَ السَّبُعِ وَمِنَ الْغَرَقِ وَمِنَ الْحَرَقِ وَمِنْ اَنْ

چاہتا ہوں تیری ناگہانی موت سے اور سانپ کے کاٹنے سے اور درندہ سے اور ڈوبنے سے اور جل جانے سے اور اس سے کہ

اَخِرَّ عَلٰى شَیْءٍ وَّمِنَ الْقَتْلِ عِنْدَ فِرَارِ الزَّحْفِ

گر پڑوں کسی چیز پر اور مارے جانے سے لشکر کے بھاگنے کے وقت

ضمیمہ ثانیہ

۷۸۶

# معوذتین کے جزوِ قرآن ہونیکی بحث

حضرت عبداللہ بن مسعود کا انفراد

جماعتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے بعض حضرات کو معوذتین کے مصحفِ ہذا میں شامل کرنے اور نمازوں میں بحیثیت اُن کے جزوِ قرآن ہونیکے تلاوت کرنے میں تردد پیش آیا ہی چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا گوشۂ خاطر اس طرف تھا کہ یہ آیات بینات اور یہ وحیِ ربانی بغرض علاج وازالۂ سحر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حق تعالیٰ کی جانب سے نازل فرمائی گئیں تھیں اور اس سببِ خاص کی وجہ سے ان کا یہ نزول خاص ہوا تھا۔ لہذا اُنکو جزوِ قرآن بنانا اور مصحف میں درج کرنا نمازوں میں اُن کی تلاوت کرنا خلافِ احتیاط ہے۔ اگرچہ معوذتین کے منزل من اللہ و کلام من کلام اللہ ہونے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ادنیٰ سا بھی شک نہ تھا اور اس بارہ میں حضرت ابن مسعودؓ بھی تمام صحابہ ہی کے ہم عقیدہ وہمزبان تھے۔ البتہ شانِ نزول کے لحاظ سے اُنھیں یہ تامل ضرور تھا۔

اجماع صحابہؓ کے مقابلہ میں انفراد، انفراد ہی ہے

لیکن جمہور صحابہ بالاتفاق سب اسی طرف ہیں کہ یہ آیات بے مثال جزوِ قرآن ہیں اور اُن کو نمازوں میں پڑھنے اور تلاوت کرنے کا وہی حکم ومرتبہ ہے جو دیگر آیاتِ قرآنی کا ہے اور کسی نے حضرت ابن مسعودؓ کی اس انفرادی وشخصی رائی کو باوجود اُن کی جلالتِ قدر ومزاولت فی القرآن کی کلام حمید کی عظمت وجلالت اور رفتار واسلوب وتعامل اور ارشادِ نبوی کو مدنظر رکھتے ہوئے تسلیم نہ کیا۔ اور اجماع صحابہ کے مقابلہ میں ظاہر ہے کہ یہ انفراد قابلِ قبول ہو بھی نہ سکتا تھا لیکن ہم تسلیم کرتے ہوئے:۔

معوذتین کے جزوِ قرآن ہونیکے دلائل

اگر معوذتین کا نزول سبب خاص کی وجہ سے ہوا ہے یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ اون کے جزوِ قرآن ہونے میں پھر بھی کوئی شک پیدا نہیں کرتا تفصیل اُسکی یہ ہے کہ قرآن حکیم ومضامینِ کتاب حلیم انسان کی جملہ آفات وامراض روحانی وجسمانی کا واحد مکمل شافی علاج

ہیں اور تمام شانوں میں ممتاز شان اسکی شفاءٌ للناس ہے لہذا مما نزلنا میں معوذتین سے ازالۂ سحر ہوتا ہی تو دیگر آیاتِ قرآنی سے دوسرے روحانی امراض دور ہوتے ہیں۔ اور یہ قرآنِ کریم حسب استعداد بشری حضرت سید البشر صلعم اور اُن کے متبعین کے احوال و اعمال میں اعتدال و توازن، توسل و توسط پیدا کرنے کے لئے تدریجاً موقع و محل کے لحاظ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر جستہ جستہ سماء دنیا سے زمین پر آیا ہی اسلئے یہ کیسے ممکن ہی کہ یہ آیاتِ تعوذ جو اپنے تاثرات میں درجہ لاثانی رکھتی ہیں جزو قرآن نہ ہوں۔ علاوہ ازیں جبکہ عقبہ بن عامر کی حدیث میں ہی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے معوذتین کے متعلق فرمایا کہ آجکی رات مجھپر ایسی آیات نازل ہوئی ہیں جنکی مثل اب تک میں نے نہیں دیکھیں جس سے ان آیات کا استعاذہ کے باب میں بیمثال ہونا اور دعوی اعجاز قرآنی کی ممتاز دلیل ہونا عیاں ہے تو پھر یہ کیسے قرین صواب ہو سکتا تھا کہ جمہور صحابہ ان کنتم فی ریب مما نزلنا علے عبدنا فأتوا بسورۃ من مثلہ کو سامنے رکھکر معوذتین کو مما نزلنا کے ماتحت جزو قرآن نہ تسلیم فرماتے یہاں حما اوحینا بھی ہوتا تب بھی کسی درجہ میں تاویل کی گنجایش ہو سکتی تھی لیکن جبکہ ان آیات کا نزول بعینہ اسی طرح ہوا جیسا کہ دیگر آیات کا ہوتا ہے اُن کے لانے والے بھی جبرئیل امین ہی ہیں تو اس کے بعد اُن کے جزوِ قرآن ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ بلاشبہ ان آیاتِ منزلہ کا نزول سحرِ یہود کی وجہ سے ہوا جیسا کہ عَبَسَ وَتَوَلّٰی کا نزول ابن امِّ مکتوم کی وجہ سے ہوا لیکن جبکہ نبی کا تعلق اپنی امت سے ایسا ہی ہے جیسا تخم کا واسطہ اپنے شجر سے ہوتا ہی یا نوع کا تعلق اپنے افراد سے ہوتا ہے اور امت حضور کے اسوۂ حسنہ اور حضور کے نقش قدم پر چلنے میں ایسی ہی طرح پابند ہے جیسے ایک ماہر فنِ خیاطت کی قطع کی ہوئی اچکن کے موافق دوسرے اچکن قطع کرنے میں اُس کے شاگرد اپنے اُستاذ کے پابند ہوا کرتے ہیں اور کمالِ قطع و تراش حاصل کرنے میں شاگرد اپنے استاد کا حرف بحرف مطیع ہوتا ہے تو جو علاج اور استعاذہ کا ثمرات سے شرور و آفات میں حضور کو جبرئیل امین نے سکھلایا۔ اس تعلق سے نبی کے پیرؤں کے لئے بھی وہی حکم ہوگا۔ جو حضور کے لئے ہوگا۔ اور وہی احکامات و اثرات امت پر بھی مرتب ہونگے جو نبی پر ہوتے ہیں الآیہ کہ حضور کسی حکم میں اپنے لئے تخصیص کا اظہار فرمادیں۔ اور اس قسم کی نظائر بکثرت قرآن عزیز میں موجود ہیں کہ بعض آیاتِ قرآنی بلحاظ خطاب و حکم حضور کے لئے یا آپ کے صحابہ کے لئے مخصوص ہیں لیکن امت بھی

خطاب و حکم میں ویسا ہی مرتبہ رکھتی ہے جیساکہ حضور یا آپ کے صحابہ رکھتے ہیں مثلاً یا یھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک کا خطاب گو حضور سے ہے لیکن تبلیغ مما نزلنا اُمت پر بھی ویسی ہی ضروری ہے جیسے حضور پر تھی یا مثلاً عَبَسَ وَ تَوَلّٰی کا نزول جب ہوا جبکہ سردارانِ قریش حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے اُن کو تبلیغ اسلام فرمائی تو دورانِ تبلیغ میں ابنِ مکتوم نے حضور کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا اور اپنا قصہ چھیڑ دیا اسپر حضور کو گرانی پیش آئی جس گرانی سے بلحاظ بیچارگی ابنِ اُم مکتوم حضرت حق جل مجدہٗ کو گرانی پیش آئی اور اس سورۃ کا نزول ہوا یا مثلاً سورہ حجرات جو اعراب حاضر الوقت کے بیوقت وبے طرح بولنے پر نازل ہوئی اور اس ہدایت ربانی سے مطلع فرمایا گیا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی یعنی نہ آوازیں بلند کیا کرو اللہ و رسول کی آواز سے اوپر، اسمیں گو یہ خطاب الٰہی شانِ نزول کے لحاظ سے اعراب حاضر الوقت کے لئے تھا لیکن سب جانتے ہیں کہ یہ آیۂ کریمہ اپنے عموم مطالب کے لحاظ سے تمام افرادِ اُمت کو مخاطب بنا رہی ہے غرض بکثرت ایسی آیات ہیں جو اپنی شانِ ورود کے لحاظ سے خاص حالت و کیفیت سے وابستہ ہیں لیکن اس کے باوجود اُمت اُن کی صحیح مخاطب اور مکلف قرار دیگئی ہے۔ اور امت پر آیاتِ قرآنی کی تلاوت اور اُن کا حفظ ایک اہم فریضہ ہے اسی بناپر حضرت عثمان ذی النورین خلیفۂ ثالث رضی اللہ عنہ نے جب قرآن مجید کو بلغت قریش پچاس ہزار صحابہ کے مشورہ و خوشنودگی سے جمع فرمایا تو اس مصحف مجمع علیہ میں معوذتین کو اس جماعت عظیمہ نے داخل وجزوِ قرآن فرمایا۔ رضوان اللہ علیہم و رضوا عنہ۔

**حضرت ابن مسعودؓ کے نقطۂ نظر کی تشریح**

بہر حال حقیقتِ حال یوں معلوم ہوتی ہے واللہ اعلم بسرہ و مرادہ بذلک کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین کو کلام الٰہی مانتے اور اُن کا ورد فرماتے کے باوجود یہ ضروری نہیں خیال فرماتے تھے کہ اُن کو جزوِ قرآن سمجھا جائے اور مصحف کا جزو بنایا جائے بلکہ معوذتین کے مزیل سحر ہونے کی وجہ سے اُن کی شکل دعائے ملہم کی سی جانتے تھے غالباً حضرت کی نظر میں فاستعذ باللہ کا جیسا مصداق جملہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم تھا ویسا ہی معوذتین کو وہ اس کا مصداق سمجھتے تھے اور اذا قرأت القرآن کے معنے اُن کی نظر میں یہ تھے کہ جب تم قرآن کا کوئی حصّہ پڑھ چکو تو اعجاب سے بچنے کے لئے اللہ سے استعاذہ کیا کرو خواہ وہ استعاذہ اپنے لفظوں سے ہو خواہ اُن لفظوں کے ساتھ ہو جنکے ساتھ جبرئیل امین نے استعاذہ کیا۔ خواہ معوذتین سے

غرض جس طرح بالاتفاق اسپر اجماع اہلِ اسلام ہے کہ جملہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم آیاتِ قرآنی میں سے نہیں اور اس جملہ کی جو تشریح مطالب تفاسیر متداولہ میں مفسرین فرمایا کرتے ہیں وہ محض اس خیال سے فرماتے ہیں کہ جیسے قرأت القرآن کے وقت حکم ربی ہے کہ استعاذہ کیا کرو تفسیر لکھتے وقت بھی تبرکاً و تیمناً اعوذ باللہ کی تفسیر کرنی چاہیئے۔ اسی طرح حضرت ابن مسعودؓ کے نزدیک معوذتین بھی داخلِ قرآن نہیں ہیں بلکہ اُن کی تفسیر و توضیح سب فاستعذ باللہ کے ماتحت ہے۔

صحابۂ کرام کے نقطہ نظر کی تشریح

لیکن جبکہ روایات مستندہ و آثار متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے ان دونوں سورتوں کو نمازوں کی رکعتوں میں تلاوت فرمایا تو اس کے بعد اُن کی حیثیت دعائے ملہم کی نہیں ہو سکتی کیونکہ نماز میں غیر قرآن کو قرآن کی جگہ پڑھ دینے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اگر معوذتین جزو قرآن نہ ہوتیں تو کیسے ممکن تھا کہ حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ نمازوں میں اُن کی تلاوت فرماتے اور جبکہ یہ محقق ہو چکا کہ معوذتین جزو قرآن ہیں تو اسکے بعد اُن کا موجودہ مصحف مجمع علیہ میں مندرج ہونا ضروری تھا اگر اندراج نہ ہوتا تو تحریف و تنقیص کلام محفوظ الرحمٰن لازم آتی اور شیعانِ کمینہ خو کو ایک حجت ہاتھ لگتی۔

بسم اللہ اور استعذ باللہ فاتحہ اور معوذتین میں ربط مخصوص

الغرض حضرت عبد اللہ بن مسعود رضؓ جیسے جلیل القدر کاتبِ وحی قرآنی کے اس اختلافِ خیال میں غور و تدبر کرنے سے امتیاز ضرور واضح ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ اور معوذتین بسم اللہ اور فاستعذ باللہ میں ربطِ مخصوص و علاقۂ معنوی ہے اور کیا عجب ہے کہ حضرت صاحب البرکت نے فاتحۃ الکتاب اور معوذتین کو قرآن کا اول و آخر قرار دیکر سورۂ فاتحہ کو تو جزوِ قرآن مانکر ایسی ہی طرح اس سے علیحدہ سمجھا ہو۔ جیسا تخم شجر کو شجر سے علیحدہ مانا جاتا ہے اور معوذتین کو جزوِ قرآن نہ مانکر ایسی طرح اُن کو داخلِ کلام الٰہی مانا ہو جس طرح کسی عالیشان محل کے اندر صفائی پیدا کرنے والے آلات کو داخلِ مکان بھی کہا جاتا ہے اور بلحاظ محل کی ماہیت کے اس سے خارج بھی تصور کیا جاتا ہے۔

قرآن کا تخم اول و ثانی اور اسکی مثال

غرض جسطرح فاتحۃ الکتاب یعنی سورۂ الحمد تمام قرآن شریف کے معانی و مضامین کے لحاظ سے بمنزلہ تخم کے ہے اور سارا قرآن شریف اس کے لئے بمنزلہ برگ و بار کے اسی طرح معوذتین کو اگر باعتبار ترتیبِ مصحف عثمانی خاتمۃ الکتاب کہا جائے اور قرآن کا تخم ثانی

مانا جائے تو بجا ہے اسلئے کہ جیسے کسی پھولدار درخت کا بیج جب زمین میں ڈالا جاتا ہے تو وہ اپنے اندر سے درخت اُگا کر پھول لے آتا ہے اور اگر باغبان واقف اسرار نباتات ہے تو وہ اُسی درخت میں قلم لگا کر دوسری قسم کا پھول اسپر لے آتا ہے۔ اور ایک شاخ پر ایک وضع کا پھول کھلتا ہے تو دوسری شاخ پر دوسری وضع کا پھول نمودار ہوتا ہے اور ان پھولوں کی جڑمیں وہی تخم اول اپنا جیسا تخم لے آتا ہے تو اس کمال صنعت نباتی سے سمجھنے والے سمجھ لیتے ہیں کہ جو تخم بویا گیا تھا اسنے چمن میں اپنی خوش رنگ وخوش ذائقہ اور خوشبوؤں سے اپنی پوری تفصیلات دکھلا کر انتہا میں پہونچکر آخر وہی کیفیت وصورت اجمال اختیار کر لی جو ابتدا میں اُسکو حاصل تھی اور ناظرین کا یہ سمجھنا حق بجانب ہوتا ہے کہ اب یہ درخت پایۂ تکمیل کو پہونچ گیا ہے کیونکہ اُس تخم میں جو اجمال اول مرتبہ میں تھا وہی آخر میں آگیا فرق ہے تو یہ ہے کہ تخم اول جب سپرد خاک کیا گیا تھا تو اس اجمال کی کوئی تفصیل اور درخت کا کوئی انفعال اور اُسکی ہیئت کذائیہ کا کوئی خاکہ دُنیا میں موجود نہ تھا اور اب تخم ثانی جو ظاہر ہوا ہے وہ برگ وبار کی تفصیلات وانقلابات شجر کے بعد نمایاں ہوا ہے اور گو تخم اول وتخم ثانی ایک ہی درخت پر نمودار ہیں اور تاثیر میں یکساں ہیں مگر خوشبو اور رنگ میں بڑا فرق ہے اسی طرح جب تخم فاتحۃ الکتاب نے قلب مومن میں بار آور ہو کر یا عالم اجسام میں جستہ جستہ نازل ہو کر قرآن مفصل کی شکل اختیار کی تو حضرت نون والقلم ومایسطرون نے اس تخم تحمید کے برگ وبار میں تعوذ من الشیطان کا قلم لگا کر آخر کتاب اللہ میں معوذتین کا پھول کھلایا اور تخم تعوذ اسمیں ملفوف وپنہاں فرمایا۔

**تاثیرات تخم تحمید وتخم تعوذ اور اُنکا فرق**

اور گو یہ دونوں تخم تحمید وتعوذ ایک ہی شجر نور کے تخم ہیں اور دونوں کی تاثیرات خداوند عالم ہی کیطرف انسان کو متوجّہ کرنیوالی ہیں مگر اُن میں فرق ہے تو یہ ہے کہ تخم تحمید جالب نور ہے تو تخم تعوذ دافع ظلمت ہے۔ فاتحۃ الکتاب کا خاصّہ جلب منفعت ہے اور نتیجہ اُسکا دفع شیطنت ہے یعنی ورد فاتحۃ الکتاب سے قلب مومن میں نور پیدا ہوتا ہے جس سے ظلمت کافور ہو جاتی ہے۔ تو خاتمۃ الکتاب کی تاثیر اور اس کا خاصّہ یہ ہے کہ اثرات شیطنت کو جلا کر زمین قلب کو نور کے قابل بنا دے اور اگر قلب میں نور پیدا ہی تو شیطنت کی ظلمت کو آنے نہ دیا جائے اور دفع مضرت کیا جائے۔ غرض تاثیرات ونتائج کے

لحاظ سے نتیجہ دونوں کا ایک ہی ہے۔

**انوارِ تحمید و تعوذ اور اُن میں مناسبت** اور تعوذ و تحمید کے انوار میں وہی علاقہ جاذبیت اور اُنکی تاثیرات میں وہی نسبت ہے جو نورِ قمر کو نورِ شمس کے ساتھ ہوتی ہے جیسے نورِ شمس فارق بین اللیل والنہار ہے اور نورِ قمر نورِ شمس کو لانے کا موجب ہے یہی علاقہ اُن میں سمجھئے۔ نورِ تعوذ کی حرارت اگر الائشاتِ شیطانی کو خاک سیاہ بنا دیتی ہے تو نورِ تحمید اپنی ٹھنڈی نورانیت و برودت سے شجر ایمان میں اطلاع پیدا کرتی ہے۔

جیسے حق تعالیٰ شانہ نے اپنے کلام پاک کی آیۂ کریمہ ولقد اٰتینٰک سبعًا من المثانی والقراٰن العظیم میں باوجود سورۂ فاتحہ کے جزو قرآن ہونے کے سورہ فاتحہ اور قرآنِ عظیم کو دو علیحدہ علیحدہ چیزیں قرار دیا ہے۔ اور اگر ہم اردو کے محاورات میں اس کا حاصل بیان کریں تو انہی لفظوں کے ساتھ بیان کرینگے کہ اے نبی ہم نے تم کو عنایت کیا قرآن مجمل بھی اور قرآن مفصل بھی لیکن اس کا یہ مطلب کوئی نہیں سمجھ سکتا کہ قرآن مجمل میں قرآن مفصل داخل نہیں یا قرآن مفصل میں قرآن مجمل موجود نہیں۔

اسی طرح حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے معوذتین کے کمالِ بلاغت و جلالتِ قدر کو ملحوظ خاطر فرماتے ہوئے اگر فاتحۃ الکتاب کے متعلق آیۂ کریمہ ولقد اٰتینٰک الخ میں حق تعالیٰ شانہ کی تعریف کے اثباتی پہلو کو ملحوظ رکھتے ہوئے معوذتین کے بے مثال ہونے کی شہادت نفی کے پہلو میں حضور نے اس طرح فرمائی کہ آج کی رات مجھپر ایسی آیات نازل ہوئی ہیں جن کی مثل اب تک میں نے نہ دیکھی جس سے مقصود عام آیاتِ قرآنی سے اُن کی فوقیت کو ظاہر فرمانا تھا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ داخل و جزو قرآن نہیں ہیں۔

**فاتحہ کا نزول معوذتین کے نزول کا پیش خیمہ تھا** شاید یہی سبب ہے، کہ جب سورہ فاتحہ نازل ہوئی تو حدیث میں ہے کہ شیطان رویا گویا اُسنے اپنا سر پیٹ لیا۔ کیونکہ یہ معتوب سرکار احدیت اور یہ عالم اسرارِ خیر و شر سمجھتا تھا کہ فاتحۃ الکتاب قرآن کے لئے بمنزلۂ تخم کے ہے جو اس کے انوار حاصل کر لیگا گو یا وہ تمام قرآن کے انوار حاصل کر لیگا۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہی ہوگا کہ قلب مؤمن میں کیفیتِ تعوذ پیدا ہوگی۔ اور قرآن مفصل کے آخر میں معوذتین کا پھول کھلیگا۔

بسم اللہ کی تشریح فاتحہ ہے اور فاستعذ باللہ کی تشریح معوذتین ہیں

الغرض حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بہت ممکن ہے کہ آیۂ کریمہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تشریح تو فاتحۃ الکتاب کو قرار دیا ہو اور سارے قرآن کو اسکی تشریح مانا ہو۔ اور جملۂ اعوذ باللہ کی ملہم و منزل من اللہ تشریح و تفسیر معوذتین کو مانا ہو اور مثل اُن آیات کے معوذتین کو قرار دیا ہو جو حقیقت میں تو قرآن کی تشریح میں حضورؐ نے ارشاد فرمائی تھیں مگر بعض صحابہ اُن کو آیاتِ قرآنی سمجھ گئے تھے اور اپنے اپنے مصاحف میں اُنہوں نے ان تفسیری جملوں کو بھی آیاتِ قرآنی کے ہی ذیل میں لکھ لیا تھا لیکن جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں جمع و ترتیبِ قرآن کی خدمت پچاس ہزار صحابہ کے مشورہ سے عمل میں آئی تو اُن تفسیری جملوں کو نکال دیا گیا جو آیاتِ قرآنی کے ذیل میں درج ہو گئے تھے۔

تو جیسے بسم اللہ جزوِ قرآن ہے اُسکی تشریح بھی حضرت ابن مسعودؓ کے نزدیک جزوِ قرآن ہوئی اور اعوذ باللہ چونکہ ایک جملۂ تعوذ ہے آیتِ قرآنی نہیں ہے لہذا اُسکی تشریح بھی جزوِ قرآن نہ ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کے نظریہ کا یہ خلاصہ ہے لیکن جمہور صحابہ اس سے متفق نہیں ہیں بلکہ وہ معوذتین کو باوجود اعوذ باللہ کی تشریح ماننے کے یا فاستعذ باللہ کا مصداق جاننے کے پھر بھی جزوِ قرآن فرماتے ہیں۔ اور قرآن پاک میں اکثر مواقع میں ایسا دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک جگہ ایک مضمون مجمل ہے اور دوسری جگہ اُس کی تفسیر و تفصیل موجود ہے اسلیئے تبیاناً لکل شئی اسکی شان ہے اور یُفسِّر بعضہ بعضاً اسکی صفت ہے۔

فاتحۃ الکتاب اور خاتمۃ الکتاب کا باہمی ربط اور ایک روایت اسکی تائید میں

بہرحال خاتمۃ الکتاب اور فاتحۃ الکتاب کے اس باہمی ربط و ارتباط کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وہ روایت پوری طور پر واضح کرتی ہے جسمیں حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب حضورؐ کو کچھ کسل وغیرہ ہوتا تو حضور علیہ السّلام اپنے دونوں دستِ مبارک پھیلا کر فاتحۃ الکتاب اور خاتمۃ الکتاب یعنی سورۃ الحمد اور معوذتین تلاوت فرماتے اور اپنے دونوں مبارک ہاتھوں پر دم فرماکر چہرۂ مبارک پر اپنے دونوں ہاتھوں کو مس فرماتے جس سے سب شکایتیں دور ہو جاتیں۔

کتاب بشریت کی داہنی ہتھیلی بمنزلہ فاتحۃ الکتاب کے ہے

گویا حضرت فاتح قرآن وخاتم قرآن صلے اللہ علیہ وسلم فاتحۃ الکتاب اور خاتمۃ الکتاب کو اپنے ہاتھوں کی اُن دونوں ہتھیلیوں پر پڑھتے جو عالم انسانی کے تمام اسرار و رموز کا گنجینہ ہیں جنمیں جگر کی جانب کی ایک ہتھیلی اگر تغذیہ جسمانی کے اعتبار سے کتاب بشریت کے لئے بمنزلہ فاتحۃ الکتاب کے ہے اور کائنب تقدیر نے اُسکی لکیریلوں میں از روئے علم لاہوتی بشکل رموز سب کچھ لکھدیا ہے۔

اور بائیں ہتھیلی بمنزلہ خاتمۃ الکتاب کے ہے

تو قلب کی سمت کی دوسری ہتھیلی کتاب بشریت کے لئے بمنزلہ خاتمۃ الکتاب کے ہے جس جانب غذاے روحانی کے منصوبے پایۂ تکمیل کو پہونچتے ہیں۔

تو ظاہر ہے کہ اسکے بعد حضور علیہ السّلام کے جسم مبارک پر کسل کا اثر کیسے رہ سکتا تھا جبکہ لسان محمدی صلے اللہ علیہ وسلم نے نورِ فاتحہ ونورِ معوذتین میں اُن کے الفاظ و حروف سے تحریک پیدا کر کے سرچشمۂ نورِ احدیت سے توسل فرماکر بذریعۂ آلاتِ قوتِ لامسہ اُن اثراتِ نورانیہ کو اپنی کتابِ بشریت پر دم فرمالیا ہو۔

انسان کی دونوں ہتھیلیوں کی کچھ اسرار کتابت

اور یہ ہمارا دعویٰ رموز گو زیادہ تر وجدان پر مبنی ہے مگر بے اصل بھی نہیں ہے اسلئے کہ کلام نبوت وکلام الٰہی کے بعض اشارات اس طرف رہنمائی ضرور کرتے ہیں۔ چنانچہ علاوہ شہادت وقالوا لجلودھم اور اصحاب المیمنۃ واصحاب المشئمہ خیبر میں نساء یہود میں سے جو ایک عورت حضور علیہ السّلام کے پاس ایک بکری زہر آلود کر کے بطور ہدیہ لائی تھی اس قصہ میں ہے کہ حضور نے اس زہر آلود بکری میں سے ایک دست اُٹھایا اور کھانا شروع فرمایا اور چند صحابہ نے بھی کھانا شروع کیا مگر ابھی تھوڑا ہی سا کھانے پائے تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کھانے سے سب ہاتھ اُٹھالو اور اُس عورت کے بلانے کو آدمی بھیجا۔ جب وہ یہودی عورت آئی تو حضور نے دریافت فرمایا کہ سچ بتا کیا تو نے اس بکری میں زہر ملایا ہے اُسنے پوچھا کہ آپکو کس نے خبر دی ہے فرمایا بکری کے اس ہاتھ نے خبر دی ہے جو میرے ہاتھ میں ہے اُسنے اقرار کر لیا۔ اور کہا میں نے اس وجہ سے یہ فعل کیا تھا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو آپکو کچھ نقصان نہ ہوگا اور جو آپ سچے نبی نہیں ہیں تو ہم آرام سے ہوجاویں گے۔ رحمۃ للعالمین نے اس قصہ کو سُنکر اُس کے قصور کو معاف فرمادیا اور کچھ سزا نہ دی۔

مسئلہ علم غیب اور اُسکی طرف ایک مختصر سا اشارہ

(نوٹ) اور اس خیبر والی حدیث سے مسئلہ علم غیب پر بھی روشنی پڑتی ہے اسلئے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل خداوند عالم کے عالم کان و مایکون ہوتے اور آپکو بھی مطلقاً علم غیب حاصل ہوتا تو کاہے کو آپ یہ زہر آلود دعوت قبول فرماتے یا اُسکو تناول کرتے جس سے بعض صحابہ نے وفات بھی پائی۔ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کی جانب سے جسقدر بھی مغیبات کا علم دیا گیا تھا وہ بشہادت آیۂ کریمہ یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ماذا اجبتم۔ قالوا لا علم لنا انک انت علام الغیوب بباسِ لاعلمی پہنا کر دیا گیا تھا اور اس دُنیا میں غیب کا علم حضرت حق جل مجدہٗ کی طرف سے جن پیغمبروں کو بھی عطا ہوا ہے لباسِ لاعلمی کے ساتھ میں عطا ہوا ہے۔ اور عقل سلیم بھی اسی کی مقتضی ہے اسلئے کہ علم غیب جسکے حق میں ذاتی نہ ہو اور پھر اُسکو عطا ہو تو اسکی صورت یہی ہے کہ پردہ شہادت ولاعلمی اُسپر پڑا رہے۔ جیسے اس دنیا میں روح پر پردۂ جسم ڈالا گیا ہے۔

الغرض اس واقعہ سے یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اس زہر آلود بکری کے تمام اعضا آپکو باذن اللہ واقعہ کی اطلاع نہ دیتے بلکہ جونسا حصّہ بھی آپ تناول فرماتے وہی حصّہ حضرت نبی اللہ کو دعوت کرنے والی کے داعیۂ بد سے باذن اللہ اطلاع دیتا مگر اتنا ضرور نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ہر جاندار کے ہاتھوں کو اس کے افعال و اعمال کی گواہی دینے میں خاص طور پر دخل ہوتا ہے۔ کیونکہ زیادہ تر کاروبار کا سابقہ قوتِ قابضہ و قوتِ باسطہ کی اُنہیں دو آلوں سے ہر ایک کو پڑتا ہے اور انسان کے لئے تو خصوصیت سے اُنکو دخل ہے کیونکہ کراماً کاتبین جو روح اسیر کے اوپر اس عالم سجن المومن میں مامور فرمائے گئے ہیں اور جو اس قیدی کے شبانہ روز کے تمام حرکات و سکنات لکھتے رہتے ہیں (اور جسکے گلے میں وکل انسان الزمناہ طائرہ فی عنقہ کے بموجب اعمالنامہ کی تختی ڈالدی گئی ہے جو قیامت کے دن ظاہر کیجائیگی) اُن کی جائے سکونت بھی ہاتھوں کے کاشانے ہیں جو یوم حساب میں ہر ایک کا کیا دھرا عدالتِ مالک الملک میں پیش کر دینگے۔ جبکہ حکم ہوگا کہ اقرأ کتابک کفی بنفسک الیوم علیک حسیبا یعنی ہمنے ہر آدمی کا نامۂ عمل کو اُسکے گلے کا ہار بنا دیا ہے۔ (کہ اسکی قسمت اسکے ساتھ رہے) اور قیامت کے دن ہم اسے اسکے سامنے رکھدینگے کہ وہ اس کو ایک کھلی ہوئی کتاب اپنے سامنے پائیگا۔ اور ہم اس سے کہیں گے کہ اپنا نامۂ اعمال پڑھ لے آج اپنا

حساب لینے کے لئے تو آپ ہی کافی ہے۔

**دعا کا موجودہ اسلامی طریقہ اور اُسکی حکمت**

اور جبکہ داہنے ہاتھ کی ہتھیلی نوائے کتاب البشریت کے بمنزلۂ فاتحۃ الکتاب کے ہوئی اور بائیں ہاتھ کی ہتھیلی اس کے لئے بمنزلۂ خاتمۃ الکتاب کے سمجھی گئی اور انسان جو اپنی ایک ہتھیلی کو دوسری ہتھیلی پر رکھکر خداوند کارساز کے آگے ہاتھ جوڑتا ہے یا ایک ہتھیلی کو دوسری ہتھیلی سے ملا کر دست بدعا ہوتا ہے جو ان دونوں ہتھیلیوں کے اسرار و رموز کو پیش نظر رکھتے ہوئے اوراقِ کتاب البشریت کے مطالعہ اور ذاتِ احدیت کے اعترافِ کمال کی ایک عجیب پُراسرار صورت ہے تو یہیں سے دعا کے موجودہ اسلامی طریقہ کی حکمت پر بھی غور فرمائیے اور ایک انسان جو دوسرے انسان کے آگے عفوِ تقصیر کے لئے ہاتھ جوڑا کرتا ہے اُس کی لم پر نظر کیجئے۔ سو جہاں تک فکر نے پرواز کی یہی خانۂ فہم میں آیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو جو دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو ملاکر دربارِ خداوندی میں توجہ خداوندی منعطف کرانے کا طریقۂ دعا سکھلایا ہے اور اپنی حاجتیں رب الناس سے مانگنے کا جو جاذبِ رحمت اور دافعِ قہر و مصیبت دستورِ لطیف بتلایا ہے اس سے منشائے نبوی یہ ہے (واللہ و رسولہ اعلم بمرادہ) کہ اے اللہ جس طرح اس عالم میں تو نے خیر کو شر سے جدا نہیں فرمایا بلکہ یہ عالم خیر و شر کو اپنے اندر ایسی ہی طرح چھپائے ہوئے ہے جیسے کسی کتاب کا اول و آخر اسکے درمیان کو چھپائے ہوئے ہوتا ہے۔ اور خیر و شر کے یہ دونوں مادّے ایسی ہی طرح اس عالم میں باہم ملے ہوئے ہیں جیسے بندۂ عاجز و ثناخواں کی دونوں ہتھیلیاں اسوقت ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں اسی طرح بندۂ نافرمان کی تقصیرات و سیئات پر بھی اُن کے حسنات و برکات سے جدا نظر نہ فرمایا اور جیسے گیہوں کے ساتھ کوڑا کرکٹ بھی ملے جُلے تُل جاتے ہیں اسی طرح اے اللہ بندۂ عاصی و عاجز مستدعی ہے کہ اس کی لغزشیں اُسکی بندگی و عبدیت کے ساتھ تُل جائیں تاکہ یوم حساب میں بموجودگی کراماً کاتبین کتابِ بشریت اور کتابِ منشور جب پڑھنے کا حکمِ الٰہی صادر ہو تو یسفک الدماء و نحن نسبح کہنے والے فرشتوں کے روبرو طالبِ مغفرت کی فضیحت و رسوائی نہو اور یہی دعا سے مدعا ہوتا ہے۔

**دعائے نماز استسقا اور اُسکی حکمت**

اور یہی اُسکی حکمت غامضہ ہے مگر اپنی ہتھیلیوں کو سیدھا ملاکر دعا کرنے کا طریقہ اون اوقاتِ رحمت کے لئے ہے جبکہ صفتِ رحمانیت کا دور دورہ ہو لیکن اگر صفت

جلال اور قہر و غضب کی تجلی کے ظہور کی نوبت ہو یعنی فرمانبرداروں کی نافرمانیاں حد سے گزر جانے پر منجانب رب السموات والارض سرزنش اور تنبیہ کے لئے مثلاً امساکِ باراں کر دیا گیا ہو تو اسوقتِ قہر میں حکمِ نبوی یہ ہے کہ ہاتھوں کی ان دونوں ہتیلیوں کو اُلٹا کرکے دعا و طلبِ مغفرت کی جائے جس سے گویا دربارِ خداوندی میں اجمالی مجرم اشارۃً و کنایۃً یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ اے قادر و توانا بزرگ و برتر آپکی قدرتِ واسعہ اور آپکے جلال و جبروت کا تو یہ عالم ہے کہ جس طرح ہمنے اپنی ہتیلیوں کو اُلٹ دیا ہے ذاتِ بیچون و بیچگون اسی طرح آسمان و زمین کو جب چاہے اُلٹ پلٹ فرما دے اور یہ جو ہماری بداعمالیوں سے اسوقت ہمارے اوپر نگاہِ قہر ہے شاید کہ ہماری توبہ و زاری آہ و بکا سے یہ قہر و غضب اسی آن مبدّل بمہر و رحمت بنجائے اور بجائے ید قہر کی بسط و درازی کے مہر کا ہاتھ ہمپر وا ہو جائے جس سے ہمارے بگڑے ہوئے کام بن جائیں اور یہی حاصل ہے نماز و دعائے استسقاء کا جس میں انتہائی خشیۃ و تذلل سے بندگانِ معتوبین اپنے ہاتھوں کو اُٹھا کرکے دعائے رحمت و مغفرت عفو، کیا کرتے ہیں۔

**مضامین فاتحہ و خاتمہ (یعنی معوذتین) میں مناسبت**

بہرحال ربطِ کلام ماسبق یہ ہے کہ فاتحۃ الکتاب اور خاتمۃ الکتاب میں ایک ربط و ارتباط ہے اور اُن کے اسلوبِ کلام پر نظر کیجئے تو اُن میں بہت سے معنوی تناسب نظر آتے ہیں جتنے باہمی علاقہ کا عجیب حیرت انگیز انکشاف ہوتا ہے چنانچہ مثلاً سورہ فاتحہ میں جو حمد کیجا رہی ہے وہ سب سے اول اللہ کے لئے کیجا رہی ہے اور اس کے بعد رحمٰن و رحیم مالکِ یوم الدین کے لئے۔ اور معوذتین میں جو تعوذ کیا جا رہا ہے اُس میں سب سے پہلے استعاذہ رب الناس سے کیا جا رہا ہے اور پھر ملک الناس سے اور سب سے آخر میں اللہ وحدہ لاشریک اور الٰہ الناس سے۔

**نور تعوذ میں عروج و ارتقاء ہے**

گویا نورِ تعوذ میں تو عروج و ارتقاء ہے ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف اور یہ رفتار ایسی ہے جیسے عالمِ اجسام میں نورِ شمس کی رفتارِ عروج ہوتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس نور نے درجہ بدرجہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کی جو انسانیت کے ارتقاء کا سب سے بڑا راز ہے اور عروجِ تدریجی انسان کے لئے کلیدِ سعادت و مفتاحِ کمال ہے۔

**نور تحمید میں عروج سے نزول و کمال ہوتا ہے**

اور نورِ تحمید میں عروج سے نزول ہے یعنی اعلیٰ سے ادنیٰ کیطرف

توجہ ہے جو عنایتِ خداوندی کی خاص رفتار ہے۔

جیسے چودہویں رات کا چاند بدر کامل بنکر ہلال ہو جاتا ہے اور اسی لئے اُسکی دھیمی دھیمی اور تدریجی تاثیرات سے عالم کی کل اشیاء اور اعضائے انسانی کی پرورش کے کُل سامان باذن اللہ عالمِ ارحام و عالمِ اجسام میں پایۂ تکمیل کو پہونچتے ہیں۔ غرض نورِ تعوذ تو نیچے سے اوپر کو جاتا ہے اور نورِ تحمید اوپر سے نیچے کو آتا ہے۔

اسی طرح یہ نورِ تحمید اپنی دھیمی دھیمی رفتار سے انسانی کمالات میں کمال و اصطباغ پیدا کرتا ہے۔ پھر معوذتین میں مضمونِ استعاذہ شروع میں ہے تو فاتحہ کے آخر میں تغیرِ عنوان کے ساتھ اس مضمونِ استعاذہ کا ماحصل موجود ہے۔

**نورِ قرآن کی مشابہت نورِ آفتاب سے**

آخر میں قرآن حکیم کے اعجاز و جامعیت کے متعلق بھی اسقدر عرض ہے کہ قرآن حکیم اپنی جامعیت وجاذبیت اجمال و تفصیل ایجاز و اختصار کے اعتبار سے بعینہ وہی شکل رکھتا ہے جو صورت نورِ آفتاب کی ہے کہ وہ تمام عالم کو بھی محیط ہے اور آئینہ جیسے چھوٹی سی چیز میں بھی سماجاتا ہے اُس سے بھی بڑھکر اس کا کمالِ نفوذ یہ ہے کہ آنکھ کی پتلی میں سماجاتا ہے اور پھر پتلی کی سیاہی میں اور سیاہی میں بھی صرف اُسکے نقطۂ نورانی میں سماجاتا ہے۔ جو نقطۂ نورانی کہ اپنے گردوپیش کی ظلمت سے ہردم بتلا رہا ہے کہ نورِ توحید اسی طرح عالم میں آشکارا ہے جیساکہ آنکھ کی پتلی کا چھوٹا سا سیاہ نقطۂ نورانی بڑی سے بڑی چیز کا احاطہ کرلینے کی اہلیت و قابلیت رکھتا ہے۔

**نورِ قرآن سے ضلالت کس طرح انسان حاصل کرتا ہے**

اسی طرح نورِ قرآن تمام عالم پر بھی محیط ہے اور قلبِ انسانی میں بھی خواہ کوئی روح ظلمانی ہو یا نورانی مگر اس کی روشنی سے کوئی خارج نہیں ہے۔ فرق ہی تو یہ ہے کہ جیسے بجلی کی روشنی میں ایک شخص تو مصروفِ لہو ولعب ہے اور دوسرا شخص اسی روشنی میں کسی عجیب وغریب کتاب کے مطالعہ میں مشغول ہے جو لاینحل مسائل کو حل کئے چلا جارہا ہے۔ اور اپنے علم کی حد کو وسیع بنائے ہوئے فراٹے بھرتا ہوا علمِ خداوندی کی سرحد تک پہونچ گیا ہے تو روشنی دونوں شخصوں پر یکساں پڑ رہی ہے البتہ قابلیت کے تفاوت سے کوئی انسان اسکی روشنی میں انسانیت سیکھ رہا ہے اور کوئی اپنی شیطنت

بڑھا رہا ہے یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا۔ کلا نمد ھؤلاء وھؤلاء من عطاء ربک۔

سارے انوار اور علوم الف ب میں سمائے ہوئے ہیں

اسی طرح یہ نورِ قرآن عالمِ ارواح میں تمام ارواحِ انسانی پر بھی محیط ہے اور قلبِ مومن میں بھی۔ اور تمام قرآن باوجود دریائے ناپیدا کنار ہونیکے اسی طرح سمایا ہوا ہے جس طرح عالمِ الفاظ و حروف میں سارا قرآن فاتحہ میں سمایا ہوا ہے اور ساری فاتحہ بسم اللہ میں سمائی ہوئی ہے اور ساری بسم اللہ اپنی ب میں سمائی ہوئی ہے اور ب پتلی کے سیاہ نقطہ کی طرح صرف اپنے نقطہ میں سمائی ہوئی ہے۔

غرض بڑے سے بڑے پیمانہ میں اور چھوٹے سے چھوٹے پیمانہ میں نورِ شمس و قمر کی طرح یہ نورِ کلامِ رب العٰلمین سمایا جاتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ جو شخص ایک دفعہ اس نورِ قرآن کو قلب میں جاگزین کر کے اپنے قصد و اختیار سے بھلا دیگا تو وہ شخص قیامت میں اندھا اُٹھایا جاویگا۔ کیونکہ جس طرح دُنیا میں وہ شخص اندھا سمجھا جاتا ہے جو نورِ آفتاب و مہتاب کو نہ دیکھ سکے اسی طرح عالمِ ارواح میں وہ شخص اندھا سمجھا جائیگا جو نورِ قرآن کو اپنی دل کی آنکھ سے زائل کر دے۔ کما قال تعالیٰ۔ من اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا و نحشرہ یوم القیامۃ اعمیٰ۔ یعنی مُنہ پھیر لیا جسنے ہمارے ذکر سے تو اُس کو ملتی ہے گذران تنگی کی اور لائینگے ہم اُسکو قیامت کے دن اندھا۔

اب دوسری جہت کو لیجئے۔ تمام آیاتِ استعاذہ جو قرآن میں ہیں وہ سب معوذتین میں ہیں اور معوذتین فاستعذ باللہ میں ہیں اور استعذ باللہ اپنے الف میں سمایا ہوا ہے۔ جس سے اشارہ یہ ہے کہ عالم میں تنہا ایک ہی ذات وحدہٗ لا شریک ہے جسکے توسّل اور جس کے تعوذ کی سب کو حاجت ہے لیکن اُس کو اپنی ذات میں اور اپنے وجود میں الف کی طرح کسی کی ضرورت نہیں اور جتنے بھی خطوطِ موجودات "عالم ارحام میں "ما وافق" کے نقطہ متوہمہ پر کھینچ دئے گئے ہیں اپنی بقا و ارتقا اور عروج و کمال میں سب کے سب اُسی کے تابع و محتاج ہیں۔

اور چونکہ علم الاعداد کے مخصوص علم رکھنے والوں کا یہ مسلّمہ اصول ہے کہ الف کا تعلق شمس سے ہے اور ب کا تعلق قمر سے ہے اور میں کہتا ہوں کہ الف ب ہی میں ساری کائنات کے

رازِ سربستہ ہیں الٰہی سر انسان کے علم کی ابتدا ہوتی ہے اور یہی اسکے علم کی انتہا ہے اسلئے یہ دعویٰ بھی ہمارا سراسر حق ہی کہ جس طرح نورِ شمس و قمر سے عالمٗ کا کوئی خطہ چھوٹا ہوا نہیں اسی طرح قرآنِ حکیم کے نور سے بھی عالمٗ کا کوئی ذی عقل طبقہ مستغنی نہیں۔ نہ اُسکے احاطہ سے باہر ہے۔ معوذتین کو سورہ احد اور سورہ کافرون سے جو مناسبت ہے اور ان میں جو رابطہ ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسکو بھی بطور جملہ معترضہ کے عرض کیا جائے

**چاروں قل اور اُن کا ربطِ معنوی**

اسکو غور سے سنئیے پارہ عم کی وہ سورتیں جنکی شروع میں لفظ قُل آیا ہی چار ہیں سورہ کافرون سورہ فلق سورہ اخلاص سورہ ناس اور پارہ عم کی یہ چاروں سورتیں باعتبار اپنی تاثیرات کے عارفین کے نزدیک ایسی ہی طرح مربوط ہیں جیساکہ تخم کا تعلق اپنے برگ و بار سے ہوتا ہے یا نسل کا تعلق اپنے منشار سے ہوتا ہے۔ ان سورِ اربعہ کے شانِ نزول میں بھی اختلاف ہے اکثر صحابہ تو اسطرف ہیں کہ سورہ کافرون اور سورہ اخلاص مکہ میں نازل ہوئی ہیں اور معوذتین مدینہ میں۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ یہ چاروں سورتیں مدنی ہیں۔ بہرحال اسلوب کلامِ الٰہی سے اسقدر ضرور متبادر و مستفاد ہے کہ اُن میں ایک کا دوسرے کے ساتھ گہرا علاقہ ہی تشریح اس کی یہ ہے کہ جس طرح حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم توحید مؤمنین کے لئے موجبِ اجتماع و مرکزِ اتحاد ہے یعنی حضور کی اس تعلیم پر عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ تمام مسلمان المؤمن کالبنیان یشد بعضہم بعضاً کے مصداق بنکر ایک ہی نقطہ پر جمع ہو جاتے ہیں اسی طرح حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم افتراقِ کفار و مؤمنین کے درمیان حدِّ فاصل اور موجبِ تفریق بھی ایسی ہی طرح پر ہے جیسے رات اور دن میں موجبِ امتیاز و افتراق آفتاب عالمتاب ہوتا ہے اور حضور کی یہ شانِ امتیازی مشکوٰۃ کی اس حدیث سے ظاہر ہے جس میں ومحمد فرق بین الناس موجود ہے اور جبکہ اجتماع کی اصل توحید و وحدانیت ٹھیری جسکی تعلیم سورہ اخلاص میں ہے اور اصل افتراق کی شرک ٹھیرا جسکی وجہ سے مؤمن کی راہ اور ہے اور کافر کی راہ اور جسکا ذکر سورہ کافرون میں ہی اور جب باعتبار شرک و توحید کے مخلوق قابل الشریعت و قابل التکلیف کی دو قسمیں ہوگئیں ایک مومن و مسلم جن کا رشتہ عبودیت سرکار احدیت سے ملتا ہی اور رشتہ عقیدت ظلِ الٰہی یعنی جناب سید البشر صلے اللہ علیہ وسلم سے۔ دوسرے کافرین و مشرکین جنکا سلسلہ طغیان منسوب سرکار احدیت شیطانِ لعین سے وابستہ ہی تو اس کا صاف نتیجہ منفی پہلو میں تو یہ ہے کہ مومن اُسکو

نہیں پوج سکتا جسکو مشرک پوجتے ہیں۔ اور اثباتی پہلو میں یہ ہوا کہ مومن اس سے پناہ مانگتا ہے جس خناس لعین کی اطاعت و فرمانبرداری میں دن رات کفار مستغرق رہتے ہیں گویا اقرار توحید نعمت اللہ الصمد کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مومن کفار سے تو کہیں لا اعبد ما تعبدون اور اصلی منشاء کفر سے بچنے کے لئے بارگاہ رب العلمین میں یوں دست بدعا ہوں اعوذ برب الفلق من شر ما خلق الخ۔ حاصل یہ ہے کہ سورہ کافرون میں اگر کفار سے اعلان بیزاری و مقاطعہ ہے تو معوذتین میں منشاء کفر اور ظلمت شرور و فتن کی جڑ یعنی شیطان رجیم سے پناہ خداوندی میں بندہ کا چھپ جانا ہے۔ اسکے بالمقابل سورہ اخلاص میں ذات صمدیت واحدیت کو منشاء ایمان و اسلام بتلایا گیا ہے جو تمام مخلوق کا واحد سہارا ہے۔ اور ممکنات کے ہر قسم کے نقائص و احتیاج سے منزہ و مبرا ہے۔

جیسے کسی درخت کو پرورش کرنے کے لئے باغبان کو دو ہی چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے اول سامان پرورش کی دستیابی و فراہمی دوسرے حفاظتی تدابیر کا پایۂ تکمیل کو پہونچنا اسی طرح مومن کو بھی اپنی استعداد ایمان کے پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے دو چیزوں ہی کی ضرورت ہے اول نور توحید و رسالت جو کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا تخم سعید اگائے اور پھیلائے اور دوسرا انوار تعوذ جو شیطان کے حملوں سے اسکو محفوظ رکھے۔ اسی لئے شیطان کی زد سے بچانے کے لئے مومن کو حربۂ معوذتین عطا کیا گیا تو اس تخم ایمان سے شجر ایمان اگانے اور پھیلانے کے لئے سورہ اخلاص کا نزول ہوا اور کفر و ایمان، خیر و شر کے مخلوط سلسلوں میں ایک کو دوسرے سے الگ الگ ممتاز و ممیز کر دینے کے لئے سورہ کافرون کا نزول ہوا۔ پس کسقدر خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو تخم ایمان و تخم توحید و رسالت کو زمین قلب میں پیوست کر کے اُن کی بیاری کا فریضہ عبادات مفروضہ سے بجالا کر شجر ایمان کو کامل و مکمل کرتے ہیں اور نور تعوذ کی باڑھ لگا کر ہر قسم کے شرور کائنات سے گلستان قلبی کو محفوظ رکھکر سعادت ابدی و نجات سرمدی کا ثمرۂ عظیم حاصل کرتے ہیں۔

خلاصۂ کلام اور ربط مضامین ماسبق یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے معوذتین کو اپنے مصحف میں اسلئے شامل نہیں کیا تھا کہ وہ اُن کو جزو قرآن نہ سمجھتے تھے اور وجہ اسکی یہ تھی کہ

وہ اُن کی حیثیت ایک علاج روحانی اور دعائے ملہم کی سی جانتے تھے اُن کے خیال میں قرآن کی دیگر آیات کی غرض وغایۃ یہ تھی کہ وہ انسان کو امر و نہی سے باخبر کریں اور مقاصد الٰہی کی تبلیغ انسان کے دل پر نقش ہو اور چونکہ معوذتین سے نہ کوئی حکم ظاہر ہوا نہ کوئی تبلیغ ممکن تھی بلکہ محض کیفیتِ سحر کے ازالہ کیلئے اُن کا نزول ہوا اسلئے معوذتین کو وہ کلام الٰہی مانتے ہوئے مصحف کا جزو نہیں سمجھتے تھے لیکن حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اُسکو ظاہر کیا ہے کہ آخر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی اپنے اس مسلک سے رجوع کر لیا تھا۔ اور وہ بھی اسی کے قائل ہو گئے تھے کہ معوذتین جزو قرآن ہیں اور ہمنے جو یہ دراز بحث اُٹھایا ہے اسکے بعد تو اس رجوع وعدم رجوع کے اظہار یا تاویل کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی کیونکہ قرآن مجید کا ایک طرف یہ موضوع ہے کہ وہ امر و نہی اور تبلیغ فطری سے انسان کی رہنمائی کرے۔ عجائباتِ قدرت کو ظاہر کرکے انسانوں کی دلوں کی قساوت وغفلت کو دور کرے تو دوسری نظر ثانی اُس کا یہ موضوع بھی ہے کہ وہ اس کلام پُر عظمت کے کلیم ازلی سے انسان کا واسطہ عاجزی وبیچارگی بھی قائم کرے اور وہ راہ تعوذ ہی ہے جو خالق کے تئیں بندہ کے عجز کی کیفیت کو ظاہر کر کر اس کی مدد و اعانت کو بندۂ عاجز پر متوجہ کیا کرتی ہے۔ اسی لئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا واما ینزغنک من الشیطان نزغ فاستعذ باللہ انہ سمیع علیم۔

بہرحال جبکہ استعاذہ بھی امر و نہی کے ماتحت آگیا اور اُس کی ضرورت بھی داخل موضوع قرار پاگئی تو اس کے بعد معوذتین کا جزو قرآن ہونا خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مسلک کے مطابق بھی ثابت ہوگیا۔

علاوہ ازیں جبکہ قرآن مجید میں ہے ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا ' یعنی شیطان انسان کا دشمن ہے اور تم بھی اُسے دشمن ہی سمجھ رکھو اور اُسکی دغابازی نہ آؤ تو جیسے دشمن مخفی کے داؤ گھات سے انسان بجز قوانین حکومت کے آڑ لئے ہوئے بچ نہیں سکتا ' اسی طرح یہ کیسے ممکن ہے کہ شیطان کی دغابازی سے بجز تعوذ حق کے انسان نجات پاسکے اور جبکہ صورت حال یہ ہے، تو پھر تعوذ اور جملہ آیاتِ تعوذ کا داخلِ قانونِ الٰہی و جزو مصحف ہونا ایک امر فطری ہو گا غالباً انہی وجوہ کے سامنے آجانے پر حضرت ابن مسعود رضؓ نے رجوع فرمایا ہو گا +

۔۔۔۔۔۔۔۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

# تلخیص مضامین رسالہ ہٰذا بعد حذف مضامین ضمنیہ

---

وا سورہ فلق میں تو انسان کو اُن چار آفتوں اور شیطانی مضرتوں سے پناہ رب میں لیا گیا تھا جو عالم اجسام میں انسان کے لئے ضرر رساں تھیں اور سورہ ناس میں اس ضرر شدید اور روحانی مضرت سے انسان کو متنبہ کیا گیا ہے جو عالم ارواح میں شیطان کی طرف سے براہِ راست اُسکے جوہرِ انسانیت کو معدوم کرنے کے لئے اسپر حملہ آور ہوتا ہے اور بفحوائے حدیث الشیطان یجری من الانسان مجری الدم وہ خون کی طرح سے بدنِ انسان میں داخل ہوکر اُسکے رگ و پے میں دوڑنے لگتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب عالم اجسام میں شیطان انسان پر حملہ آور ہوا تو حق تعالیٰ نے صرف اپنی ایک صفتِ ربوبیت سے تعوذ سکھلایا اور جب عالم ارواح میں شیطان نے انسان پر حملہ کیا تو حق تعالیٰ نے اپنی تین صفات یعنی ربوبیت و ملکیت و الوہیت کی تجلیات آئینۂ قلب انسانی میں اسی طرح ڈالیں جس طرح کہ نورِ آفتاب آئینہ میں نہ سما سکنے کے باوجود اسمیں جلوہ پاشی کرتا ہے۔

وا یہ علیحدہ بات ہے کہ کوئی کوتاہ عقل ربوبیت و ملکیت و الوہیت کے انوار و تجلیات سے اکتسابِ نور کا ارادہ ہی نکرے تو اسمیں اُن کا کوئی قصور نہوگا۔ بلکہ عقلِ انسانی کے مجاز و مختار ہونیکی وجہ سے سراسر اسی کا قصور سمجھا جائیگا ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم  چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

وٰ شیطان کی ہمیشہ یہ سعی ہوتی ہے کہ انسان کی اِس ملکوتی جہت کو جس کو خداوند عالم نے اپنی صفاتِ ثلٰثہ سے اکتسابِ نور کرنے کے لئے دار العمل میں بھیجا ہے ان سے مکتسب نہونے دے

وٰ بظاہر حدیث شریف ان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم جس کا حاصل یہ ہے کہ شیطان انسان کے جسم میں خون کیطرح دوڑتا ہے خلاف فطرت معلوم ہوتی ہے اور شیطان کا وجود بقول زنادقہ ایک قصۂ فرضی معلوم ہوتا ہے لیکن عقل سلیم اسپر شاہد ہے کہ انسان کا مادّہ جسقدر کثیف و ثقیل ہے اُسی قدر شیطان و ملک کا مادہ لطیف بھی ہے اسی لئے

وہ غیر مرئی وغیر محسوس ہیں۔ چنانچہ نور و نار یہ دونوں مادّے زمین سے جسقدر لطیف ہیں ظاہر ہے یہی وجہ ہے کہ نار کو ہم نار تو کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح ہم نور کو نور تو کہہ سکتے ہیں لیکن نہیں بتلا سکتے کہ نور و نار کی شکل و صورت کیا ہے سو جس طرح نورِ آفتاب کو اسکی لطافتِ ذاتی کی بناپر زمین لینے پر مجبور و مجبول ہے اسی طرح شیطان و ملک کا مادّہ چونکہ لطیف ہے اسلئے ان کا اجسامِ انسانی میں داخل ہونا بھی ظاہر و باہر ہے۔

ف رہا شیطان و ملک کے وجود کا مسئلہ سو یہ ایک بدیہی چیز ہے اس کا وجود غیر مرئی ہے تو اس سے انکارِ وجود لازم نہیں آتا ورنہ پھر روح کے وجود سے بھی انکار کرنا پڑیگا۔ گو جناب سرسید اور اُن کے ہم نوا شیطان کا وجود علیحدہ تسلیم نہیں کرتے صرف نفسانی قوت کا نام اُنہوں نے شیطان رکھا ہے اور اُن کے دلائل کا لُبِّ لباب یہ ہے کہ جو چیز آنکھ سے نہ دکھلائی دے کان سے سنائی نہ دے ہاتھوں سے چھوئی نہ جائے اُس کا وجود نہیں ہو سکتا لیکن کوئی ان سے پوچھے کہ آخر پھر تم اپنی روح کے کس طرح قائل ہو۔ چاہیئے کہ اپنے وجود سے بھی انکار کردو۔ اصل یہ ہے کہ حواسِ خمسہ مجردات کا ادراک نہیں کرسکتے مرکب وجود ہی کا ادراک کرسکتے ہیں۔ چونکہ انسان روح وجسم دونوں سے مرکب ہے اسی لئے آنکھ دیکھ سکتی ہے کان سُن سکتے ہیں لیکن جیسے ہر مرکب اپنے وجود سے مفرد کا پتہ دیتا ہے اور ہر مجموعہ اپنے وجود سے اپنے اجزا پر شاہد ہے۔ جیسے دریا میں خود بخود حرکت کبھی پیدا نہیں ہو سکتی جب تک اُسکے لئے کوئی محرک نہ ہو۔ جیسے عناصرِ اربعہ کی قوتوں کا خود بخود مختلف صور و اشکال اختیار کرلینا بدون کسی صانعِ کارساز حکیم مطلق کے اہلِ عقل کو تسلیم نہیں اسی طرح خیر و شر کی یہ نوع مرکب بتلا رہی ہے کہ اسکی تخلیق جدا جدا دو قسم کی ناری و نوری مخلوق کے مجموعہ سے تیار کی گئی ہے۔ اگرچہ وہ ہمکو ایسی ہی طرح دکھائی نہ دیں جیسا کہ ماں باپ مرجانے کے بعد اپنے بیٹوں سے چھپ جاتے ہیں غرض نار کا مقابلہ عنصرِ خاکی تو نہیں کرسکتا البتہ اُس کا مقابلہ اگر کوئی چیز کرسکتی ہے تو وہ نور ہی ہے یہی وجہ ہے کہ ایک ہنڈا لکتنا ہی تیز روشنی والا کیوں نہ ہو جہاں شب کو اسکی ضرورت ہر ایک فردِ بشر کو تسلیم ہے صبح کو نورِ آفتاب میں اس کا بیکار ہو جانا بھی بالبداہتہ ہر ایک پر روشن ہے۔

ف پس جو لوگ دُنیا میں نور اور اہلِ نور سے مناسبت پیدا کرتے ہیں اُن کی جزاء آخرت میں جنت

ہوتی ہے اور جو نار واصل نار سے تعلق رکھتے ہیں انکی سزا یوم حساب میں نار ہوتی ہے باقی خداوند عالم چونکہ مسبب الاسباب ہے، اور اسباب کا پابند نہیں اسلئے وہ چاہیگا تو شفاعت النبی پر ایک ناری کو نوری بنا دیگا۔ اور اپنی نظر رحمت ہی سے اس کے دل کے کھوٹ کو زائل کر کے جنت کے قابل بنا دیگا اور نہ چاہیگا تو نہ معاف کریگا۔ چاہے کسی قدر ریاضتیں کیوں نہ کی گئی ہونگی۔

ف شیطان اور اُسکا مادہ ناری جسقدر انسان کے لئے مضر ہے اُسی قدر مفید بھی ہے۔ پس اگر انسان پر غالب آجائے جیسے مغلوبیت کی صورت میں شیطان انسان کو اسفل السافلین میں پہونچا دیتا ہے جب انسان حسب تائید ربانی اُس پر غلبۂ کامل حاصل کرلیتا ہے تو پھر سیر اسرار تکوینی بھی منکشف ہو جاتے ہیں۔ وکذلک نری ابراہیم ملکوت السموات والارض ولیکون من الموقنین۔

ف بہیمیت کے اس غلبۂ کامل کے بعد جو محض حقتعالیٰ کی تربیت خاصہ سے انسان کو نصیب ہو سکتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک اُنکی روحانیت کے لئے بمنزلۂ آئینہ کے ہو گیا تھا چنانچہ آپ کا یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ آپ جس طرح سامنے سے دیکھتے تھے اُسی طرح پیچھے سے بھی دیکھتے تھے اور آپ کا سایہ بھی زمین پر نہ پڑتا تھا کیونکہ آپ عالم ارواح کے آفتاب تھے اور اسی لئے آپ کے لئے معراج جسمانی ایسی ہی آسان ہو گئی جیسے ہمارے اور آپ کے لئے زینہ پر قوت بہیمیہ کی قوت سے زینہ پر چڑھ جانا اور اُس سے اُترنا آسان ہوتا ہے۔ قوت ملکیہ کے کمال و شباب کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سیر سماوات کی بھی یہی صورت تھی۔

ف جبکہ انسان کے قلب میں شیطان کی آمد و رفت ثابت ہو چکی تو اب اسکی داخلۂ قلب کی صورتوں پر اور ان کے انسداد کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ سو بزرگوں کے تجربے سے ثابت ہے، کہ شیطان کے داخلۂ قلب کی اکثر و بیشتر تین ہی صورتیں ہوتی ہیں کبھی وہ شہوت کی راہ سے دخل پاتا ہے اور کبھی قہر و غضب کی راہ سے اور کبھی حسن و دولت، حرص، شرک و ہوا کے راستہ سے۔

ف برب الناس } سو رب الناس سے اشارہ یہ ہے کہ جب شیطان شہوت کی راہ سے دخل پائے تو انسان اُس مالک کی پناہ لے جو اُسکی قوت بہیمیہ کو جادۂ اعتدال پر لگانیوالا ہے اور وسط شباب میں ایک ایسا مادہ پیدا کرتا ہے جو ابنائے جنس کے بڑھانے کی آرزو کرتا ہے چونکہ یہ مادہ حکیم مطلق کا پیدا کیا ہوا ہے، اور بندہ اس جوانی کی بہار میں امین کی حیثیت رکھتا ہے لہذا یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ بندہ از خود بلا اجازت خداوندی اس بہار انسانیت کو جسکے ہاتھ چاہے فروخت کر ڈالے شیطان یہ چاہتا ہے کہ انسان کو اس بہار انسانیت کے صرف میں مطلق العنان بنا دے اور جو

پُرامن راہ تو الد و تناسل کی حق تعالیٰ نے بذریعہ رسول قائم فرمائی ہے اسکو برباد کر دے اسلئے قرآن حکیم میں جن حالات و محلات میں اس مادہ کے صرف کی اجازت دیگئی ہے اسکو شریعت کی اصطلاح میں نکاح کہتے ہیں اور جن حالات و محلات میں بندہ از خود بلا اجازتِ خداوندی اس بہار انسانیت کو صرف کرے اُسے زنا کہتے ہیں غرض جہاں تمنائے انی مکاثر بکم الامم لشہادات اہل ورع نہ پوری ہوگی وہاں بندہ اس بارہ میں خائن کہلائیگا ۔

۱۱ ملک الناس } اور جب شیطان قہر و غضب کی راہ سے قلب میں داخل ہو تو انسان ملک الناس کی پناہ لے کیونکہ اسی کی حکومت تمام عالم کو محیط ہے روح اگرچہ جسم میں ایک حکمراں کی حیثیت رکھتی ہے لیکن یہ حکمرانی اُسی کی دی ہوئی قوتِ پر تو ہے شیطان حق تعالےٰ کی عطا کی ہوئی قوتوں کا غلط استعمال کراتا ہے چنانچہ قوتِ قہر جسکو اعداء اللہ کے مقابلہ کیلئے پیدا کیا گیا ہے شیطان اس کا استعمال اپنے بھائی بندوں کیطرف کرا دیتا ہے انسان کی حکومت تو صرف اعضاء و جوارح پر ہی ہے، اور ملک الناس کی حکومت نہ صرف اعضاء و جوارح ہی پر ہے بلکہ حواس خمسہ عقل و دانش دل و دماغ سب پر محیط ہے پھر انسانی حکومت کی بناء تو زیادہ تر جبر و استبداد پر ہوتی ہے اور سکی رضا حاصل کر لینا بادشاہانِ دنیا کے بس سے بالا ہے اور خداوند عالم کی حکومتِ جامعہ محبتِ کاملہ پر مبنی ہے بادشاہانِ دنیا تو اپنے نظم میں دوسروں کے محتاج ہیں اور فکر و اصابت رائے میں بھی دوسروں کے دست نگر۔ اسی لئے مہمات سلطنت میں غلطی ہونے پر کبھی مقرب معذب ہو جاتے ہیں اور کبھی معتوب مقرب اور ملک الناس کی حکومت ہر آن سب پر شامل ہے سب کے دلوں کے مخفی بھیدوں پر مطلع ہے چنانچہ وہ اپنے انتظام میں نہ کسی کا محتاج ہے نہ پابند اسلئے جو اُسکے خاص مقرب معصوم بندے دُنیا میں آتے ہیں وہ کبھی معزول و معتوب نہیں ہوتے۔ الغرض خداوند عالم ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اسلئے ملک الناس سے اشارہ یہ ہے کہ روح انسانی پر جبکہ اصلی حکمران خداوند عالم ہے تو اُسی کی بادشاہی و سیاست تمام عالم پر قائم ہے پھر ملک الناس کے ساتھ بایں جلال و جبروت دعویٰ انا ولا غیری کیسا اور بجالت فقد علم و عقل و عمل و مشورہ مطلق العنان اور مستبد ہو جانے کے کیا معنے

۱۲ الٰہ الناس } اور جب شیطان عقائد باطلہ حرص و طمع شرک و ہوا حسن و دولت کی راہ سے دخل پائے تو انسان الٰہ الناس کی پناہ لے جسکی تمام خوبیاں و بھلائیاں ازلی و ابدی ہیں اور ایسی ہی طرح اس سے وابستہ ہیں جیسے آفتاب کی نورانی شعاعیں آفتاب سے وابستہ ہوتی ہیں اور تجلّی الوہیت سے انسان کو خبردار کیا گیا کہ آدمی آدمیوں کے معبود نہیں ہو سکتے کیونکہ معبود وہی ہو سکتا ہے جسکے ہاتھ میں نفع و ضرر کی باگ ہو۔ اور جسکی حکومت کا کوئی شریک و سہیم نہ ہو اور جملہ خوبیاں و کمالات اُسکے حق میں ذاتی ہوں الغرض الٰہ الناس سے

اشارہ یہ ہے کہ تم اُسی خدا کو پوجو کہ جسے کبھی اجل نہ آئے۔

ف ۱۳ غرض یہ ہے کہ قلب انسانی تین زاویے اندر رکھتا ہے اور اُسکی شکل مثلث ومخروطی ہے اسی لئے شیطان کے داخلۂ قلب کی بھی تین ہی صورتیں تھیں اسلئے صفاتِ ثلٰثہ سے حق تعالیٰ نے تربیت فرمائی اور تینوں قوائے بہیمیت وسبعیت وملکیت کو اپنی اپنی جگہ پر رکھنے کے لئے اور ملکیت کو زاویۂ توحیدی پر قائم فرمانے کے لئے تین نور قلب نبوی کے ذریعہ سے ایسی برپا کئے کہ جن سے شیطان کے داخلۂ قلب کی کوئی صورت ہی نہ رہی۔

ف ۱۴ جس طرح تین جسمانی موسم ہیں اور اُن میں ہر ایک دوسرے کے لانیکا سبب ہے۔ مثلاً برسات جاڑے کے آنیکا پیش خیمہ ہے اور جاڑا گرمی لاتا ہے اسی طرح روحانی موسم بھی تین ہیں ایک دَورِ بہیمیت ہے دوسرا دَورِ سبعیت ہے، تیسرا دورِ ملکیت ہے یہی وجہ ہے کہ دورِ ملکیت میں تو ذرا سا عملِ خیر بھی جلدی بارآور ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اس کا موسم بہترین ہے اور دیگر مواسم میں بارآوری کیلئے بڑی جدّوجہد کی ضرورت ہوتی ہے خیر القرون قرنی الحدیث

ف ۱۵ صفاتِ ثلاثہ کا مقصد یہ ہے کہ قلب اور دماغ کی تینوں سمتوں میں تجلیاتِ ثلاثہ کے انوار شیطنت کو داخل نہونے دیں اور یہ سب انسان کے کسب وارادہ پر محوّل اور موقوف ہے۔

ف ۱۶ حصۂ اول میں یہ بحث آچکی ہے کہ عالمِ باطن میں جس طرح تخمِ سعادت اعمالِ حسنہ سے بڑھتا گھٹتا ہے اسیطرح تخمِ شقاوت وشیطنت بھی اعمالِ شریہ کی کمی زیادتی سے بڑھتا گھٹتا رہتا ہے اور جسقدر انسان بھی پیدا ہوتے ہیں کوئی ان میں شیطنت کا پھل ہوتا ہے اور کوئی شجرِ نبوت کا ثمرۂ شیریں اور شجرِ نبوت کی تکمیل جس طرح عالمِ اجسام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی ہے اسی طرح عقل اسکو مقتضی ہے کہ شجرِ شیطنت کا اختتام وتکمیل بھی حضرت خاتم الانبیاءؐ کے عہدِ رسالت میں ہو کر مغلوب ہونا چاہئیے چنانچہ دجالِ اکبر کی پیدائش اس سلسلۂ شیطنت کی تکمیل کے لئے ہوگی جسکو جرنیل سرکار محمدیؐ یعنی حضرت روح اللہ عیسیٰ نبی اللہ قتل کرینگے۔ اب ہم یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ شیطان کو اگر شیطنت کی تکمیل کے لئے قیامت تک عمرِ طویل عنایت فرمائی گئی اور اُسکی دعا قبول کرلیگئی توحضرت مسیح علیہ السّلام کو جب شیاطین الانس نے دار پر لٹکانا چاہا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ مصلحتِ محمدی وحکمتِ خداوندی کے ماتحت حضرت عیسیٰ کو عمرِ دراز نہ عنایت کیجاتی اور اُنکی جہتِ ملکیت کو اعلیٰ وارفع بنانے کے لئے اُنھیں آسمانوں میں نہ رکھاجاتا۔ جب بہیمیت کے پیکرِ کامل کی دعا قبول کرلیگئی جو منسوب سرکارِ احدیت بھی تھا تو بھلا مقبولِ سرکارِ احدیت کی دعا کیسے قبول نہ ہوتی۔

ف ۱۷ حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے فردِ کامل ہونے کی وجہ سے صفاتِ ثلاثہ ربوبیت وملکیت والوہیت کے مکتسب بالذات ہیں اور بقیہ جسقدر بھی عالمِ ارواح کے کواکب و سیارات انبیاء علیہم السلام ہیں وہ مکتسب بالعرض ہیں جیسے آفتابِ عالمتاب تدریجی طور پر بڑھتا ہی یہانتک کہ خطِ استوا پر پہونچتا ہی تو کمالِ نورانیت کے مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہی اور کوئی نظر بھر کر بھی نہیں دیکھ سکتا مگر یہ سراجِ منیر قدرت کی نورانیت سے تمتما کر فوراً ہی جھکنے اور ڈھلنے لگتا ہی اسی طرح نورِ نبوت محمدیؐ بھی جب آسمانِ نبوت کے خطِ استوا پر پہونچا تو اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حجۃ الوداع میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی اور دیگر مواقع پر اسکا کہ ما کان محمدٌ ابا احدٍ من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔ اذا جاء نصر اللہ والفتح ورأیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجاً الخ۔ پس جیسے آفتاب کے عروج وکمال پر پہونچ جانیکے بعد عالم کو کسی دوسرے آفتاب کی ضرورت نہیں رہتی اسی طرح آپکے بعد کسی نبی کی حاجت نہیں رہ سکتی۔

ف ۱۸ جس طرح بچپن سے انسان جوانی پکڑتا ہی اور جوانی کا میدان طے کر کے بڑھاپے میں قدم رکھتا ہی اور انسانوں کا کعبۂ عقل و قبلۂ تجارب بنتا ہے اسی طرح رب الناس کی تجلیاتِ ربوبیت جب کسی نوع یا کسی فرد میں مکمل ہو لیتی ہیں تو ملک الناس کی تجلیاتِ ملکوتی شروع ہو جاتی ہیں اور جب ان کا ظہور یا یہ تکمیل کو پہونچ لیتا ہی تو تجلیاتِ الوہیت سے انسان سرفراز ہونے لگتا ہی غرض ایک وقت میں کسی نفس پر قیامت آتی ہے تو کسی نفس پر آغازِ وجود ہوتا ہی کسی پر جوانی کی بادشاہت شروع ہوتی ہی تو کسی پر فقیری کے آثار وارد ہوتے ہیں اور کوئی توکل و قناعت کا لباس پہنکر نازلیت جہانِ رب العٰلمین ہوتا ہے۔ غرض تجلیِ الٰہی انسان کی جس قوت پر بھی متوجہ ہو جاتی ہے وہی قوت عالم کے لئے باعثِ رحمت بنجاتی ہی اور شیطان جس قوت پر قابض ہو جاتا ہے وہی قوت خود اُس کے لئے اور اُسکے ابنائے جنس کے لئے مضرت رساں ہو جاتی ہی۔ چونکہ شیطان علومِ شر کا ماہر اور برسوں کا تجربہ کار بڈھا خرانٹ ہی اسلئے مولویوں کو مولویوں کے رنگ میں اور صوفیوں کو صوفیوں کے رنگ میں اور جاہلوں کو جاہلوں کے رنگ میں ایسا چکمہ دیتا ہے کہ باوجودیکہ ہر شخص یہ جانتا ہی کہ برے عمل کا نتیجہ برا ہوتا ہے اور بھلی بات کا نتیجہ بھلا ہی اور شیطان ہمیشہ بری باتوں کی طرف انسان کو مائل کرتا رہتا ہے مگر پھر اسکے بہکائے میں انسان آجاتا ہی اور اس ضرر روحانی سے نہ صرف اپنی ہی کو بلکہ اپنی نسلوں تک کو متاثر کر دیتا ہی۔

ف ۱۹ یہیں سے مسلم عاصی اور کافر و مشرک کی سزائے نار میں بھی فرق سمجھئے کیونکہ کوئی مسلم عاصی ایسا نہیں جسکے دل میں کسی نہ کسی درجہ میں نورِ ایمان نہو اسلئے اسپر نارِ جہنم اگر اثر انداز بھی ہوگی تو اسقدر سوزاں نہ ہوگی جیسے کہ یہ کافروں پر ہوگی کیونکہ کافر کے قلب میں نورِ توحید و رسالت کا کوئی ادنیٰ ساجزو بھی نہیں ہوتا۔

ف ۲۰ جس طرح سونا اور چاندی آفتاب و مہتاب کے نور کو جذب کیا کرتے ہیں اسی طرح قلوبِ مسلمین بھی نورِ ذاتِ وحدہٗ لاشریک لہٗ اور نورِ نبوتِ محمدی کو جذب کیا کرتے ہیں جیسے سونے اور چاندی میں ناقص دھاتوں کا ملاؤ زیادہ ہوجاتا ہے تو سونار اُنہیں آگ میں تپاکر خالص کیا کرتے ہیں اور کوئی شخص بھی سُناروں کو بے عقل نہیں کہتا کیونکہ آگ سونے کو نہیں جلاتی بلکہ ناقص دھاتوں کو جلایا کرتی ہے اسی طرح نارِ جہنم میں بھی مسلم عاصی کا ڈالنا سراسر رحمتِ الٰہی ہے کیونکہ جنّت میں وہی قلوب داخل ہونے کے لائق ہیں جو آلائشاتِ شیطانی سے پاک اور کھرا ہو اسی لئے جن لوگوں نے دُنیا میں اپنے دل کو شیطنت اور نفسانی میل کچیل سے پاک و صاف نہ کیا اُنہیں بصد کلفت و غم آخرت میں اضطراری تزکیہ نارِ جہنم سے کرنا ہوگا اور جب مثل خالص سونے کے قلبِ انسانی میں نور ہی نور رہجائیگا تو پھر اس قلب کو نارِ جہنم آزاد کردیگی اور پھر اس میں وہی سیاہ دل رہجائینگے جن کے دل میں نورِ ایمان کا کوئی حصّہ نہ ہوگا۔ غالباً یہی سبب ہے کہ مشرکین و کفار اپنے مُردوں کو پہلے ہی سے آگ میں جلاکر اپنے آپ ہی اپنے ناری ہونے پر گواہ بنتے ہیں لیکن نارِ جہنم قلب سے شروع ہوتی ہے اور پھر جسم پر آتی ہے جیسے بخار پہلے قلب میں آتا ہے پھر جسم پر آتا ہے جسد کو اسی لئے جہنم کی آگ کہتے ہیں کہ یہ آگ پہلے قلب سے شروع ہوتی ہے اور بعد کو حاسد و محسوس تک پہونچتی ہے۔ یوں تو سب دشمن خوف کے لایق ہیں لیکن سب سے زیادہ خوف کے لایق وہ دشمن ہے جو نہ ہمیں نظر آئے نہ ہم اُس کا کچھ بنا بگاڑ سکیں اسپر ستم یہ ہے کہ شیطان کی دشمنی بھی بادی النظر میں دشمنی نہیں معلوم ہوتی بلکہ انسان اُس کے پھندے میں اسلئے بآسانی آجاتا ہے کہ وہ مال و دولت زن و فرزند عیش و طرب کے مخمصوں میں پھانسکر اُدھر میں دھکا دیتا ہے جیسے ایک جعلی سکہ کو بازار میں لیجائیے تو کانی کوڑی کو بھی کوئی نہیں پوچھتا اسی طرح عالمِ آخرت میں دنیا کی چند روزہ مکدر عیش کی بھی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی شیطان دائمی و ابدی مسرت سے انسان کو بے خبر کرکے وقتی اور فانی عیش میں پھانسکر الگ ہوجاتا ہے اور گویا اسکی راہ ماردیتا ہے۔

ف ۲۱ جیسے بدامنی کی حالت میں انسان بادشاہوں اور سلطنتوں کا محتاج ہے اور مدنی الطبع ہونے کی وجہ سے ایک انسان دوسرے انسان کا محتاج ہے اسی طرح باطنی آفات اور شرورِ کائنات سے بچنے کے لئے بھی انسان رسولِ خدا

اور خدا تعالیٰ کی حکومت اور اُسکی پناہ کا محتاج ہے غرض جبکہ انسان کے دو عالم ہیں ایک جسمانی دوسرا روحانی اور روحانی عالم بوجہ روح کے فضل و اعلیٰ ہونے کے جسمانی عالم سے افضل ٹھیرا تو جس طرح جسمانی تاریکیوں سے بچنے کیلئے انسان کو آفتاب و مہتاب کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح عالم ارواح میں بھی اُس کو آفتاب و مہتاب رسالت کی حاجت لازما ہے۔

ف ۴۲ حاصل یہ ہے کہ انسان کے اندر تین قوتیں ہیں بہیمی سبعی ملکی قرآن حکیم میں ہر ایک کے لئے انوار تربیت موجود ہیں اور اُن کے آفات و امراض سے تعوذ۔ شیطان ہر سہ قویٰ کا غلط استعمال کر کے انسان کو ھاویہ کے گڑھے میں گرا دیتا ہے اور انسان کے شجر وجود و ایمان پر شیطنت کا جال دیمک کیطرح بچھاکر اُسکے اخلاص کو فنا کر تا رہتا ہے جیسے دیمک خوردہ درخت اور اُس کے برگ و بار ہرگز نہیں پنپ سکتے اسی طرح وہ انسان بھی ہرگز فلاح و سرخروئی حاصل نہ کر سکیگا جسکے عقل و دین پر شیطنت کی دیمک لگجائے جیسے جسم کو عوارض لگجاتے ہیں تو علاج کیا جاتا ہے حکیموں کے ناز نخرے سہے جاتے ہیں۔ حاذق اطبا کی تلاش میں جستجو و سرگردانی کیجاتی ہے، دوائی جاتی ہے تن کے درست کرنے میں پانی کی طرح روپیہ بہایا جاتا ہے اسی طرح شیطنت کا اثر جب روح پر ہو جائے تو عمر عزیز کی فرصت کو غنیمت سمجھکر علاج روحانی میں کافی ستعدی و توجہ سے کام لینا چاہیئے کیونکہ بحالت غفلت اندیشہ ہے کہ شیطنت کا درخت کہیں اعمال شریہ کی آبیاری سے پوری طرح دل میں جڑ نہ پکڑلے اور جہنم کے پھل اُسپر نمودار ہو جائیں پس چاہیئے کہ انسان اپنے قلب میں بھلائی کی تخم ریزی کر کے اپنے اعمال حسنہ سے اسکی آبیاری کرتے ہوئے شجر ایمان کو بڑھائے اور پھیلائے تاکہ جنت کے پھل اوسپر لگ سکیں۔

ف ۴۳ آخر میں عرض ہے کہ جن امور سے قرآن و حدیث میں استعاذہ کی تلقین کی گئی ہے ان کا ملخص فہرست مضامین میں درج کر دیا گیا ہے اسلئے یہاں مکرر نقل کرنے کی حاجت نہیں سمجھی گئی۔ فہرست مضامین کے دیکھنے سے کل مواقع استعاذہ بھی معلوم ہو جاوینگے۔ اور مضامین پر اطلاع بھی ہو جاویگی۔ حق تعالیٰ بطفیل سید الابرار اس عاصی نابکار کو اور تمام برادران اسلام کو ایمان و یقین اور تعوذ کی دولت مرحمت فرمائے اور سب کا یہ سفر حیات مستعار بخیر و خوبی ایمان و دین کی دولت کے ساتھ ختم ہو آمین ثم آمین +

العبد الضعیف المذنب محمد طاہر بن احمد القاسمی کان اللہ

دار العلوم دیوبند

۹ ر ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ یوم عرفہ